

مقام حسینؑ

پیام شاہجہانپوری

مقامِ حسینؓ

مقامِ حسینؓ

پیام شاہجہانپوری

اشاعت منزل ○ بل روڈ ○ لاہور

ناشران	ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل بل روڈ لاہور
طابع	ملک محمد عارف
مطبوعہ	دین محمدی پریس لاہور
تعداد طبع	۱۰۰۰
قیمت	چھ روپے

دوسرا ایڈیشن

☆

تعارف

(حضرت مولانا غلام رسول مہرؔ)

حضرت امام حسینؓ تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخِ انسانیت کی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں جنکی خوں چکاں مظلومیت سوا تیرہ سو سال سے کروڑوں انسانوں کی اشک باری اور ماتم گساری کا مرجع بنی ہوئی ہے ان کی شہادت کے جانگزا سانحہ المیہ پر جو آنسو اب تک بہائے گئے اگر انہیں جمع کیا جائے تو یقیناً انسانی اشکوں کا ایک عظیم سمندر موجزن ہو جائے۔ ان پر کتابوں، مرثیوں اور نوحوں کی شکل میں جو کچھ لکھا گیا وہ بھی اپنے حجم اور درد انگیزی میں بالکل یگانہ حیثیت کا مالک ہے۔ تاہم امام ممدوح کی شخصیت پر اچھی اور متوازن کتاب کی ضرورت ابھی باقی تھی۔

میرے عزیز دوست جناب پیام شاہجہانپوری نے "مقامِ حسینؓ" کے نام سے ایک نئی کتاب مرتب فرمائی تو میں نے اسے شوق سے پڑھا اور اس سلسلے میں اپنے تصورات بھی ان کے سامنے پیش کئے جو سالہا سال کے تاریخی مطالعے اور شہادتِ امام کے احوال وظروف پر غور و فکر کا نتیجہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ نہ کوئی شخص قطعیت سے اپنے پیش کردہ تصورات کی صحت و درستی کا دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ یہ امید رکھ سکتا ہے کہ اختلافی معاملات میں بیان کا جو

اسلوبِ طریق اسکے نزدیک قرینِ احتیاط ہے ہر مصنف بہر حال اسی پر عمل پیرا ہوگا۔ متنازعہ فیہ مسائل کے خارزار سے دامن بچاتے ہوئے حق و صداقت کو منظرِ عام پر لانا سہل نہیں۔ ایسے معاملات میں قدم قدم پر افراط و تفریط کا اندیشہ لاحق رہتا ہے یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق عرفی نے کہا تھا کہ ع

آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

جناب پیامؔ نے پیش نظر کتاب میں امام حسین علیہ السلام کے سوانح و سیرت کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے اور انہیں اعتدال و توسط سے صفحۂ قرطاس پر پھیلانے میں کوئی دقیقۂ سعی فروگذاشت نہیں کیا۔ تاریخی نقطۂ نگاہ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس ضخامت کی کتاب میں امام موصوف کے متعلق صحیح معلومات کا ایسا ذخیرہ شاید ہی مل سکے، پھر جناب مصنف نے امامِ ہمام کی سیرت کو ایسے انداز میں پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے جسے ہم عام اصطلاح میں اصلاحی انداز کہہ سکتے ہیں یعنی فضائل و محاسن کو محض فضائل و محاسن کی صورت میں پیش کرنے پر اکتفا نہ کرنا بلکہ انہیں ہر قاری کے دل میں اتارنے اور جزوِ حیات بنانے کے لئے کوشاں رہنا۔

کتاب کی زبان سادہ و سلیس طریقِ بیان سلجھا ہوا اور جاذب ہے، اسکے تمام نتائج یا ہر حصے کے اسلوبِ ادا سے سو فی صد اتفاق ضروری نہیں تاہم امید ہے کہ یہ کتاب امام حسین علیہ السلام کی سیرتِ مقدسہ کے ذخیرے میں قابلِ قدر اضافہ سمجھی جائے گی

مہرؔ

مسلم ٹاؤن لاہور
۱۴ دسمبر ۱۹۵۵ء

پیش لفظ

میں نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں عرض کیا تھا کہ اس کی ابتدا دراصل اس طرح ہوئی کہ روزنامہ "امروز" لاہور کے سابق مدیرِ اعلیٰ اور میرے دیرینہ کرم فرما حضرت احمد ندیم قاسمی نے امروز کے محرم ایڈیشن کے لئے مجھ سے ایک مقالہ لکھنے کی فرمائش کی۔ عرصے سے میری آرزو تھی کہ سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف پر بعض متعصّب یا ناواقف لوگوں کی طرف سے جو اعتراضات کیئے جاتے ہیں ان کا مدلّل جواب لکھوں۔ ندیم صاحب کی اس فرمائش نے مہمیز کا کام دیا اور میں مقالہ لکھنے میں منہمک ہو گیا لیکن جب میں نے اس موضوع پر مواد فراہم کیا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ مضمون ایک اخبار کے چند کالموں میں نہیں سما سکتا اس کے لئے تو ایک کتاب درکار ہو گی چنانچہ میں نے اسے کتابی صورت دے دی جب میں کام ختم کر چکا اور اپنے بعض دوستوں سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ اس کے ساتھ حضرت امام حسینؓ کی سیرت و سوانح اور واقعۂ شہادت بھی شامل کر دو تاکہ پڑھنے والوں کے سامنے حضرت امامؓ کی زندگی کی ایک تصویر آ جائے۔ اپنے دوستوں کا یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے میں نے حضرت امامؓ کی زندگی کے یہ پہلو بھی کتاب میں شامل کر دیئے لیکن ظاہر ہے

کہ اس وقت سیرت وسوانح اور واقعاتِ شہادت کا تذکرہ ضمنی طور پر کیا گیا تھا اِس لئے ان میں اختصار سے کام لینا پڑا تھا جب کتاب شائع ہوئی تو قارئین نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا لیکن اس امر کی شکایت کی کہ اس میں حضرت امام حسینؓ کی سیرت و سوانح اور واقعاتِ شہادت سے متعلق مواد کم ہے۔ اپنے قارئین کی آراء کا احترام کرتے ہوئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کے دُوسرے ایڈیشن میں اِس کمی کو پورا کر دوں گا۔

چنانچہ پہلا ایڈیشن ختم ہو جانے کے بعد میں نے مکرم ملک محمد عارف خان صاحب (ناشر) سے گذارش کی کہ اس کے دُوسرے ایڈیشن کی طباعت فی الحال روک دی جائے۔ میں ان کا ممنون ہُوں کہ انہوں نے میری درخواست قبول فرمالی۔ اس کے بعد میں مزید تلاش و تحقیق میں مصروف ہو گیا اور تین سال تک اِس وادیٔ خارزار میں سرگرداں رہنے کے بعد جو کچھ ملا وُہ قارئینِ کرام کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہُوں۔

میں نے اِس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے فرقہ وارانہ نقطۂ نگاہ سے بالاتر ہو کر لکھا ہے اور ہر ماخذ سے استفادہ کیا ہے لیکن اس امر کی پوری احتیاط کی ہے کہ کوئی غلط روایت شاملِ کتاب نہ ہونے پائے جو مواد اِس کے پہلے ایڈیشن میں پیش کیا گیا تھا وُہ دُوسرے ایڈیشن میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ صرف ایک یا دو جگہوں پر معمولی سی کمی کر دی گئی ہے البتہ ترتیب میں خاصی تبدیلی کرنی پڑی ہے۔ اور واقعۂ کربلا کا پس منظر، یزید بن معاویہؓ، اہلِ عراق کی دعوت اور واقعۂ کربلا کا ردِّ عمل کے عنوان سے کئی ابواب کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ "سوانح و سیرت" میں بھی بہت سے اضافے کئے گئے ہیں۔ اسی دوران میں کراچی سے ایک دل آزار کتاب

"خلافتِ معاویہؓ ویزید" کے نام سے شائع ہو گئی جس میں سیدنا حضرت علیؓ اور سیدنا حضرت امام حسینؓ کی زندگی کے واقعات اور ان حضرات کے موقف کو گمراہ کن طریقے سے پیش کیا گیا تھا چنانچہ اس کتاب میں اس دل آزار کتاب کا جواب بھی "امارتِ معاویہؓ ویزید" کے نام سے شامل کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو بہت حد تک یہ نئی کتاب ہو گئی ہے اور اس کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے بھی بہت مفید ہو گا جو اس کا پہلا ایڈیشن پڑھ چکے ہیں۔

آخر میں میں اپنے بزرگ محترم حضرت مولانا غلام رسول مہر کا خاص طور پر ممنون ہوں کہ جب میں نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا مسودہ ان کی خدمت میں پیش کیا تو موصوف نے "تعارف" لکھنے کے علاوہ مجھے نہایت مفید مشورے بھی دیئے نا انصافی ہو گی اگر میں اپنے محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی اور مکرم غلام حسن صاحب کسری منہاس کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے مجھے بعض قیمتی کتابیں عنایت فرمائیں۔ پنجاب پبلک لائبریری کے شعبۂ مشرقیات کے انچارج جناب سردار مسیح صاحب گل کی مجھ پر خاص عنایت رہی بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ انہوں نے ساری لائبریری کو میرے DISPOSAL پر چھوڑ دیا۔ میں ان کا بھی بےحد ممنون ہوں

پیام شاہجہانپوری

لاہور ۱۷ر جون ۱۹۶۰ء

"کون ہے جو (حضرت) حسینؓ کی حق اور صداقت کو بلند کرنے والی اِس قربانی کی تعریف کئے بغیر رہ سکے گا۔ دُوسروں کے لئے جینے کا اصول اور کمزوروں اور دُکھیاروں کی امداد کو اپنا مقصدِ حیات بنانے کی بے نظیر مثال (امام حسینؓ) کی بے لوث شخصیت سے زیادہ روشن کہیں اور نہیں مل سکتی۔ جنہوں نے اپنی نیز اپنے محبوب ترین عزیزوں اور ساتھیوں کی جان کی بازی لگا دی لیکن ایک ظالم اور طاقتور بادشاہ کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ گو حق اور صداقت کی بے بہا خوبیوں کی حفاظت اور دُوسروں کی بھلائی کے لئے (امام حسینؓ) نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اپنی جان دی تھی لیکن پھر بھی اُن کی لافانی رُوح آج بھی دنیا میں لاتعداد دلوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔"

سر جارج ٹامس

(از حسین ڈے رپورٹ)

فہرستِ مضامین

سوانح و سیرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح و سیرت

بشارتِ ولادت

ایک روز کا ذکر ہے کہ قریش کی ایک خاتون رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ :-

"یارسُول اللہ! میں نے رات بڑا عجیب اور بھیانک خواب دیکھا ہے"۔

حضورؐ نے فرمایا بیان کرو۔

خاتون نے عرض کیا کہ "حضورؐ! وہ خواب اس قدر ڈراؤنا ہے کہ بیان کرنے کی ہمت نہیں پڑتی"۔

آپؐ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ "کوئی مضائقہ نہیں تم اپنا خواب سناؤ"۔ خاتون نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ :-

"میں نے دیکھا کہ آپ کے جسمِ مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے"!

حضورؐ نے خواب سُن کر فرمایا کہ اِس میں اِس قدر گھبرانے کی کیا بات تھی یہ تو بڑا مبارک خواب ہے اور پھر آپ نے اِس کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ خدا تعالےٰ فاطمہؓ کو بیٹا عطا فرمائے گا، جسے تم گود لوگی۔ (مستدرک، حاکم جلد سوم صـ۱۷۶)

ولادتِ حسینؑ

یہ روشن ضمیر خاتون جن کا نام ام الفضل بنت حارث تھا اور جو حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی بیوی تھیں اپنا خواب سُنا کر چلی گئیں۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ زمانہ گزرتا گیا۔ آفتاب طلوع و غروب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۴ھ کے شعبان کا چاند نمودار ہوا اور جب شعبان کی چار تاریخ آئی تو روشن ضمیر خاتون ام الفضلؓ کا خواب پُورا ہو چکا تھا۔ حضورؐ کو نومولود کی ولادت کی خبر دی گئی۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ کے دولت کدے پر تشریف لائے اور فرمایا کہ:-

"میرے بیٹے، میرے جگر کے ٹکڑے کو میرے پاس لاؤ"

جگر گوشۂ رسولؐ کو ایک سپید کپڑے میں لپیٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی اور پھر اپنی گود میں لے لیا۔

اِس کے بعد آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو ہدایت فرمائی کہ اس کا عقیقہ کرو اور

بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو۔ چنانچہ ساتویں روز یہ رسم ادا کی گئی۔ (مستدرک، حاکم جلد سوم صہ ۱۷۶)

ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے بچے کا نام "حرب" رکھا تھا لیکن حضورؐ نے یہ نام پسند نہ کیا اور فرمایا کہ اس کا نام حسینؓ رکھو۔ (اسد الغابہ جلد دوم صہ ۱۸)

پرورش

جب حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی تو آپ کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کی مدتِ رضاعت (دودھ پلانے کا زمانہ) ختم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچی حضرت ام الفضلؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم حسینؓ کو دودھ پلایا کرو۔ چنانچہ حضرت حسینؑ نے حضرت فاطمہؓ کا نہیں بلکہ حضرت اُم الفضلؓ کا دودھ پیا اور اس طرح رسولؐ اللہ کے جسم کا ٹکڑا اُم الفضلؓ بنت حارث کی گود میں آگیا۔

اُمّ الفضل کو حضرت حسینؑ سے ایسی محبت ہوگئی جیسی ماں کو اپنی حقیقی اولاد سے ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ انہیں اپنے سے بہت کم جدا کرتیں اور ان کے آرام کے لئے اپنا آرام و آسائش قربان کر دیتیں۔ رسولؐ اللہ نے حضرت حسینؑ کے ساتھ ان کی یہ شیفتگی اور والہانہ محبت دیکھ کر حضرت حسینؑ کی پرورش انہیں کے سپرد کر دی۔

تعلیم و تربیت

یہ فخر حضراتِ حسنؓ و حسینؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے علاوہ اِس رُوئے زمین پر اور کسی کو حاصل نہیں کہ رسولؐ خدا نے بذاتِ خود اِن قدسی نفوس کی تربیت

فرمائی۔ حضرت حسینؓ کو رسول اللہؐ کی زیرِ تربیت رہنے کا گو زیادہ موقع نہیں ملا اور آپ ابھی بچے ہی تھے کہ حضورؐ وصال فرما گئے لیکن قلیل مدت ہی کے لئے سہی، یہ فخر آپ کو حاصل ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت حسینؓ کو نماز اور اس کے آداب رسول اللہؐ ہی نے سکھائے تھے۔

اس کے علاوہ بعض اور واقعات بھی ایسے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ اپنے اس پیارے نواسے کو ہر وقت نگاہِ تربیت سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ابوجوزا حضرت حسینؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنے جدِّ محترم کے متعلق کوئی واقعہ مجھے سنائیے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ ایک دن میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت کچھ کھجوریں آپ کے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کھجور اُٹھا کر میں نے اپنے منہ میں رکھ لی۔ حضورؐ نے وہ کھجور اُسی وقت میرے منہ سے نکال لی اور فرمایا کہ "تمہیں نہیں معلوم کہ صدقہ آلِ محمدؐ پر حرام ہے۔ یہ صدقے کی کھجوریں ہیں"۔ یہ روایت اصابہؔ کی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتابِ حدیث میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:-

ایک بار رسول اللہؐ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا۔ اتنے میں حضرت حسینؓ بھی آگئے اور بچپن کی وجہ سے اس میں سے ایک کھجور اُٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ حضورؐ نے اُسی وقت اُن کے مُنہ میں اُنگلی ڈال کر کھجور نکال دی نیز

فرمایا کہ "مخ مخ" پیغمبر کے اہل بیت زکوٰۃ نہیں کھایا کرتے۔" (بخاری جلد دوم ص ۱۲۹)
رسول اللہ کے وصال کے بعد سیدہ حضرت فاطمہؓ اور سیدنا حضرت علیؓ نے آپ کی تربیت فرمائی۔ آپ نے لکھنا پڑھنا، شہ سواری، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور فنونِ جنگ کی تعلیم حضرت علیؓ ہی سے حاصل کی۔ اس زمانے میں یہ علوم دین کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ آج ہم اس کا تصور کم ہی نہیں سکتے۔ رسول اللہ کے جید اور باکمال صحابہ بفضلہ حیات تھے اور مسجد نبویؐ سے علوم دین کا ایسا چشمہ بہہ رہا تھا جس کی نظیر چشم فلک نے پھر کبھی نہ دیکھی اور نہ پھر کبھی دیکھے گی۔ اسی مدینہ اور اس مدینہ کے اسی پاکیزہ ماحول میں حضرت حسینؓ پروان چڑھے اور آپ کی خداداد صلاحیتوں نیز فطری سعادت طبع پر اس ماحول نے وہی کام کیا جو سونے پر سہاگہ کرتا ہے جس نے بچے کو سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی آغوش شفقت باب علم سیدنا حضرت علیؓ کے سایۂ عاطفت اور فخر رسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی حاصل ہو اور جس نے مسجد نبویؐ کے سرچشمۂ علم و فضل سے کسب فیض کیا ہو اس کے تبحرِ علمی، اس کے مرتبۂ دینی اور اُس کے معیارِ اخلاق و سیرت کی نظیر کون لا سکتا ہے؟

رسول اللہ کی نظر میں مقامِ حسینؓ

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد سے لے کر آج تک دنیا کی تقریباً

ہر زبان میں حضرت حسینؓ کو خراجِ عقیدت پیش کیا جا چکا ہے۔ عقیدت گذاروں نے آپ کے بلند مرتبے کے تعین میں ذرہ برابر بخل سے کام نہیں لیا۔ الفاظ کے انبار لگا دیئے۔ مضامین کے پُل باندھ دیئے اور تخیلات کے محل تعمیر کر دیئے۔ عقیدت مند تو خیر عقیدت مند تھے۔ انتہا یہ ہے کہ دشمنوں کی زبانِ قلم بھی آپ کی تعریف و توصیف سے باز نہ رہ سکی۔ مگر یہ ساری تعریفیں ایک طرف اور زبانِ وحیؑ و نبوت کے چند کلمات ایک طرف۔ احادیث صحیحہ اور روایات مصدقہ شہادت دیتی ہیں کہ حضور سرور کائناتؐ نے جب بھی حضرت حسینؓ کا ذکر فرمایا ہمیشہ آپ کی نسبت ایسے کلمات استعمال کیئے جن سے آپ کے مرتبے کی بلندی اور آپ کی عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ مثلاً ایک بار ارشاد ہوا:۔

"حُسینؓ منی وانا من حسین احب اللہ من یحب الحسین حُسینؓ سبطٌ من الاسباط"۔ (بخاری۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

(حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالےٰ اسے محبوب رکھے جو حسین کو محبوب رکھتا ہے۔ حسین گروہ اسباط میں سے ایک سبط ہے)

ایک اور موقع پر فرمایا کہ :۔

"یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں مجھے ان سے محبت ہے اے خدا تو بھی ان سے محبت کر اور ان لوگوں سے بھی جو ان سے محبت

کرتے ہیں۔" (ترمذی بروایت حضرت اسامہؓ)

ایک مرتبہ ارشاد ہوا۔

"حسنؓ و حسینؓ دنیا میں میرے دو پھول ہیں"

(بخاری بروایت عبدالرحمٰن بن ابی نعیم)

پھر ایک بار فرمایا:۔

"حسنؓ و حسینؓ نوجوانان بہشت کے سردار ہیں" (ترمذی بروایت حذیفہؓ)

رسول اللہ کی شفقت

اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں جس ہستی کا مرتبہ اتنا بلند ہو اس سے حضور جتنی بھی محبت فرماتے درست تھی۔ چنانچہ آپ کی یہ محبت و شفقت قدم قدم پر ظاہر ہوتی تھی۔ حضورؐ نے اپنا معمول بنا لیا تھا کہ نماز فجر ادا کرنے کے لئے مسجد تشریف لے جاتے ہوئے حضرت فاطمہؓ کے دولت کدے پر آتے اور دروازے پر آواز دیتے کہ "السلام علیکم یا اہل بیت النبوۃ"۔ حضورؐ کی آواز سن کر حضرت فاطمہؓ بچوں کو لے کر دروازے پر آجاتیں اور حضورؐ حضرات حسنؓ و حسینؓ کو پیار کرتے اور ان کی خیر و عافیت معلوم کر کے پھر مسجد کو تشریف لے جاتے۔ (ترمذی)

سفر پر روانہ ہوتے وقت بھی آپ سیدہ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لاتے اور اپنی عزیز بیٹی اور اس کے بیٹوں سے مل کر پھر سفر پر جاتے

اسی طرح سفر سے واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لاتے اور حضرات حسنؓ و حسینؓ کو پیار کرنے کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ (مدارج النبوۃ)

محبت کا یہ حال تھا کہ حضرات حسنینؓ کو روتا ہوا دیکھنا بھی برداشت نہ ہوتا تھا چنانچہ زید بن زیاد روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضورؐ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے مکان سے نکل کر کہیں تشریف لئے جا رہے تھے۔ جس وقت حضرت فاطمہؓ کے مکان کے سامنے سے گذرے تو حضرت حسینؓ کے رونے کی آواز سنی۔ آپؐ اسی وقت حضرت فاطمہؓ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ "اے فاطمہؓ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس کے رونے سے میرے دل کو کتنی تکلیف ہوتی ہے" (نزل الابرار)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان آنکھوں سے دیکھا اور میں نے ان کانوں سے سنا کہ رسول اللہ حسینؓ کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور ان کے دونوں پیر حضورؐ کے دونوں پیروں پر تھے اور آپؐ فرما رہے تھے کہ "لے چھوٹے چھوٹے قدموں والے آگے بڑھ۔ آگے بڑھ"۔ حسینؓ اوپر کو چڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے پیر حضورؐ کے سینے پر پہونچ گئے۔ پھر آپؐ نے حسینؓ کو بوسہ دیا اور فرمایا اے خدا میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ (الاستیعاب جلد اول صہ ۱۴۴)

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رات کو میں کسی ضرورت سے رسول اللہ کے دولت کدے پر حاضر ہُوا۔ میں نے دستک دی۔ جب حضورؐ باہر تشریف لائے تو آپؐ کسی چیز کو چادر میں لپیٹے ہوئے تھے جب میں گفتگو کر چکا تو میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ چادر میں کیا لئے ہوئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے چادر کھول دی۔ میں نے دیکھا کہ چادر کے نیچے حسنؓ و حسینؓ تھے۔ جنہیں آپؐ نے دونوں پہلوؤں پر اُٹھا رکھا تھا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے خدا میں انہیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھ اور انہیں بھی جو انہیں محبوب رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسولؐ اللہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں حسنؓ و حسینؓ آ گئے۔ وہ دونوں اس وقت سُرخ قمیضیں پہنے ہوئے تھے اور چلنے میں لڑکھڑا رہے تھے۔ انہیں (لڑکھڑاتے) دیکھ کر حضورؐ نے خطبہ ملتوی فرما دیا اور منبر سے نیچے اتر کر ان دونوں کو اٹھا لیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمایش ہے۔ میں نے ان بچوں کو لڑکھڑاتے دیکھا تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ میں نے خطبہ ملتوی کر کے انہیں اٹھا لیا۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مستدرک)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا کہ آپؐ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ پیارا کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) (ترمذی)

رسولؐ اللہ کے ایام علالت میں ایک روز حضرت فاطمہؓ حضرات حسنؓ و حسینؓ کو اپنے ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ یہ آپؐ کی زندگی کے آخری دن تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا کہ یہ دونوں آپ کے فرزند ہیں انہیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ حسنؓ کو میں نے اپنی ہیبت اور سرداری عطا کی اور حسینؓ کو شجاعت و سخاوت۔" (تہذیب التہذیب۔ جلد دوم ص ۳۴۵)

خلفائے راشدین کے عہد میں

رسولؐ اللہ کے وصال کے وقت حضرت امام حسینؓ کی عمر سات سال کے قریب تھی۔ حضورؐ کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ جانشین ہوئے تو آپ کے زمانے میں بھی حضرت امام حسینؓ کا بچپن ہی تھا اس لئے اس عہد کا کوئی قابل ذکر واقعہ جو حضرت حسینؓ سے متعلق ہو نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ جب کبھی راستے میں سے گذرتے ہوئے آپؓ حضرت حسینؓ کو دیکھتے تو انہیں اپنے پاس بلاتے اور پیار کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد جب سیدنا حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو آپکے آخری عہد خلافت

میں حضرت امامِ حسینؓ سنِ شعور کو پہونچ چکے تھے۔ واقعات شہادت دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک آپ کے حال پر نہایت درجہ مہربان رہے، وہ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے اور انہیں خواہش رہتی تھی کہ حضرت حسینؓ سے ملاقات کا زیادہ سے زیادہ موقع ملتا رہے، اپنی اس خواہش کا انہوں نے ایک بار حضرت حسینؓ سے تذکرہ بھی کیا۔ اس کے چند روز کے بعد حضرت حسینؓ ان سے ملنے کے لیے ان کے مکان پر تشریف لے گئے، اس وقت حضرت امیر معاویہؓ آئے ہوئے تھے اور دونوں تخلیے میں گفتگو کر رہے تھے۔ دروازے پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت حسینؓ بھی ان کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد جب ابنِ عمرؓ واپس ہوئے تو حضرت حسینؓ بھی ان کے ساتھ ہی واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب حضرت عمرؓ کی حضرت حسینؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے شکوہ کیا کہ آپ ہم سے ملنے نہیں آتے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں تو آیا تھا لیکن چونکہ آپ معاویہؓ سے گفتگو کر رہے تھے اس لئے میں ابنِ عمرؓ کے ساتھ دروازے پر کھڑا رہا اور کچھ دیر کے بعد واپس چلا گیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کو ابن عمرؓ کے ساتھ دروازے پر کھڑے ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ ان سے زیادہ حقدار ہیں ہمیں جو عزت حاصل ہے

وہ خدا تعالیٰ کے بعد آپ ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے۔ (اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد دوم ص۱۵)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مدائن فتح ہوا اور مال غنیمت مسجد نبویؐ میں لا کر پھیلایا گیا تو حضرت عمرؓ نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے حضرت امام حسنؓ تشریف لائے اور حضرت عمرؓ نے انہیں ایک ہزار درہم عطا فرمائے۔ پھر حضرت امام حسینؓ تشریف لائے۔ آپ کو بھی ایک ہزار درہم دیئے گئے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشریف لائے حضرت عمرؓ نے انہیں پانچ سو درہم دینے کا حکم دیا۔ اس پر ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ امیرالمومنین! میں ایک طاقتور آدمی ہوں اور جس وقت امام حسنؓ و حسینؓ مدینے کے بازار میں کھیلا کرتے تھے اس وقت میں رسول اللہؐ کی طرف سے جہاد کرتا تھا۔ لیکن آپ نے ان کو تو ایک ایک ہزار درہم عطا فرمائے اور مجھے صرف پانچ سو دیئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "عبداللہ یہاں سے چلے جاؤ۔ پہلے ان کے باپ جیسا باپ۔ ان کی ماں جیسی ماں۔ ان کے نانا جیسے نانا۔ ان کی نانی جیسی نانی۔ ان کے چچا جیسا چچا۔ ان کی پھوپھی جیسی پھوپھی۔ ان کے ماموں جیسا ماموں اور ان کی خالہ جیسی خالہ تو لاؤ۔ سنو! خدا کی قسم ان کے باپ علی المرتضیٰؓ ہیں۔ ان کی ماں فاطمۃ الزہراؓ ہیں۔ ان کے نانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

ہیں۔ ان کے چچا حضرت جعفر طیارؓ ہیں۔ ان کی پھوپھی امّ ہانیؓ بنت ابی طالب ہیں۔ ان کی خالہ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ہیں اور ان کے ماموں رسول اللہ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ ہیں۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اہل بیت رسولؐ سے کس درجہ محبت فرماتے تھے اور حضرت امام حسینؓ کا مرتبہ آپ کی نظر میں کتنا بلند تھا۔ ذیل کے واقعے سے اس حقیقت کی تائید مزید ہوتی ہے۔

ایک بار یمن سے کچھ حلے مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ نے وہ حلے صحابہؓ میں تقسیم فرمائے جن اصحاب کو حلے ملے تھے وہ انہیں پہن پہن کر آتے تھے اور حضرت عمرؓ کو سلام کرتے تھے۔ اسی اثنا میں حضرات حسنینؓ بھی آنکلے جب حضرت عمرؓ کی نظر ان دونوں صاحبزادوں پر پڑی اور ان کے بدن حلوں سے خالی پائے تو آپ کے دل کو بے حد قلق ہوا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگوں کو حلے دے کر مجھے بالکل مسرت نہیں ہوئی۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ حسنؓ و حسینؓ کے جسموں پر حلے نہیں ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت یمن کے عامل کے نام حکم لکھا کہ فوری طور پر دو حلے اور بھیجو۔ جب وہ حلے آگئے اور حضرات حسنینؓ کو پہنا دیئے تو آپ نے فرمایا کہ اب مجھے حقیقی مسرت حاصل ہوئی۔ (ابن عساکر جلد چہارم صـ ۳۲۱)

حضرت عمرؓ کے حکم سے جب مسلمانوں کے لئے بیت المال سے وظائف

مقرر کئے گئے تو غزوۂ بدر میں حصہ لینے والے صحابہ کے فرزندوں کا دو دو ہزار وظیفہ مقرر ہوا مگر اس موقع پر بھی آپ نے حضرات حسنؓ و حسینؓ کے ساتھ امتیازی سلوک کیا اور صرف اس لئے کہ وہ رسول اللہ کے نواسے تھے ان دونوں حضرات کا پانچ پانچ ہزار مقرر فرمایا۔ (فتوح البلدان)

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ کے عہد خلافت میں حضرت حسینؓ جوان ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں آپ میدان کارزار میں نظر آنے لگے چنانچہ جب سنہ ۳۰ھ میں طبرستان پر حملہ کیا گیا تو حضرت امام حسینؓ نے اس جنگ میں رضاکارانہ طور پر شریک ہو کر داد شجاعت دی۔ (ابن اثیر جلد سوم صہ ۸۴)

سنہ ۳۵ھ میں جب باغیوں اور مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عثمانؓ کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو اس نازک وقت میں حضرت امام حسینؓ نے مدینہ کے دوسرے صحابہ کے فرزندوں کے ہمراہ بیتِ عثمانؓ کی حفاظت کی۔ جب مفسد مکان پر یورش کرنے کے لئے آگے بڑھے تو حضرت حسینؓ نے بڑی پامردی سے انہیں روکا۔ اس موقع پر باغیوں اور حضرت عثمانؓ کے محافظین میں جنگ بھی ہوئی جس میں حضرت امام حسینؓ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ لیکن چند مفسدان حضرات کی نظر بچا کر دوسری طرف سے حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہو گئے اور خلیفۂ رسولؐ

کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ جب حضرت علیؓ کو اس روح فرسا واقع کی خبر ہوئی تو وہ افتاں و خیزاں موقع پر آئے اور حضرت حسینؓ کی سرزنش کی کہ تمہاری موجودگی میں امیر المومنین کیسے شہید کر دیئے گئے لیکن ظاہر ہے کہ اس میں حضرت حسینؓ کی کوتاہی کو کوئی دخل نہیں تھا اور یہ آپؓ اور آپؓ کے ساتھیوں کی جرأت و شجاعت اور سرگرمی ہی تھی کہ اس نے مفسدوں کو اس جانب سے حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہونے سے باز رکھا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب صحابہؓ کی اکثریت کی تحریک و تائید سے حضرت علیؓ نے مسندِ خلافت کو زینت دی تو آپ کے عہد خلافت میں حضرت حسینؓ کی شجاعت کے جوہر خوب نکھرے۔ چنانچہ جنگِ جمل، جنگِ صفین اور معرکۂ نہروان میں آپ نے اپنی حیرت انگیز شجاعت سے متعدد معرکے سر کیئے۔ زمانہ حال کا ایک عرب مؤرخ عمر ابو النصر آپ کی شجاعت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ایک لڑائی میں حضرت امام حسینؓ نے میدان میں نکل کر دشمن کو ان الفاظ میں چیلنج کیا تھا کہ:-

"کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔"

حضرت حسینؓ کا یہ چیلنج سُن کر ایک بہت بڑا بہادر زبرقان مقابلے کے لئے نکلا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟

فقال: انا الحسین بن علی
فقال له الزبرقان: انصرف
یا بنی فانی واللہ لقد نظرت
الی رسول اللہ مقبلا من ناحیة
قباء علی ناقة حمراء، وانت
یومئذ قدامه فما کنت
لالقی رسول اللہ صلی اللہ علیه
وسلم بدمک.

(الحسین ص۲۱)

آپ نے فرمایا کہ، میں حسینؓ بن علی ہوں
(اس پر) زبرقان نے کہا، اے میرے
بیٹے تم میدان سے ہٹ جاؤ (کیونکہ)
ایک روز میں نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ
صلعم اونٹنی پر سوار ہو کر قبا کی طرف
جارہے تھے اور تم حضورؐ کے آگے
بیٹھے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے اس حالت میں ملاقات
کرنا پسند نہیں کرتا کہ میرے ہاتھ تمہارے
خون سے رنگین ہوں۔

جنگ صفین میں تحکیم کے موقع پر حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جو عہد نامہ لکھا گیا تھا اس میں بھی گواہ کی حیثیت سے حضرت حسینؓ نے اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے۔

عہدِ معاویہؓ میں

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہوئے اور حضرت معاویہؓ نے شامی فوجوں کے ساتھ پیش قدمی کر کے انہیں خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا تو حضرت امام حسینؓ نے اپنے برادر اکبر کو

جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت امام حسنؓ نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت حسینؓ کے اصرار کے باوجود امت کو مزید خوں ریزی سے بچانے کی خاطر خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ گو حضرت امام حسینؓ اس معاہدے پر رضامند نہ تھے مگر جب حضرت امام حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے معاہدہ کر لیا تو حضرت حسینؓ نے بھی اس کی پوری پابندی کی۔ عراق کے لوگ معاویہؓ سے خوش نہ تھے اور وہ ان کی حکومت کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت امام حسینؓ کو متعدد بار تحریک کی کہ آپ ہماری بیعت لیجئے مگر حضرت حسینؓ نے ہر بار ان کی درخواست کو اس خیال سے رد کر دیا کہ اول تو آپ کے برادر بزرگ، حضرت معاویہؓ سے معاہدہ کر چکے تھے اور اس معاہدے کی پابندی حضرت حسینؓ بھی اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ دوسرے ایک قائم شدہ حکومت کے خلاف (جس کا سربراہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرتا ہو) بغاوت کرنا آپ کے نظریات کے خلاف تھا۔

حضرت معاویہؓ پر بھی آپ کے اس طرز عمل کا بڑا اچھا اثر تھا اور وہ آپ کے متعلق ہمیشہ کلمات خیر استعمال کیا کرتے تھے۔ انہوں نے آپؓ کے لئے دس لاکھ دینار سالانہ مقرر کر دیئے تھے جو آپ کو باقاعدگی سے ملتے رہے (تاریخ ابی مخنف صـ) اس کے علاوہ مختلف مواقع پر تحائف نذرانے

اور ہدایہ بھی پیش کرتے رہتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت و امارت میں ممالک غیر کو جو مہمات بھیجی گئیں ان میں سے ایک مہم میں حضرت امام حسینؓ نے بھی حصہ لیا، یہ قسطنطنیہ کی مہم تھی اور ۴۹ھ میں بھیجی گئی تھی اس مہم کا کمانڈر انچیف سفیان بن عوف تھا۔ بعض مورخوں نے تعصب کی بنا پر اور بعض نے بنوامیہ کی خوشامد کی خاطر یزید بن معاویہؓ کا نام اس مہم کے کمانڈر کی حیثیت سے درج کیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں جو چند بڑے جھوٹ بولے گئے ہیں ان میں سے ایک بڑا جھوٹ یہ بھی ہے۔ ایک عیسائی مؤرخ قسطنطنیہ کی مہم میں حضرت امام حسینؓ کی شرکت اور آپ کے شجاعانہ کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"حسنؓ کے برادر خورد حسینؓ نے اپنے باپ کی شجاعت و بسالت سے بہ طور ورثہ حصہ پایا تھا چنانچہ قسطنطنیہ میں عیسائیوں کے خلاف جو جنگ ہوئی اس میں حسینؓ نے امتیازی کارنامے انجام دیئے" (زوال روما از گبن ص۲۸۶)

اخلاق و عادات

حضرت امام حسینؓ جس محترم اور بزرگ و برتر خانوادے کے چشم و چراغ تھے اس کی جملہ صفات سے آپ نے حصۂ وافر پایا تھا۔ بچپن ہی سے آپ نہایت خوش خلق اور بہت متمدن و شائستہ واقع ہوئے تھے۔ بسیار گوئی

سے نفرت فرماتے تھے۔ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے لوگوں میں بیحد مقبول تھے اور لوگ ان کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اس کا اعتراف ان کے والدگرامی کے سب سے بڑے حریف حضرت معاویہؓ کو بھی تھا۔ چنانچہ ایک بار ایک شخص کو انہوں نے شام سے حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں بھیجا اور اسے شناخت کے طور پر بتایا کہ جب تم مدینہ میں پہونچ کر مسجد نبوی میں داخل ہو گے تو وہاں تمہیں لوگوں کا ایک حلقہ نظر آئے گا اس حلقے میں لوگ اس قدر خاموشی اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہوں گے جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔ بس تم سمجھ لینا کہ یہ حسینؓ کا حلقہ ہے۔ (ابن عساکر جلد چہارم ص۳۲۲)

منکسر المزاجی

ایک طرف تو سنجیدگی اور وقار کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف آپ حد درجہ منکسر المزاج بھی تھے کسی کام کے کرنے میں یا کسی مرتبے کے لوگوں میں بیٹھنے سے آپ کو کسی قسم کا کوئی عار نہ تھا۔ غربا اور فقرا سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک روز کہیں تشریف لئے جا رہے تھے راستے میں کچھ غریب لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے انہوں نے جو آپ کو دیکھا تو دوڑتے ہوئے آئے اور درخواست کی ہمارے ساتھ کھانا تناول فرمایئے۔ آپ بلا جھجک ان کے حلقے میں جا بیٹھے اور ان کے

دسترخوان سے روٹی کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر کھانے لگے۔ پھر ان سے فرمایا
کہ خدا تعالی اغرور کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ میں نے تمہاری دعوت
قبول کر لی اب تم میری دعوت قبول کرو۔ چنانچہ دوسرے وقت انہیں
اپنے گھر پر مدعو کیا اور انواع واقسام کے کھانوں سے ان کی تواضع کی۔
(ابن عساکر جلد چہارم ص ۳۲۲)

غلاموں اور کنیزوں سے سلوک

سیدنا حضرت امام حسینؓ اس پیکرِ عفو و کرم کے نواسے تھے جنکی شان ہی یہ تھی کہ
اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف کر دیا کرتے تھے چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ
ایک بار اثنائے راہ میں حضورؐ نے آرام کرنا چاہا۔ تلوار ایک درخت میں
لٹکا دی اور خود درخت کے نیچے لیٹ کر سو گئے۔ اسی دوران میں آپؐ
کا ایک دشمن غورث بن الحارث ادھر آنکلا۔ اس نے جو حضورؐ کو سوتا اور آپؐ
کی تلوار کو درخت سے لٹکتا دیکھا تو بڑھ کر پہلے تو تلوار پر قبضہ کیا اور پھر آپؐ
کو جگا کر بولا بتا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تجھے کون بچائے گا؟" حضورؐ
نے بڑے وقار و تمکنت سے فرمایا "اللہ" یہ سن کر اس پر ایسا اثر ہوا کہ چکرا گیا
اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضورؐ نے بڑی تیزی سے بڑھ کر تلوار اٹھالی
اور غورث کو مخاطب کر کے فرمایا" بتا اب تجھے کون بچائے گا؟" غورث
کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اب وہ بے بس اور حضورؐ کے قبضے

میں تھا اور آپ کی تلوار کا ایک وار اس کا رشتۂ حیات منقطع کر سکتا تھا مگر حضورؐ نے یہ کہہ کر اپنا رخ دوسری جانب کر لیا کہ "جا! محمدؐ انتقام نہیں لیا کرتا"۔ (بخاری باب غزوۂ ذات الرقاع)

ایسی عالی ظرف شخصیت کے خانوادے کے افراد کو کیسا ہونا چاہیئے؟ سیدنا حسینؓ اسی سوال کا جواب تھے۔ یوں تو آپؓ کے عفو و کرم کا دریا ہر ایک کے لئے جوش میں آجاتا تھا مگر جب مقابل غریب اور کمزور ہو تو آپ کی فطرت کا یہ جوہر پوری شدت سے اپنی تابانی و درخشانی دکھاتا تھا۔ خصوصاً غلاموں اور کنیزوں پر آپ بے حد مہربان رہتے تھے ان کی کوتاہیوں کو عموماً معاف کر دیتے تھے اور ان کی نیکیوں پر بڑی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کھانا کھا رہے تھے اور آپ کی ایک کنیز[1] پانی کا پیالہ لئے قریب ہی کھڑی تھی کہ اتفاق سے پیالہ اس کے ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔ آپ کے کپڑے بھی پانی سے تر ہو گئے۔ کنیز کی اس کوتاہی پر فطرتاً غصہ آنا چاہیئے تھا۔ چنانچہ آپؓ نے اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا۔ ذہین کنیز نے فوراً کہا "والکاظمین الغیظ" (متقی غصہ پی جاتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ "کظمت غیظی" (میں نے اپنا غصہ پی لیا)

---

[1] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کنیز لکھا ہے لیکن بعض مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے غلام کا لفظ لکھا ہے۔ (مؤلف)

کنیز بولی "والعافین عن الناس" وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں) آپؓ نے فرمایا کہ "عفوت عنک" (میں نے تجھے دل سے معاف کر دیا) اس پر کنیز نے کہا۔ "واللہ یحب المحسنین" (اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) آپؓ نے فرمایا کہ "جا میں نے تجھے آزاد کر دیا۔"

(احوال ائمہ اثنا عشریٰ از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ ایک روز حضرت امام حسینؓ کی ایک کنیز نے خوش رنگ پھولوں کا ایک گلدستہ آپؓ کی نذر کیا حضرت حسینؓ پھولوں کی بھینی بھینی مہک سونگھ کر اس قدر مسرور ہوئے کہ آپؓ نے اس خوب رو کنیز کو مخاطب کر کے فرمایا "جا! میں نے تجھے آزاد کیا۔" یہ دیکھ کر حضرت انسؓ بڑے حیران ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ "یا حضرتؓ! آپؓ نے پھولوں کے ایک معمولی گلدستہ پر ایسی عمدہ کنیز کو آزاد کر دیا حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ "قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوہا" یعنی جب تمہیں کوئی تحفہ دے تو تم بھی اس طرح کا یا اس سے اچھا تحفہ دو۔ پس اس کے لئے سب سے اچھا تحفہ یہی ہو سکتا تھا کہ میں اسے اللہ کے لئے آزاد کر دوں۔"

جود و سخا

حضرت امام حسینؓ کی سیرت کے پہلوؤں میں سے یہ پہلو خاص طور سے

نمایاں ہے کہ آپؓ محتاجوں اور ناداروں کے حال پر بے حد شفقت فرماتے اور سائلوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ کوئی سوال کرنیوالا آپؓ کے دروازے سے محروم ہو کر نہیں گیا۔ محتاجوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ خود ان تک پہونچتے اور ان کی امداد کرتے۔ حضرت امام زین العابدینؓ کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ یتیموں اور بیواؤں کے گھروں پر خود کھانا پہونچاتے تھے اور اس کام میں اس قدر مشقت کرتے تھے کہ آپؓ کی پیٹھ پر نشانات پڑ گئے تھے۔

ایک روز ایک فقیر نے آپؓ کے دروازے پر حاضر ہو کر صدا لگائی۔ اس وقت آپ نماز ادا کر رہے تھے فقیر کی آواز سن کر نماز کو مختصر کیا اور دروازے پر تشریف لائے۔ دیکھا کہ سائل کے چہرے اور لباس سے غربت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ فوراً اپنے خادم کو بلا کر دریافت کیا کہ ہمارے گھر میں کتنی رقم ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ دو سو درہم جو آپؓ نے اہل بیت کے لئے رکھے تھے وہ موجود ہیں آپؓ نے فرمایا کہ وہ درہم لے آؤ۔ ایک ایسا شخص آگیا ہے جو اہل بیت سے بھی زیادہ ان کا مستحق ہے۔ چنانچہ دو سو درہم کی وہ رقم منگوا کر اسی وقت سائل کو دے دی۔ یہی نہیں بلکہ اس سے معذرت بھی کی کہ چونکہ اس وقت ہم تنگ دست ہیں اس لئے آپ کی

زیادہ خدمت نہیں کر سکے۔ (ابن عساکر جلد چہارم ص۳۲۳)

ایک بار ایک ضرورت مند دیہاتی مدینہ آیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سب سے بڑا سخی کون ہے؟ لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کا نام بتایا۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؓ کی شان میں تین شعر موزوں کر کے پڑھے۔ حضرت امام حسینؓ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ گھر میں جو رقم موجود ہو وہ لاکر انہیں دے دو کیونکہ ایسا شخص آگیا ہے جو ہم سے زیادہ حاجت مند ہے چنانچہ غلام وہ رقم ایک رومال میں لپیٹ کر لے آیا جو آپ نے سائل کو عطا فرمادی اور اس کے اشعار کے جواب میں تین شعر بھی پڑھے کہ:۔

"میں تمہیں تھوڑی سی رقم دے رہا ہوں جس کے لئے معذرت خواہ ہوں مگر یقین کرو کہ اگر میرے وسائل محدود نہ ہوتے تو تم دیکھتے کہ میرے جود و سخا کا مینہ کس طرح برستا ہے۔"

سائل یہ سن کر رونے لگا۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ:۔

"شاید تم اس لئے رو رہے ہو کہ میں نے تمہیں بہت کم رقم دی ہے؟"

اس نے جواب دیا کہ "نہیں، میرے رونے کی یہ وجہ نہیں ہے میں تو یہ سوچ کر رو رہا ہوں کہ ایسے سخی اور نیک دل لوگوں کو زمین کیسے کھا جائے گی؟"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بیت المال سے آپ کو کچھ رقم ملی۔ اسے لے کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور انتظار فرمانے لگے کہ کوئی ضرورت مند آجائے تو اسے دیدوں۔ حالانکہ اس وقت خود آپؓ کی کیفیت یہ تھی کہ جو لباس زیب تن تھا اس میں کئی جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ آخر یہ حالت دیکھ کر ایک شخص سے نہ رہا گیا اور اس نے آپ سے دریافت کیا کہ :۔

"اے جگر گوشۂ رسولؐ ! آپؓ کے لباس میں جگہ بہ جگہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔ اس رقم سے آپؓ نئی عبا کیوں نہیں سلوا لیتے ؟"

آپؓ نے جواب دیا کہ :۔

"میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں اپنی آرائش پر خرچ کرنے کی بجائے ضرورت مندوں پر خرچ کروں۔"

مقروضوں اور مجبوروں کی اعانت

عام طور سے مال کو اپنی ضروریات پوری کرنے اور آرام و آسائش سے زندگی گذارنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے مگر حضرت حسینؓ کے نزدیک مال کی یہ تعریف صحیح نہ تھی۔ آپؓ مال کو دوسروں کی ضروریات پوری کرنے، ان کی عزت و آبرو بچانے اور ان کے سکون قلب کے ذرائع فراہم کرنے کا ذریعہ خیال فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک بار رسول اللہ کے محبوب صحابی حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بیمار

ہوئے۔ جب حضرت حسینؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت اسامہؓ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے "واغماہ واغماہ" (آہ کتنا بڑا غم ہے۔ آہ کتنا بڑا غم ہے)

حضرت حسینؓ نے دریافت کیا کہ "اے میرے بھائی! آپ کو کس بات کا غم ہے؟"

حضرت اسامہؓ نے جواب دیا کہ "موت سامنے کھڑی ہے اور میں بہت سے لوگوں کا مقروض ہوں۔ اس قرض کی عدم ادائیگی کے صدمے نے سخت تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔" حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ "آپ پریشان نہ ہوں اس قرض کی ادائیگی کا ذمہ میں لیتا ہوں۔" حضرت اسامہؓ نے کہا کہ "مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میں مقروض ہونے کی حالت میں نہ مر جاؤں۔" حضرت امام حسینؓ نے انہیں تسلی دی کہ آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔ اور انہیں اطمینان دلایا کہ میں آپ کا قرض اسی وقت گھر جاتے ہی ادا کر دوں گا۔ چنانچہ وہاں سے واپس آ کر حضرت اسامہؓ کے قرض خواہوں کو بلایا اور ان کی ساری رقم اسی وقت ادا کر دی۔

ایک بار عرب کے مشہور شاعر فرزدقؔ کو مدینہ کے گورنر مروان نے شہر بدر کر دیا۔ وہ بھی اس حالت میں کہ بیچارہ بالکل تہی دست اور بے سروسامان تھا جب وہ حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مصیبت بیان کی

تو آپؓ نے ایک گراں قدر رقم اسے عطا فرمادی حضرت امام حسنؓ کو اپنے بھائی کی یہ لامحدود جود و سخا پسند نہ تھی۔ چنانچہ آپؓ نے انہیں سمجھایا کہ شعراء عام طور سے اسراف بیجا کیا کرتے ہیں اس لئے انہیں اتنی بڑی بڑی رقمیں نہ دیا کرو۔ حضرت حسینؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ:-

"ان خیر المال ما وقی بہ العرض" مال کا سب سے اچھا مصرف یہی ہے کہ اس سے (کسی کی) عزت و آبرو محفوظ ہو جائے"۔ (ابن عساکر جلد چہارم ۳۲۲)

صفائی قلب

اعلےٰ درجے کے مومن کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہیں رکھتا اور اگر کسی شخص سے رنجش پیدا ہو جائے تو اسے جلد سے جلد اپنے دل سے نکال دیتا ہے یہ خوبی جو انسان سے جذبات اور آن کی بہت بڑی قربانی چاہتی ہے سیدنا حضرت حسینؓ کے آئینہ سیرت میں بھی صاف جھلکتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ اپنے ایک بھائی حضرت محمد بن الحنفیہؒ سے کسی بات پر ناراض ہو کر چلے آئے۔ آپؓ کے چلنے کے بعد حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے بعض دوستوں نے ان سے کہا کہ حسینؓ اب تمہارے پاس کبھی نہیں آئیں گے۔ محمد بن الحنفیہؒ نے فرمایا کہ "نہیں یہ بات نہیں ہے اگر تم کہو تو میں انہیں ابھی بلا کر دکھا دوں" یہ کہہ کر آپؒ نے قلم دوات منگوائی اور مندرجہ ذیل خط حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں لکھا۔

"اے برادرِ معظم! ہم دونوں کے والدِ محترم حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں۔ اس لحاظ سے نہ مجھے آپ پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ آپ کو مجھ پر۔ لیکن ہاں آپؓ کی والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اگر ساری دنیا کے زر و جواہر بھی میری ماں کے قبضہ و تصرف میں آجائیں تو بھی وہ اُن کی ہم پایہ نہیں ہو سکتیں پس اس لحاظ سے آپ کو مجھ پر فضیلت حاصل ہے، چونکہ فضیلت میں آپ مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس تشریف لانے میں بھی سبقت کریں اس لئے بھی کہ رسولؐ اللہ کی ایک حدیث ہے کہ اگر دو مسلمانوں میں ناچاقی ہو جائے تو ان میں جو مصالحت کرنے میں سبقت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے پہلے جنت میں داخل کرے گا۔ میری خواہش ہے کہ اپنی فضیلت کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے میں بھی آپ ہی سبقت کریں۔ والسلام"

حضرت امام حسینؓ حضرت محمد بن الحنفیہؒ کا یہ خط پڑھ کر بہت ہی محظوظ ہوئے اور اسی وقت جا کر اپنے بھائی سے بغل گیر ہو گئے۔

عبادت و ریاضت

سیدنا حضرت امام حسینؓ ان قدسی نفوس لوگوں میں سے تھے جو عبادت الٰہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں اور جن کے نزدیک تمام تعلقات میں تعلق باللہ ہی مضبوط ترین تعلق ہوتا ہے وہ اس تعلق کو استوار کرنے میں اپنی زندگیاں

صرف کر دیتے ہیں اور جو دنیوی تعلقات قائم کرتے ہیں وہ بھی اس لئے تاکہ تعلق باللہ کی مزید استواری کا موجب ہوں۔ زندگی کی بڑی سے بڑی دلچسپی اور دنیا کی بڑی سے بڑی دلکشی کلیتہً انہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی اور انہیں جب بھی موقع ملتا ہے اپنا سرِ نیاز بارگاہِ ایزدی میں جھکا دیتے ہیں۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے بھی اپنی ساری زندگی رضائے الٰہی کے حصول اور عبادت الٰہی میں صرف کردی۔ آپ کے دن تدریس دین میں اور راتیں قیام وسجود میں بسر ہوتیں، ایک روایت کے مطابق ہر نماز سے قبل تجدیدِ وضو کرتے اور جب اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوتے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا اور خوف الٰہی کی وجہ سے جسم پر رعشہ طاری ہو جاتا۔ لوگوں نے جب آپ سے اس کیفیت کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ "لیامن یوم القیمۃ الذی خاف اللہ فی الدنیا" یعنی جو شخص دنیا میں خدا سے ڈرتا ہے وہ قیامت کے روز مامون ہو گا۔ (شہید الاسلام ص۹۷)

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ اس قدر خشوع وخضوع اور تضرع سے عبادت کرتے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ جاتی اور آواز گلے میں اٹک اٹک جاتی۔ طویل طویل سجدے کرتے

اور گھنٹوں خدا کے حضور کھڑے رہتے۔ آپ کے شوق عبادت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ جب میدان کربلا میں معرکہ کارزار گرم ہونے میں صرف ایک رات باقی تھی تو آپؓ نے اس فرصت کو غنیمت جان کر یہ وقتِ عزیز اپنے عزیزوں دوستوں اور اہل بیت کے ساتھ مل بیٹھنے میں صرف نہیں کیا بلکہ یہ ساری رات عبادت الٰہی میں گذار دی۔ اور جب مغرب میں غروب ہونے والے سورج نے مشرق سے سر اٹھایا تو سیدنا حسینؓ کو ذکر الٰہی میں مصروف و مشغول پایا۔

نماز کی طرح روزے سے بھی آپ کو خاص شغف تھا اور نفلی روزے بکثرت رکھتے تھے۔ افطار ہمیشہ بہت سادہ طور پر کرتے یعنی کبھی صرف پانی، کبھی نمک اور کبھی خرمے سے روزہ کھول لیتے۔ ہر سال حج کو تشریف لے جاتے اور پیدل حج کرنے کو بہت بڑی سعادت سمجھتے حالانکہ بعض دفعہ آپ کے پاس اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہوتے لیکن اللہ کے گھر کا راستہ پیدل طے کرنے کو مستحسن خیال فرماتے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے پا پیادہ پچیس حج کئے تھے۔

(تہذیب الاسماء جلد دوم صـ ۱۶۳)

علم و فضل

جس ہستی نے "مدینۃ العلم" کے ہاتھوں میں پرورش پائی ہو۔ "بابُ العلم" نے

جسے خود تعلیم دی ہو صحبت رسولؐ کے تربیت یافتگانؓ سے جس نے براہ راست کسب فیض کیا ہو اس کو اگر علم و فضل کا بحر بیکراں کہا جائے تو مبالغہ کیوں ہو گا؟ علمائے سیر و تاریخ متفق الرائے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ اپنے دور کے بہت بڑے فاضل انسان تھے۔ (الاستیعاب و اسد الغابہ)

آپؓ کے معاصرین بھی آپ کے تبحر علمی کے معترف تھے اور آپؓ کی فقہی بصیرت کے مداح جب کبھی کوئی علمی مشکل پیش آتی تو حلِ مشکل کے لئے آپؓ سے رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جو خود بڑے پائے کے عالم تھے اسیر کی رہائی کے سلسلے میں آپؓ کی طرف رجوع کیا اور آپؓ سے پوچھا کہ "اے ابو عبداللہ (یہ آپؓ کی کنیت تھی) قیدی کی رہائی کا ذمہ دار کون ہے؟" آپ نے جواب دیا کہ "جن لوگوں کی حمایت میں لڑتے ہوئے وہ گرفتار کیا گیا ان کا فرض ہے کہ وہ اسے آزاد کرائیں"۔ (استیعاب جلد اول صفحہ ۱۴۸)

ایک بار ایک شخص نے دریافت کیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟ آپؓ نے اسی وقت اونٹنی کا دودھ کھڑے ہو کر پیا اور اس طرح اسے بتایا کہ کھڑے ہو کر پینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(استیعاب جلد اول صفحہ ۱۴۸)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دودھ پینے والے بچے کا وظیفہ مقرر

ہونے کے متعلق مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس مسئلے میں بھی انہوں نے حضرت امام حسینؓ سے استفسار کیا آپؓ نے فرمایا کہ بطنِ مادر سے نکلنے کے بعد جب بچہ آواز دے اس وقت سے وہ وظیفہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (استیعاب جلد اول صہ ۱۴۹)

علم حدیث میں بھی حضرت امام حسینؓ کا پایہ بڑا اونچا تھا چونکہ آپؓ کی صغر سنی ہی میں رسول کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا اس لیے حضورؐ کی صحبت آپ کو زیادہ میسّر نہیں ہو سکی یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے ایسی حدیثیں بہت کم بیان کیں جنہیں آپؓ نے براہ راست حضورؐ سے سنا تھا۔ ایک روایت کے مطابق آپؓ نے ایسی سات حدیثیں بیان فرمائی ہیں جو براہ راست رسول اللہؐ سے سنی تھیں۔ (تہذیب الکمال صہ ۸۳)

البتہ آپؓ کی بیان کردہ ایسی حدیثوں کی تعداد بہت کثیر ہے جو آپؓ نے مختلف صحابہ سے سنیں تھیں اور پھر علم دین کی یہ متاع عزیز دوسروں تک پہنچائی۔ رسول اللہؐ کے علاوہ جن بزرگوں سے آپؓ نے حدیثیں سنیں ان میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ۔ ہند بن ابی ہالہ اور حضرت عمرؓ بن الخطاب کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ جن لوگوں نے آپ سے حدیثیں معلوم کر کے اپنے بعد آنے والوں کو اس نعمتِ غیر مترقبہ سے متمتع کیا ان میں حضرت امام حسنؓ۔ حضرت امام زین العابدینؓ (صاحبزادے)، حضرت زیدؓ

(صاحبزادی) حضرت سکینہؓ اور حضرت فاطمہؓ (فرزندزادے) حضرت امام جعفرؓ شعبی، عکرمہ، کرز التمیمی۔ سنان بن ابی سنان والی۔ عبداللہ بن عمرو بن عثمان اور مشہور شاعر فرزدق قابل ذکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد دوم ص۳۴۵)

مشہور مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ علم کی تعلیم و تدریس حضرت امام حسینؓ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کی یہ خوبی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ آپ ہر شخص سے اس کے مرتبے اور استعداد کے مطابق گفتگو کرتے۔ اس طرح جو شخص آپؓ کے پاس جاتا آپؓ سے فیض اٹھائے بغیر واپس نہ آتا

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسینؓ علم کی ترویج و اشاعت اس طرح کرتے کہ حق ادا کر دیتے۔ لوگ بکثرت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے پُرحکمت کلمات اور عارفانہ تعلیم کو حفظ کر لیتے۔

(الحسین ص۱۳۳ از علی جلال الحسینی مصری)

آپؓ کی ہر بات سے علم کا چشمہ پھوٹتا اور آپؓ کی گفتگو حقائق و معارف کے ساتھ اخلاقی نکات اور سبق آموز حکایتوں سے مملو ہوتی۔ ایک بار آپؓ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو فرمائی۔ یہ گفتگو اخلاقیات پر تھی۔ وہ آپؓ کے صورت آشنا نہ تھے۔ اس لئے ایک غیر معروف شخص کی زبان سے یہ حکیمانہ اقوال سن کر حیران رہ گئے۔ حضرت امامؓ کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت حسن بصریؒ نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب تھے جب انہیں بتایا

گیا کہ یہ حسینؓ بن علیؓ تھے تو ان کی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے کہ "تم نے ایک بڑی مشکل سے مجھے نجات دیدی" ان الفاظ سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم مجھے یہ نہ بتلاتے کہ یہ حسینؓ بن علیؓ تھے تو میری حیرت کسی طرح کم نہ ہوتی۔ اب جو تم نے مجھے بتا دیا کہ یہ حسینؓ بن علیؓ تھے تو میری حیرت جاتی رہی کیونکہ انہیں ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ (یعقوبی جلد دوم صـ۲۹۲)

علم کے ساتھ ساتھ آپ کو معلموں سے بھی بڑی محبت تھی اور ہمیشہ ان کی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ عبدالرحمٰن اسلمی آپ کے بیٹوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ ایک بار وہ آپ کے ایک صاحبزادے کو لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے انہیں سورۃ فاتحہ حفظ کرا دی ہے۔ اس کے بعد صاحبزادے کو سورۃ سنانے کا حکم دیا۔ حضرت امام حسینؓ سورۃ سن کر بہت خوش ہوئے اور ایک گراں قدر رقم کے علاوہ بہت سے پارچات بھی انہیں عطا فرمائے۔ بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے صرف ایک سورۃ حفظ کرانے پر اتنا کچھ دیدیا تو آپؓ نے فرمایا کہ "میں نے جو کچھ دیا ہے وہ ہرگز اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو عبدالرحمٰن نے میرے بیٹے کو عطا کیا ہے۔"

تعلیمات وارشادات

عقیدت مندانِ حسینؓ نے حضرت امام حسینؓ کی زندگی کا یہ پہلو نظر انداز کر دیا کہ آپؓ صرف پیکرِ شجاعت و استقلال اور مجسمۂ تسلیم و رضا ہی نہ تھے بلکہ بہت بڑے

معلم اخلاق بھی تھے۔ ایک طرف تو آپؓ نے میدان کارزار میں تلواروں کے زیرسایہ کھڑے ہو کر دنیا کو یہ تعلیم دی کہ جب حق اور باطل میں مقابلہ درپیش ہو تو حق کی مدافعت اور باطل کو ہزیمت دینے کے لئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ اپنے عیش و آرام تج دو۔ اپنے دوستوں، عزیزوں اور انتہا یہ ہے کہ اولاد تک کو قربان کر دو اور پھر اپنی جان بھی راہِ حق میں دے دو۔ مگر باطل کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرو۔ اپنے اصولوں کی آخری دم تک حفاظت کرو اور اس سلسلے میں کسی قسم کی سودا بازی سے کام نہ لو۔

دوسری طرف جب آپ گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہوئے تھے تو اپنے معاشرے کو سربلند کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنے قول اور فعل دونوں کے ذریعہ سے نہ صرف عرب یا عالمِ اسلام کو بلکہ سارے عالم کو ابدی مسرت و شادمانی کا پیغام دے رہے تھے۔

جب ہم سیدنا حضرت امام حسینؓ کے پیغامات و ارشادات کا مطالعہ اور آپ کی تعلیمات کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے حضرت حسینؓ نے نظر انداز کیا ہو اور جس کے متعلق ہماری رہنمائی نہ کی ہو، آپؓ یک عظیم المرتبت روحانی رہنما بھی تھے اس لئے آپ کے پیش نظر انسانی زندگی کے دونوں پہلو تھے۔ دینی بھی اور دنیوی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ کی تعلیم زندگی کے

دونوں پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

حضرت امام حسینؓ نے کوئی نئی تعلیم پیش نہیں کی۔ آپؓ کی تعلیم وہی ہے جو قرآن نے پیش کی، جو رسول اللہ پیش کرتے رہے اور جو احادیث کی صورت میں آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ آپ اسی تعلیم کو لے کر آگے بڑھے اور اپنے منفرد رنگ میں اس کی تشریح و توضیح فرمائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ بنا لیا تھا کہ رسول اللہ کے مشن کو آگے بڑھایا جائے اور اسے کامیاب کرنے کے لئے فضا پیدا کی جائے۔ آپ کی یہ تعلیمات اُن پُرحکمت کلمات کی صورت میں جو آپ نے مختلف مجالس میں بیان کئے اور اُن خطبات کی صورت میں جو مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے۔ آج بھی ہماری رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہی ہے

سیدنا حضرت حسینؓ اس عالی مرتبت باپ کے فرزند تھے جو فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا اور جو اقلیمِ خطابت کا بادشاہ تھا۔ سیدنا حسینؓ نے اپنے عظیم المرتبت باپؓ کے اس ورثے میں سے پورا حصہ پایا تھا۔ آپؓ کے وہ خطبات جو آپؓ نے میدان جنگ میں ارشاد فرمائے تھے فصاحت و بلاغت، جوشِ بیان اور جلالت و عظمت کے اعتبار سے عربی ادب میں ہمیشہ زندہ و پائندہ رہیں گے۔ ان خطبات کے علاوہ آپ کے اور بھی بہت سے خطبات ہیں، جن میں آپ نے اسلامی تعلیمات کا مغز پیش کیا

ہے، اخلاقیات کا درس دیا ہے۔ لوگوں کو خوابِ غفلت سے جھنجوڑا ہے، دینی اور دنیوی ترقیوں کے اسرار و رموز بیان کئے ہیں اور لوگوں کو پاکیزہ زندگی گذارنے کے طریقے بتائے ہیں۔ ان خطبات میں آپ کی شخصیت، آپ کے وسیع تجربات اور آپ کے علم تینوں کا بڑا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ انسانیت کا درد، بے غرضی اور عالی ظرفی جو سیدنا حسینؓ کے کردار کی نہیں بڑی خصوصیات تھیں، ان خطبات میں پورے رکھ رکھاؤ کے ساتھ موجود ہیں، یہ خطبات انسانی نفسیات کو براہ راست اپیل کرتے ہیں اور انہیں خطبات میں آپ کی تعلیمات کے گہرہائے آبدار تاباں و درخشاں ہیں۔ ایک خطبے میں آپؓ ارشاد فرماتے ہیں:-

"اے لوگو! نیکیوں کی جانب متوجہ ہو اور جو مواقع تمہیں ملیں ان سے جتنی جلدی ممکن ہو فائدہ حاصل کرو۔ دیکھو مواقع کو ضائع نہ ہونے دو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں کلمۂ خیر سے یاد کریں اور تمہیں عظمت حاصل ہو تو یاد رکھو کہ اعمالِ نیک اور جود وسخا اس کے سب سے بہتر ذریعے ہیں۔ ایک نیک کام خود بخود داد و تحسین حاصل کرلیتا ہے اور اس کا نیک انجام اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

ہاں! سرداری اسی کو ملتی ہے جو سعی وعمل اور جدّوجہد سے کام لیتا ہے بخل سے کام لینے والا شخص اپنی ذلت کے سامان خود فراہم کرتا ہے تمہیں معلوم ہے کہ سب سے بڑا فیاض کون ہے؟ وہ جو ایسے شخص کے ساتھ حسن سلوک کرے جس سے اسے کوئی امید نہ ہو کیا تم جانتے ہو کہ معاف کرنے والوں میں سب سے پسندیدہ کون ہے؟ وہ جس میں سزا دینے کی طاقت ہو مگر اس کے باوجود بھی وہ معاف کر دے تمہیں معلوم ہے کہ صلہ رحمی سے پیش آنے والوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ وہ جو ان لوگوں سے بھی صلہ رحمی کا برتاؤ کرے جو قطع رحمی کرتے ہیں"! (تاریخ کبیر صـ ۲۳۳)

انسانی معاشرے کی ناہمواری دُور کرنے، دلوں کی کدورتیں مٹانے امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے انسان کو انسان کا حقیقی غمگسار بنانے دنیا میں کامیاب و بامراد زندگی گذارنے اور انسان کو صالح انسان بنانے کے لئے جتنی چیزوں کی ضرورت ہے حضرت امامؓ نے اپنے اس فاضلانہ اور پُر حکمت خطبے میں سب بڑے موثر انداز سے بیان کر دیں، آپؓ کے اس خطبے کو دیکھ کر بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ اپنے دور کے بہت بڑے مصلح تھے۔

نیکی کی تلقین

سیدنا حسینؓ کے زمانے میں آپؓ سے زیادہ اس نکتے کو اور کون سمجھ سکتا تھا کہ معاشرے کی فلاح، انسانی زندگی کی پاکیزگی اور روحانی مسرت کا تمام تر راز صرف اور صرف نیکی میں پوشیدہ ہے۔ نیک اعمال ہی انسان کی دینی اور دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہیں۔ یہی وہ جذبہ ہے جو تعمیر انسانیت میں بنیاد کا کام دیتا ہے اور یہی وہ ہتھیار ہے جو بدی کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔ سیدنا حسینؓ کے اس ارشاد کا سرچشمہ دراصل کتاب اللہ کی یہ آیت ہے، کہ اِنَّ الحسنات یذھبن السیات ط (بیشک نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں)

نیکی کی تعریف کیا ہے؟ اس سوال کا جواب قرآن حکیم نے اس آیت میں دیا ہے۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم	نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق
قبل المشرق والمغرب لکن البرّ	یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی کا کمال
من امن باللہ والیوم الآخر	تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالےٰ
والملئکۃ والکتب والنبیین	یوم آخرت ملائکہ (اللہ کی) کتاب
واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ	اور تمام نبیوں پر ایمان لائے اور
والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل	(اللہ) کی محبت کی وجہ سے رشتہ داروں

والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصٰبرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون۔

(سورۂ بقر پارہ ۲)

یتیموں، محتاجوں، مسافروں سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے مال دے اور نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جب کسی سے عہد کرے تو اسے پورا کرے۔ تنگ دستی کے زمانے میں اور بیماری میں اور زمانۂ جنگ میں قوت برداشت سے کام لے۔ یہی لوگ سچے اور متقی ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے مندرجہ بالا ارشاد میں بڑے حکیمانہ طریقے سے مسلمانوں کے سامنے زندگی کا لائحہ عمل پیش کیا ہے اور انہیں بتایا ہے کہ اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد کا نام ہے، ایمان صرف مغرب کی طرف منہ کر کے سر بسجود ہو جانے کا نام نہیں ہے اور نہ صرف حقوق العباد ادا کر دینے سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت، اور بندگانِ خدا کی خدمت دونوں ضروری ہیں اور یہی نیکی کا معیار ہے۔

حقوق العباد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل باتوں کو اہمیت دی ہے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا، یتیموں کی دستگیری کرنا، محتاجوں کی

امداد کرنا۔ مسافروں کو مسافرت کی تکلیفوں سے نجات دلانا۔ سائلوں کے دست سوال کو خالی واپس نہ کرنا۔ غلاموں کو غلامی سے آزاد کرنا۔

سیدنا حضرت امام حسینؓ نے بھی اپنے متذکرہ خطبے میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے اسی ارشاد کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آپؓ نے اپنے خطبے میں نیکی کے سلسلے میں جن باتوں کو اہمیت دی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں ؛

نیکیوں کی جانب متوجہ ہو۔ نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔ سخاوت کرو۔ صلہ رحمی کرو۔ عفوو درگذر سے کام لو۔

"نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو" صرف یہ الفاظ کہہ کر حضرت امام حسینؓ نے وہ تمام باتیں کہہ دیں جو قرآن حکیم اور اسلام کی تعلیمات کی رو سے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہیں۔ اس میں والدین کی خدمت۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی۔ یتیموں کی دستگیری۔ محتاجوں کی امداد۔ مسافروں کی خدمت سائلوں کی اعانت اور غلاموں کو غلامی سے چھڑانا۔ غرض سارے پہلو شامل ہیں۔ اس قدر اختصار اور پھر اتنی جامعیت ؟ یہ کلامِ حسینؓ کی منفردانہ خصوصیت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے انسانی نفسیات کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ آپ خوب جانتے تھے کہ انسانی فطرت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اپنے اچھے کاموں کی تعریف چاہتی ہے۔ حوصلہ افزائی انسان سے کام لینے کا سب سے موثر اور کارآمد طریقہ ہے یہ نفسیاتی نکتہ

آپؓ نے اپنے اس خطبے میں بھی ملحوظ نظر رکھا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ:-

"اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں کلمۂ خیر سے یاد کریں اور تمہیں عظمت حاصل ہو تو یاد رکھو اعمال نیک اور جود و سخا اس کے سب سے بہتر ذریعے ہیں۔"

موقع شناسی

حضرت امام حسینؓ کے اس خطبے میں جو ہم نے گذشتہ صفحات میں تاریخ کبیر سے اخذ کیا ہے۔ دوسری چیز جس کی طرف ہماری رہنمائی کی گئی ہے وہ دنیوی ترقی سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ:-

"جو مواقع تمہیں ملیں ان سے جتنی جلدی ممکن ہو فائدہ حاصل کرو۔ دیکھو مواقع کو ضائع نہ ہونے دو۔"

ان الفاظ سے جہاں نیکی کے مواقع مراد ہیں وہاں مقصود یہ بھی ہے کہ دنیوی ترقی کے جو مواقع تمہیں ملیں انہیں ضائع نہ ہونے دو اور آپ کا یہ ارشاد اُن لوگوں کے لئے تازیانہ ہے جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں حالانکہ ان کی زندگی میں سیکڑوں مواقع ایسے آتے ہیں کہ اگر وہ ان سے کام لیتے تو ان کی زندگی میں عظیم الشان انقلاب آجاتا۔ زندگی مواقع سے بھری پڑی ہے اور ایک مغربی مفکر کے بقول "دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جسے زندگی میں کم از کم ایک موقع نہ ملا ہو"۔ ضرورت موقع شناسی کی ہے

یورپ کا ایک دانشور آسٹن فلپ کہتا ہے کہ:

"مواقع کا ہوشیاری سے منتظر رہنا اور عقلمندی و جرأت کے ساتھ ان سے کام لینا یقینی کامیابی کی ضمانت ہے۔"

وہ بات جو آسٹن فلپ نے آج کہی سیدنا حضرت امام حسینؓ وہی بات آج سے سوا تیرہ سو سال قبل فرما چکے ہیں جس میں تجربات و مشاہدات کی ایک وسیع دنیا بند ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اس نکتے کو سمجھ کر اس پر عمل بھی کریں تو ہماری زندگی ناکامیوں کی آماجگاہ بننے کے بجائے کامیابیوں کا مرکز بن جائے کیونکہ مواقع ہی ہیں جو انسان کو بڑھنے اور ترقی کرنے کا راستہ دیتے ہیں اور جو مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ گویا اپنی ترقی کے راستے خود مسدود کرتا ہے۔ موقع کسی کا انتظار نہیں کیا کرتا وہ بڑی تیزی سے گزر جاتا ہے اور جب ایک بار گزر جاتا ہے تو پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ اس حقیقت کو ایک مغربی ادیب مندرجہ ذیل تمثیل کے رنگ میں بیان کرتا ہے۔

"ایک شخص جو مجسمے دیکھنے کا شائق تھا ایک مجسمہ ساز کے پاس گیا۔ جب وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا جس میں بہت سے مجسمے رکھے ہوئے تھے تو اس نے دیکھا کہ ایک ایسا مجسمہ ہے جس کا چہرہ بالوں سے ڈھکا ہوا ہے اور جس کے پیروں میں پر لگے ہوئے ہیں۔ مجسموں کے شائق نے مجسمہ ساز سے پوچھا کہ اس مجسمہ کا کیا نام ہے۔ اس نے جواب دیا کہ "موقع"

اس شخص نے دریافت کیا کہ "اس کا چہرہ بالوں میں کیوں ڈھکا ہوا ہے"؟
مجسمہ ساز نے کہا "اس لئے کہ جب وہ انسان کو ملتا ہے تو وہ اسے بہت کم پہچانتا ہے"۔

تب اس شخص نے تیسرا سوال کیا کہ "اس کے پیروں میں پر کیوں لگے ہیں"؟
مجسمہ ساز نے جواب دیا کہ "اس لئے کہ وہ ہوا کی طرح غائب ہو جاتا ہے"۔
اس دلکش تمثیل کے بعد حضرت امام حسینؓ کے اس پرُ حکمت ارشاد کو پڑھیے کہ

"جو مواقع تمہیں ملیں ان سے جتنی جلدی ممکن ہو فائدہ حاصل کرو۔ دیکھو! مواقع کو ضائع نہ ہونے دو"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مغرب کے اس تمثیل نگار نے حضرت حسینؓ کے ارشاد کو تمثیل کے رنگ میں بیان کر دیا ہے۔

جہد و عمل

سیدنا حسینؓ کے اس خطبے کا تیسرا اہم پہلو رزم گاہِ حیات میں سعی و عمل سے تعلق رکھتا ہے آپ خود جہد و عمل کا پیکر تھے اور آپ نے اپنی قوتِ عمل سے اسلام کی تاریخ کا رخ موڑنے کے لئے وہ کارنامہ انجام دیا جس کا اعادہ آپؓ کے بعد شاید ہی ہو سکا ہو۔ سیدنا حسینؓ کے یہ الفاظ کہ۔

"مردانگی اس کو ملتی ہے جو سعی و عمل سے کام لیتا ہے"

وسیع تجربے اور گہرے مشاہدے پر مبنی ہیں۔ آپ کا دور اس دور سے

منتصل تھا جب سرزمین عرب ان غیر متمدن اور غیر شائستہ لوگوں سے آباد تھی جنہیں کسریٰ کا ایک گماشتہ آکر بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ہانک لے جاتا تھا۔

پھر اسی سرزمین کے باشندوں نے اسی کسریٰ کا تخت و تاج الٹ دیا اور اس کے پرچم شوکت و اقبال کے پرزے پرزے کر دیئے۔ عربوں کی فتح و ظفر کا وہ سیلاب جو عراق و شام و ایران اور مصر کی طرف بڑھا حضرت امام حسینؑ اس کے بھی شاہد تھے اور بعض فتوحات میں آپؑ نے بنفس نفیس شرکت کی تھی۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ جہد و عمل کی قوت ہی تھی جس نے ایک بے حقیقت قوم کو سرداری عطا کی۔ سرداری بھی ایسی جس کے سامنے بڑے بڑے جابر و قاہر سردار سرنگوں ہو گئے۔ اس تجربہ و مشاہدہ کے علاوہ قرآن حکیم کا یہ ارشاد بھی آپ کے پیش نظر تھا کہ :۔

"لیس للانسان الا ما سعیٰ (سورۂ النجم پارہ ۲۷)

(انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کوشش کی ہو گی)

اللہ تعالےٰ نے بھی ان الفاظ میں بنی نوع انسان کو جہد و عمل کی تلقین کی ہے اور انہیں بتایا ہے کہ اگر تم جد و جہد کرو گے تو تمہیں دینی اور دنیوی ہر قسم کی عزت و عظمت اور قوت و طاقت حاصل ہو گی لیکن اگر جہد و جہد سے کام نہ لو گے تو ذلت و رسوائی کے سوائے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ایک اور موقع پر حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ :۔

"اسی قدر ملنے کی توقع کرو جتنا کام کیا ہے۔" (اسرار الحکماء صفحہ ۹)

آپ کا یہ ارشاد بھی قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر ہے کہ:۔

لیس للانسان الا ما سعیٰ (سورۃ النجم پارہ ۲۷)

(انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کوشش کی ہوگی)

غرض جہد و عمل کی تلقین کر کے آپ نے معاشرے کے ان افراد کو خواب غفلت سے جھنجوڑا جو بے کار کاموں میں اپنا وقت ضائع کر رہے تھے یا جنہیں دولت کی فراوانی نے جہد و عمل کی قوت سے محروم کر دیا تھا۔

بخل اور فیاضی

اللہ تعالےٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ

الذین یبخلون و یامرون الناس بالبخل و یکتمون ما اٰتٰھم اللہ من فضلہٖ واعتدنا للکافرین عذابا مھینا۔ (سورۃ النساء پارہ ۵)

جو لوگ خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں تو ہم نے ناشکر گزاروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن حکیم کے اس ارشاد کی رو سے بخل کرنے اور دوسروں کو بخل کی ترغیب

دینے والا ذلت ناک عذاب کا مستحق ہے۔ سیدنا حضرت امام حسینؓ نے بھی اپنے ارشاد میں یہی وعید سنائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"بخل سے کام لینے والا شخص اپنی ذلت
کے سامان خود فراہم کر لیتا ہے۔"

حضرت امام حسین کے نزدیک انسان کا تصور بہت بلند تھا۔ آپ انسان اس نیک دل اور حساس آدمی کو سمجھتے تھے جو دوسروں کو مصیبت میں دیکھ کر اپنے زر و مال سے اُن کی امداد کرے اور اپنی دولت ان پر یوں لٹائے جیسے وہ مٹی کی ٹھیکریاں ہیں۔ خود آپؓ نے ساری زندگی دوسروں کو تکالیف اور مصائب سے نجات دلانے کے لئے روپے کو پانی کی طرح بہایا اور ضرورتمندوں کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی معاشرے میں اس قدر سخی لوگ پیدا ہو جائیں تو اس کی بیسیوں الجھنیں بآسانی ختم ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے لوگوں کو سخاوت کی بار بار تلقین کی۔ مگر آپ کے نزدیک سخاوت صرف اس کا نام نہیں تھا کہ کسی مصیبت زدہ کی مالی امداد کر دی جائے بلکہ آپ سخاوت کا اس سے اعلیٰ اور بلند تصوّر رکھتے تھے وہ تصور یہ تھا کہ:۔

"تمہیں معلوم ہے کہ سب سے بڑا فیاض کون ہے؟ وہ جو ایسے
شخص کے ساتھ حسن سلوک کرے جس سے اسے کوئی امید نہ ہو۔"

وہ بے نفسی اور بے غرضی جو حضرت حسینؓ کے کردار کا سب سے بڑا وصف تھا۔ آپ کی تعلیم میں بھی صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ ایک انسان دوسرے کی مدد ہر قسم کی غرض سے بالا ہو کر کرے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی مصیبت میں کام آتے وقت یہ مقصد پیش نظر رکھتا ہے کہ کل وقت پڑنے پہ یہ بھی میری مدد کرے گا تو حضرت حسینؓ کے نزدیک وہ حقیقی سخی نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک غرض پوشیدہ ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی امداد کرتا ہے جس سے اس کو کوئی توقع ہی نہ ہو تو بلا شبہ وہ سخاوت کی روح سے باخبر ہے اور ایسے ہی لوگوں سے معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے۔ سیّدنا حسینؓ اپنی بلند پایہ اور پاکیزہ تعلیم کے ذریعے ایسے ہی قدسی نفس لوگ پیدا کرنا چاہتے تھے۔

عفو و درگذر

اسلامی تعلیم کا بڑا حصہ عفو و درگذر کی تلقین سے عبارت ہے قرآن حکیم میں اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے:۔

ولمن صبر و غفر ان ذٰلک من عزم الامور ۝

"جس نے صبر کیا اور عفو و درگذر سے کام لیا تو یہ بیشک بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔ اور رسول اللہؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کرکے اس کی عملی تعلیم دی۔ سیّدنا حسینؓ جو نواسۂ رسولؐ ہونے کے

ساتھ ساتھ اپنے عہد میں منشائے اسلام کو سب سے بہتر طریقے سے سمجھنے والوں میں سے تھے اس نفسیاتی نکتے سے بخوبی واقف تھے کہ انتقام لوگوں کو عبرت ضرور دلاتا ہے اور وقتی طور پر خوفزدہ بھی کر دیتا ہے مگر اس سے قلبی تبدیلی نہیں آسکتی بلکہ انتقام کا یہ جذبہ انتقام لینے والے کیخلاف احساسِ تنفر بھی پیدا کرتا ہے۔ معاف کرنا اور درگذر سے کام لینا دوسروں کے دل موہ لینے کا سب سے موثر طریقہ ہے اور آپؓ نے خود بھی اسی طریقے پر عمل کیا۔ چنانچہ ایک بار اپنے چند عقیدت مندوں کے ساتھ آپؓ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بدو سے ملاقات ہوئی۔ اس نے دریافت کیا کہ تم ابوطالب کے پوتے ہو۔ آپؓ نے فرمایا "ہاں" یہ سن کر وہ سیدنا حضرت علیؓ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرنے لگا۔ آپؓ کے ساتھی اسے اس گستاخی کی سزا دینے کے لئے جھپٹے مگر آپ نے آگے بڑھ کر فوراً انہیں روک دیا اور اس کے ساتھ اس قدر حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا کہ وہ شرمسار ہو کر آپ کے پیروں پر گر پڑا۔ حالانکہ اس وقت آپ کے ساتھ عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد تھی جو بغیر آپؓ کے اشارے کے اس بدو کی طرف بڑھی تھی تاکہ اسے اس کی گستاخی کا مزہ چکھائے مگر سیدنا حضرت حسینؓ نے طاقت رکھتے ہوئے بھی انتقام نہیں لیا اور عفو و درگذر کو ترجیح دی۔ پھر آپ نے اس عفو و درگذر

کا خوش گوار نتیجہ بھی دیکھا۔ غرض قرآن کے وسیع مطالعے اس پر تدبر و تفکر اور ذاتی مشاہدات و تجربات سے متاثر ہو کر آپؑ نے فرمایا کہ :۔

"کیا تم جانتے ہو کہ معاف کرنے والوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ کون ہے؟ وہ جس میں سزا دینے کی طاقت ہو مگر اس کے باوجود بھی وہ معاف کر دے۔" (تاریخ کبیر صـ۳۳۲)

ایک اور خطبے کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"اے بندگانِ خدا! جب تمہیں معلوم ہو کہ فلاں شخص کسی کی عزت و آبرو کے درپے ہے تو اس سے محفوظ رہنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس سے دور دور رہو۔ یاد رکھو تمہاری عزت و ناموس کے لئے زیادہ خطرہ انہیں لوگوں سے ہے جو تمہارے معاملات کے محرم راز ہیں۔

ایسے کام کی ذمہ داری نہ اٹھاؤ جس کے انجام دینے کی اہلیت تمہارے اندر نہ ہو اور کبھی ایسی چیز حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو جس کا سمجھنا اور حاصل کرنا تمہارے بس کا روگ نہ ہو۔ کبھی ایسا وعدہ نہ کرو جس کا ایفا تم سے ممکن نہ ہو۔

خرچ کرتے وقت اپنی گنجائش اور ضرورت کا خیال رکھا کرو

اسی قدر صلے کی توقع کرو جتنا کام کیا ہے۔

سب سے زیادہ سکون اطاعت الٰہی میں خوش رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔" (اسرار الحکماء، ص ۹)

اس سے پہلے خطبے میں حضرت امامؑ نے اجتماعی جدوجہد اور اجتماعی عزت وآبرو کے سلسلے میں عالم انسانیت کی رہنمائی فرمائی تھی لیکن مندرجہ بالا خطبہ تمام تر شخصی یا انفرادی جدوجہد اور انفرادی عزت و شرف کے بارے میں ہے اور اس خطبے میں آپؑ نے فرد کی ذاتی کامیابی اور معاشرے میں اس کی عزت و عظمت کے متعلق بعض بڑے بلیغ نکات بیان فرمائے ہیں۔ یہ نکات بھی آخر کار پورے معاشرے کی بہبود پہ منتج ہوتے ہیں۔

رازداں کا انتخاب

انسان کو اکثر اوقات سب سے زیادہ نقصان انہیں اشخاص سے پہونچتا ہے جن سے اس کی راہ و رسم ہوتی ہے راز وہی لوگ فاش کرتے ہیں جو رازداں ہوتے ہیں۔ جو محرم راز ہی نہ ہوں وہ راز کیسے فاش کر سکتے ہیں۔

یہ وہ حقائق ہیں جنہیں انگریزی میں (UNIVERSAL TRUTH) کہتے ہیں جو کسی ملک، قوم یا نسل سے مخصوص نہیں ہوتے بلکہ وہ آفاقی حقائق کہلاتے ہیں۔ حضرت امامؑ کی تعلیم کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ملک قوم اور نسل سے بلند ہو کر تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس خطبے میں بھی آپ کی یہ خصوصیت

بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے اور آپؑ کے اس ارشاد سے کہ:۔

"یاد رکھو تمہاری عزت و ناموس کے لئے سب سے زیادہ خطرہ ان لوگوں سے ہے جو تمہارے معاملات کے محرم راز ہیں"

بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شخص استفادہ کرسکتا ہے یہ نکتۂ بلیغ بیان فرماکر آپؑ نے لوگوں کو بتایا ہے کہ اپنے معاملات کا رازداں صرف ان ہی لوگوں کو بناؤ جن کے متعلق تمہیں سو فی صد یقین اور جن کی شرافت و نیکی پر مکمل اعتماد ہو۔

انتخابِ کار

دنیا کے ناکام و نامراد انسانوں کی زندگی کا اگر غور سے جائزہ لیا جائے تو ان میں سے اکثر کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی نظر آئے گی کہ انہوں نے ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالا جن کے لئے وہ پیدا نہیں کئے گئے تھے۔ ہر شخص کو اللہ تعالےٰ نے مخصوص صلاحیتیں دے کر پیدا کیا ہے۔ رجحانِ طبع اور فطری صلاحیت کو نظر انداز کرکے زندگی کے کسی شعبے میں ترقی ممکن نہیں۔

حضرت امامؑ نے اپنے خطبے میں دوسرا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے دیکھ لو کہ تم میں اس کام کو انجام دینے کی قوت و اہلیت بھی موجود ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری عمر عزیز بھی ضائع ہوجائے اور وہ کام بھی پائۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکے۔ اور اسی خطبے کے یہ الفاظ کہ:۔

"اور کبھی ایسی چیز حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو جس کا سمجھنا اور

حاصل کرنا تمہارے بس کا روگ نہ ہو۔"

دراصل اسی نکتے کی تفسیر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ نذر سے لکھنے کے قابل اس نکتے کو ہم گرہ باندھ لیں تو ناکامی کا لفظ واقعی ہماری لغت سے خارج ہو جائے۔

اس خطبے کا ایک اہم حصہ آپ کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے خانگی کشمکش اور اقتصادی بدحالی پہ قابو پانے کا راز بیان فرمایا ہے۔ آج ہمیں یہ باتیں شاید اتنی اہمیت کی حامل نظر نہ آئیں۔ کیونکہ سماجی اور اقتصادی علوم پر ہر زبان میں بیش از بیش کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن تصور کیجئے اس زمانے کا جب نہ لٹریچر تھا اور نہ درس و تدریس کی عظیم الشان یونیورسٹیاں نہ تعلیم کے وہ جامع نصاب تھے جو آج ہمارے سامنے ہیں اور نہ معاشرتی علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی انتظام تھا بلکہ لوگ ان علوم سے آشنا بھی نہ تھے۔ اس دور میں حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ:-

اسراف بیجا

"خرچ کرتے وقت اپنی گنجائش اور ضرورت کا خیال رکھا کرو۔"

حقیقت یہ ہے کہ ہماری بہت سی مشکلات آمد و خرچ میں عدم توازن کی بنا پہ پیدا ہوتی ہیں اور ہماری یہ خواہش کہ دنیا کی ساری آسائشیں ہمیں حاصل ہو جائیں اور ہماری ہر آرزو پوری ہو جائے ہمیں ایک بڑے اقتصادی

بحران سے دوچار کر دیتی ہے جس سے نہ صرف گھر کا امن و سکون برباد ہو جاتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ ہماری شخصی عزت و وقار بھی مجروح ہوتا ہے اور دل و دماغ بھی ماؤف ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن اگر ہم خرچ کرتے وقت اپنی گنجائش کو مدنظر رکھیں اور یہ بھی سوچیں کہ آئندہ بھی کچھ ضروریات پیش آنے والی ہیں تو نہ صرف یہ کہ گنجائش کے مطابق خرچ کریں بلکہ کچھ آئندہ کے لئے پس انداز بھی کر لیں۔ قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالےٰ نے اس نکتے کی طرف واضح الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہٗ لا یحب المسرفین (سورۃ الاعراف پارہ ۸)
(کھاؤ اور پیو مگر اسراف بیجا نہ کرو۔ اللہ اسراف بیجا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)

گویا اللہ تعالیٰ نہ اپنی جان پر سختی کرنے اور بخل سے کام لینے کی اجازت دیتا ہے اور نہ اس قدر کشادہ دستی کہ انسان دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائے بلکہ میانہ روانی کی تعلیم دیتا ہے اور سیدنا حضرت امام حسینؓ نے بھی اپنے ارشادات اور خود اپنے عمل سے قرآن کریم کی اس تعلیم کی تفسیر و تشریح فرمائی۔ یہ حضرت امام حسینؓ کی تعلیم کے چند پہلو ہیں۔ ورنہ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

اب آپؓ کے پُر حکمت کلمات کے اقتباس و انتخاب پر یہ موضوع ختم کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

تحمل اور بردباری انسان کی سیرت میں شائستگی اور آراستگی پیدا کرتی ہے۔ مروت کی تعریف ایفائے عہد ہے۔ صلہ رحمی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو شخص اس نعمت سے محروم ہے وہ انسانیت سے محروم ہے۔

حرص اور بسیار طلبی ناپسندیدہ ہی نہیں باعثِ ہلاکت بھی ہے۔ ہر کام میں عجلت بیوقوفی ہے اور بیوقوفی انسان کی سب سے بڑی کمزوری کا نام ہے۔ برائیوں کا سرچشمہ رذیل اور پست ذہنیت انسانوں کی صحبت ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا خود تمہارے کیریکٹر کو بھی مشکوک کر دیتا ہے۔" (ریاض المجالس ص ۲۵)

شاعری

سیدنا حضرت امام حسینؓ نے شاعری کو بہ حیثیت فن کبھی اختیار نہیں فرمایا اور نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کرنے کا التزام کیا مگر چونکہ فطرت کی طرف سے طبع موزوں اور ذہن رسا لے کر آئے تھے اور شدتِ احساس کی دولت سے مالا مال تھے۔ اس لئے بعض واقعات و مناظر سے متاثر ہو کر آپ پر شاعرانہ کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ اس عالم میں زبان پر بے ساختہ کلام موزوں جاری ہو جاتا تھا۔ یہ کلام انتہائی پاکیزہ اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اتنا بلند پایہ ہوتا تھا کہ بڑے بڑے قادر الکلام اور نازک خیال

شاعر بھی اُسے سن کر سر دھنتے تھے۔ حضرت امامؑ کی شاعری ادب برائے ادب کی نہیں بلکہ ایسے ادب کی علمبردار تھی جس کا مقصد انسانیت کی سربلندی تھا۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے اخلاق وعادات کی اصلاح کا فریضہ ادا کیا۔ اس قدر سرمایہ جمع کرنے سے جو انسان کو خدا سے غافل کر دے اور بندگان خدا کے حقوق سلب کرنے کا موجب ہو آپؑ نے اپنے حکیمانہ اشعار کے ذریعہ سے روکا۔ موت کے پُر ہیبت مناظر سے ڈرا کر پاکیزہ اور اور رضائے الٰہی کے مطابق زندگی گذارنے کی تعلیم دی۔ کہیں جنت کے مناظر کو شاعرانہ رنگ میں بیان کر کے لوگوں کو اعمالِ نیک انجام دینے کی تلقین فرمائی۔ کبھی میدان جنگ میں اپنے رجزیہ اشعار سنا کر اپنے ساتھیوں میں شجاعت پیدا کی۔ کبھی اپنے تاثر انگیز اشعار کے ذریعے سے دشمن کو مظالم سے باز رہنے کی تنبیہہ فرمائی۔ پھر کمال یہ ہے کہ کسی جگہ شعریت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ جوشِ بیان، نزاکتِ خیال اور شدتِ احساس آپ کے کلام کی ایسی خوبیاں ہیں جن کا انکار ممکن ہی نہیں۔ ان خوبیوں کے امتزاج سے وہ خوبی پیدا ہوتی ہے جسے اثر پذیری کہتے ہیں اور جو شعر کی جان ہے جس کے بغیر شعر ایک ایسا قالب ہے جو روح سے محروم ہو۔ قادر الکلامی آپ کے ہر شعر سے ظاہر ہوتی ہے بلا شبہ سیّدنا حسینؑ کا کلام عربی ادب کے سرمایے میں بلند ترین جگہ پانے کا مستحق ہے۔

افسوس کہ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں آپ کا پاکیزہ و پُر حکمت کلام ضائع ہوگیا اور اس کا بہت قلیل حصہ ہم تک پہونچ سکا۔ ذیل میں اس قلیل کا ایک مختصر انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

مصائب کے موقع پر بندوں کے بجائے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے اور اسی پر توکل کرنے کے متعلق فرمایا۔

اذا ماعضك الدھر تجنح الی خلق ولا تسئل سوی اللہ تعالی قاسم الرزق	دنیا کی طرف سے جب تمہیں تکلیف پہونچائی جائے تو سوائے اللہ تعالیٰ کے جو روزی رساں ہے اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرو۔
فلو عشت وطوفت من الغرب الی الشرق لما صادفت من یقدر ان یسعد او یشقی	اگر تمہیں زندگی بھی مل جائے اور مشرق سے لیکر مغرب تک ہو بھی آؤ تب بھی تمہیں کوئی ایسا نہیں ملے گا جو خوش بخت یا بدبخت بنانیکی قدرت رکھتا ہو

فقر و استغنیٰ کے متعلق فرماتے ہیں۔

دع الحرص عن الدنیا وفی العیش فلا تطمع ولا تجمع من المال	دنیا کی حرص و ہوس اور زندگی کی آرزوؤں میں مبتلا نہ ہو اور صرف مال و زر اکٹھا کرنے میں مصروف نہ رہ

فلا تدری لمن تجمع | کیا معلوم تیرا جمع کیا ہوا کس کے کام
فان الرزق مقسومٌ | آئے گا (یعنی تو اس سے فائدہ اٹھا بھی
وسوء الظن لا ینفع | سکے گا؟) تیرے حصہ کا رزق تو مقدر
کر دیا گیا پھر بدظنی سے کیا فائدہ۔

فقیرٌ کل ذی حرصٍ | فقیر وہ ہے جو حرص میں اسیر ہے۔
غنی کل من یقنع | اور امیر وہ ہے جو مستغنی ہے

ذیل کی نظم اسلام کی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور اس میں حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو انسان کو بہت سے فتنوں سے بچاتی اور اسے دنیا میں سربلند اور عقبیٰ میں سرخرو کرتی ہے۔

ما یحفظ اللہ یصن ما یضع اللہ یمتهن | جس چیز کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرے
من یسعد اللہ یکن له الزمان ان خشن | وہ ان ہی چیزوں کے ذریعہ سے
اخی اعتبر لا تغتر کیف ترٰی صرف الزمن | محفوظ ہو جاتی ہیں جو اللہ نے مقرر
تجری کما اوتی من فعل قبیح او حسن | کر دی ہیں جسے اللہ تعالیٰ نیک بنا دے
افلح عند کشفنا لغطاء عند فطن | اس کے لئے زمانے کی ناموافقت
وقر عینا من راٴی ان البلاء فی اللسن | موافقت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔
فما زن الفاظه فی کل وقت و وزن | اے بھائی عبرت حاصل کر دھوکے
وخاف من لسانه عذبا حدیدا فخزن | میں نہ آ۔ زمانے کے نشیب و فراز

ومن یکن معتصما باللہ ذی العرش فلن
یضرہ شیٔ ومن یعتدی علی اللہ ومن
من یامن اللہ یخف وخائف اللہ امن
وما لما بثمرۃ الخوف من اللہ ثمن
یا عالم السر کما یعلم حقاً ما علن
صلی علی جدی ابی القاسم ذی النور المتن
اکرم من الحی ومن لفف میتا فی کفن
وامنن علینا بالرضا فانت اہلٌ للمنن
واعففنا فی دیننا من کل خیر و عنن
ما خاب من خاب لمن یوماً الی لدنیا یکن
طوبی لعبد کشفت عنہ عنایات الرسن
الموعد اللہ ما یقضی بہ اللہ یکن

کو دیکھو. افعال قبیح کا بدلہ قبیح اور
افعال نیک کا بدلہ نیک ملا کرتا ہے
جس کی نظروں کے سامنے سے حجابات
اٹھ گئے اور اس نے عقل وخرد سے
کام لیا نوجوان سے کہ وہ فلاح پائے
بھی ہو گیا اور اس حقیقت کو بھی
سمجھ گیا کہ بسیار گوئی ایک مصیبت
ہے (ایسا شخص) جب گفتگو کریگا
تو ضرور اپنے الفاظ کے نتائج و
عواقب کو پرکھ لے گا اور اپنی زبان
کی کاٹ سے خوف کھاتا رہے گا.
اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے جو عرش

کا مالک ہے معتصم رہے گا اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہونچا سکے گی اور
ایسا کون ہے جو خدا کے لئے بغاوت کرے. دنیا کے خوف میں گرفتار رہی ہوگا
جو خدا سے ڈرنا چھوڑ دے گا اور وہ امن میں رہے گا جو خدا سے ڈرتا رہے گا
اے ظاہر و باطن سے باخبر ہمارے جد اعلیٰ ابوالقاسم صلعم پر جو صاحب نور
ہیں رحمت نازل فرما زندہ شخص پر اور اس پر جو کفن میں لپیٹا گیا اپنا کرم نازل فرما

اور اپنی رضا مندی کے ذریعے سے ہم پر احسان فرما کیونکہ تو ہی احسان کرنے کے لائق ہے اور ہمیں ہر برائی اور نقصان سے محفوظ کر۔ سب سے زیادہ محروم وہ ہوا جس نے دنیا پر اعتبار کیا۔ کیسی اچھی حالت ہے اس کی جس کے سامنے سے حجاباتِ غفلت اٹھا دیئے گئے نیک لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرنا چاہتا ہے۔

جنت کی خوبصورتی اور حصولِ جنت کی تحریک کے متعلق آپ نے شاعرانہ اور حکیمانہ انداز میں فرمایا:۔

سنورها النور والارکان من ذهب — اس کے پردے نور سے بنائے
والفرش استبرق خضر حواشیها — گئے ہیں اور ستون سونے کے۔
فمن یرد شراها مع تقللہ — اس کا فرش استبرق کا ہے اور
فلیبدتن مبدوا م الصبح یحییها — اس کے کنارے سبز ہیں اگر کوئی
شخص غریب ہونے کے باوجود اسے خریدنا چاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ راتیں عبادت میں گذار دے یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔

اپنی صاحبزادی سکینہؓ اور اپنی بیوی ربابؓ کی محبت میں فرماتے ہیں

لعمرك اننی لاحب دارا — قسم ہے تیری جان کی کہ مجھے اس گھر سے
تكون بها سكينة والرباب — محبت ہے جس میں سکینہؓ اور ربابؓ کا مسکن
احبهما وابذل جل مالی — ہو میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور

ولیس لعاتب عندی عتاب ان کے لئے اپنی ساری متاع دے سکتا ہوں اور میں کسی کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

اپنی زندگی کے آخری دن میدانِ کربلا میں مندرجہ ذیل اشعار نظم فرمائے

وان تکن الاموال للترک جمعها | اور اگر مال دنیا اس لئے جمع کیا جاتا ہے کہ
فما بال متروک به المرء یبخل | آخر کار انسان اسے چھوڑ کر دنیا سے چلا
وان تکن الاجساد للموت انشئت | جائے تو کیوں اس چیز کو دینے میں بخل
فقتل الفتی بالسیف فی اللہ اجمل | کرتا ہے جو اس سے لے لی

جائے گی۔ اگر سارے جسم مرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تو سب سے اچھا وہ جواں مرد ہے جو خدا کی راہ میں قتل ہو جائے۔

کربلا کا معرکۂ کارزار گرم ہونے سے پہلے نماز فجر کے بعد اپنی تلوار صاف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل شعر ارشاد فرمائے۔

یا دھر اُفٍ لک من خلیلِ | اے دنیا تو کیسی بے وفا دوست ہے۔
کم لک بالاشراق والاصیلِ | صبح و شام تیرے ہاتھ سے کتنے لوگ
من صاحب او طالب قتیلِ | قتل ہوتے ہیں اور دنیا کسی سے کوئی

والدهر لا یقنع بالبدیلِ — صلہ نہیں لیتی۔ بات یہ ہے کہ ہر امر کا
وانما الامر الی الجلیلِ — مالک تو خدائے جلیل ہے اور ہر شخص
وکل حیّ سالکُ السبیلِ — جو زندہ ہے دراصل موت کے جادے
پر گامزن ہے۔

میدان کربلا میں جب آپؓ کا جاں نثار حُرؓ شہید ہو گیا تو اس کی لاش پر پہونچ کر آپؓ نے مندرجہ ذیل شعر پڑھے۔

فنعم الحرّ حرّ بنی ریاحِ — حُر بن ریاح کیسا اچھا حُر ہے جو تیروں سے
صبور عند مشبک الرماحِ — چھدا ہوا ہونے کے باوجود صبر کرنے والا
ونعم الحر فی رهج المنایا — ثابت ہوا۔ اور کیسا اچھا ہے حُر جو موت
اذا الابطال تخطر بالصفاحِ — کے نرغے میں یوں جا گرا جیسے بہادر شخص اپنے
ونعم الحر اذ واسا حسیناً — آپ کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور کیسا اچھا
وفاذ بالهدایة والفلاحِ — ہے حُر جس نے حسینؓ کی حمایت کی اور
ونعم الحر اذ نادی حسیناً — ہدایت و فلاح پائی۔ اور کیسا اچھا ہے
فجاد بنفسه عند الصیاحِ — حُر کہ جب حسینؓ نے آواز دی تو بہ نفس
فیارب اصفه فی جنان — نفیس لبیک کہتا ہوا آگیا۔
وزوجه مع الحور الملاحِ — اے میرے ربّ اسے جنت میں جگہ دیجئے
اور ملیح حوروں کو اس کی زوجیت میں عطا کیجئے۔

جب سیدنا حضرت حسینؓ کے تمام ساتھی آپ پر سے قربان ہو گئے اور آپؓ فرض شہادت ادا کرنے کے لئے میدان میں نکلے تو مندرجہ ذیل رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

انا ابن علیؓ المطھر من آل ھاشم
کفانی بھذا مفخراً حین افخر
وجدی رسول اللہ اکرم من مشی
ونحن سراج اللہ فی الارض یزھر
وفاطمۃؓ امی سلالۃ احمدؐ
وعمی یدعی ذوالجناحین جعفر
وفینا کتاب اللہ انزل صادقاً
وفینا الھدیٰ والوحی والخیر یذکر
ونحن امان اللہ للناس کلھم
نسر بھذا فی الانام ونجھر
ونحن ولاۃ الحوض نسقی محبنا
بکاس رسول اللہ من لیس ینکر

میں علیؓ مطہر کا بیٹا ہوں جو ہاشم کی اولاد ہیں اور جب میں فخر کرنا چاہوں تو یہی فخر میرے لئے کافی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ جو ساری دنیا سے اکرم ہیں میرے جدامجد ہیں اور ہم لوگ دنیا میں خدا کا روشن چراغ ہیں اور رسول اللہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ میری ماں ہیں اور حضرت جعفر ذوالجناحین میرے چچا ہیں، ہمارے ہی گھر میں خدا کی سچی کتاب اتری اور ہمارے یہاں ہدایت ونیکی کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ہم ظاہر وباطن ہر لحاظ سے لوگوں کے لئے

امان الٰہی ہیں، اور ہم لوگ ہی حوضِ کوثر کے مالک ہیں اور ہماری محبت کی وجہ سے رسول اللہ کے ہاتھوں لوگوں کو ساغرِ کوثر ملے گا جس کا کوئی منکر نہیں ہو سکتا

(اس باب کے تمام اشعار تاریخ ابن اثیر جلد چہارم، مقتل ابی مخنف مجموعۃ القصائد "الحسینؑ" مصنفہ علی جلال الحسینی مصری اور کتاب الاغانی سے ماخوذ ہیں)

واقعۂ کربلا کا پس منظر

واقعۂ کربلا کا پس منظر

۱۰ محرم ۶۱ھ کو ریگ زارِ کربلا میں جو ہنگامۂ جدال و قتال گرم ہوا وہ کسی فوری واقعے کا نتیجہ نہیں تھا۔ یہ ہولناک سانحہ دراصل طویل سلسلۂ واقعات کی ایک کڑی تھی اور جب تک واقعات کی ساری کڑیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر نہ دیکھا جائے اس وقت تک اس زہرہ گداز سانحے کے حقیقی اسباب و علل تک پہونچنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

قبائلی رقابت

جن لوگوں نے عرب کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ عرب میں مختلف قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل جہاں ایک دوسرے کے حلیف تھے وہاں ان میں سے بعض ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

بھی تھے۔ کچھ قبائل ایسے تھے جن میں سیکڑوں سال سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ اوران کے درمیان بڑی ہولناک جنگیں بھی ہو چکی تھیں۔ مکہ کے مشہور قبیلہ قریش کی دو شاخیں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ بھی اسی نسلی عصبیت کا شکار اور ایک دوسرے کی حریف تھیں اور اتفاق یہ کہ اس عصبیت کی بنیاد اقتدار کی کشمکش پر پڑی تھی۔ کون نہیں جانتا کہ مکہ کی سیادت قریش کو حاصل تھی اور قصیؔ کے نامور بیٹے عبدمناف مکہ کے سردار اعظم تھے۔ عبدمناف کے بعد یہ منصب ان کے بیٹے ہاشم کو ملا مگر ہاشم کے بھتیجے اُمیہ بن عبدالشمس نے اپنی فطری کج روی اور ہوسِ اقتدار کی بنا پر ان سے بغاوت کی اور ہاشم کی سیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ ہزاروں تلواریں بے نیام ہو کر سروں اور جسموں میں جدائی ڈال دیں کہ قریش کے بعض عقیل و فہیم لوگوں نے صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کر لیا اور ہاشم اور اُمیہ دونوں کو اس امر پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ ثالثی کے ذریعہ سے اس معاملے کو سلجھالیں، چنانچہ ایک کاہن کو جج بنایا گیا اور اس نے یہ فیصلہ دیا کہ سرداری کا منصب جلیلہ ہاشم کو ملنا چاہیئے۔ امیہ نے مجبوراً یہ فیصلہ تسلیم تو کر لیا مگر اس کے دل میں ہاشم کے خلاف ایسی گرہ بیٹھ گئی جو کسی کے کھولے نہ کھل سکی۔ یہ دشمنی نسل بعد نسلاً دونوں میں منتقل ہوتی رہی۔ دونوں میں بڑی بڑی خوں ریزیاں ہوئیں اور ان سب کی بنیاد یہی واقعہ ہے۔ رسول اللہؐ کے دادا عبدالمطلب کے زمانے تک

قریش کی سیادت بنو ہاشم کے پاس رہی مگر عبد المطلب کے انتقال کے بعد یہ سیادت بنو ہاشم کے ہاتھ سے نکل گئی۔

رسول اللہ کی مخالفت کا سبب

بنو امیہ کے بعد قریش کا دوسرا قبیلہ بنو مخزوم، بنو ہاشم کا حریف تھا اور جب رسول اللہؐ کی بعثت ہوئی تو بنو امیہ اور بنو مخزوم اور ان کے حلیف قبائل ہی کا مکہ پر تسلط تھا اور وہی کعبے کے نگہبان تھے۔ صرف ایک شعبہ ایسا تھا جو بنو ہاشم کے قبضے میں تھا جب رسول اللہؐ نے دعویٰ نبوت فرمایا تو بنو امیہ اور بنو مخزوم کو خیال پیدا ہوا کہ اگر رسول اللہؐ کامیاب ہو گیا تو ہم ہمیشہ کے لئے بنو ہاشم کے غلام ہو جائیں گے اور وہ منصب جو بنو ہاشم کے قبضے سے نکل کر ہمارے قبضے میں آیا ہے پھر انہیں کے پاس واپس چلا جائے گا۔ اپنی شکست اور ذلت کے احساس نے انہیں اسلام اور ہادیٔ اسلام دونوں کا دشمن بنا دیا اور وہ نادان اتنا نہ سمجھ سکے کہ محمد رسول اللہ تو مبعوث ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ ان قبائلی امتیازات کا قلع قمع کر دیا جائے جو تعصب کی آخری حدوں کو چھوتے ہیں اور دشمنی کی اس آگ کو سرد کر دیا جائے جو سیکڑوں سال سے دلوں میں بھڑک رہی ہے۔ قریش کے کم فہم سردار یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ رسول اللہ کی تعلیم اور حضورؐ کی شخصیت حصولِ اقتدار کی خواہشات سے بہت ارفع و اعلیٰ

ہے۔ اور اس کا ثبوت حضورؐ نے بعد کی زندگی میں دیدیا جب کہ سارے عرب کے مطلق العنان حکمراں ہونیکے باوجود آپؐ نے حکومت کے مناصب میں سے ایک یا دو عہدوں کے سوائے باقی سارے عہدے غیر ہاشمیوں کو دیئے اور باوجودیکہ ہاشمیوں میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ جیسے بہادر، صاحب علم وفضل با اثر اور مدبر لوگ موجود تھے مگر وصال کے وقت ان میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا۔

ابوجہل کی ایک تقریر

بہرحال خواہ کچھ ہو قبائل قریش نے رسول اللہؐ کے دعوٰیٔ نبوت کو نسلی کشمکش کا رنگ دیدیا۔ ابوجہل کی ایک تقریر سے اس خیال کو مزید تقویت پہونچتی ہے۔ ایک شخص نے جس کا نام اخنس بن شریق تھا ابوجہل سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟" ابوجہل نے جواب دیا کہ "ہمارے اور بنو ہاشم کے درمیان ہمیشہ رقابت رہی ہے اگر انہوں نے مہمان نوازی میں نام پایا تو ہم نے بھی بڑی بڑی مہمان نوازیاں کیں، اگر انہوں نے خون بہادیئے تو ہم نے بھی دیئے۔ اگر انہوں نے سخاوت کی تو ہم نے ان سے بڑھ کر فیاضی دکھائی اور جب ہم بالکل ان کے دوش بدوش آگئے تو اب انہوں نے پیغمبری کا دعوٰی کردیا۔ خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے"۔ (سیرت ابن ہشام ص۱۰۵)

ایک ماہر نفسیات صرف ابوجہل کی یہ تقریر پڑھ کر ہی اس مہم کے اسباب و علل اور قریش مکہ کی ذہنیت کا اندازہ لگالے گا جس کا مظاہرہ رسول اللہ کی مخالفت کی صورت میں کیا جارہا تھا اور صرف اسی تقریر سے اس سیاست کے اسباب بھی معلوم ہوجائیں گے جس کا گھناؤنا کھیل رسولؐ اللہ کے مقابلے میں کھیلا جارہا تھا اس لئے اگر یہ کہا جائے تو حقیقت کے عین مطابق ہوگا کہ رسول اللہ کی مخالفت کا بڑا سبب قبائلی اور نسلی تعصب تھا اور اس تعصب کی آگ کو ہوا دینے والوں میں بنوامیہ اور بنومخزوم پیش پیش تھے جیسا کہ ابھی عرض کیا جاچکا ہے کہ بنوامیہ ہی نے بنوہاشم سے منصب سیادت حاصل کیا تھا اس لئے رسولؐ اللہ کو اقتدار حاصل ہوجانے کی صورت میں بنوامیہ ہی کو اپنی شکست کا سب سے زیادہ خطرہ تھا اور وہ اسے اپنی بہت بڑی ذلت سمجھتے تھے۔ ابوجہل کے بعد قریش مکہ میں سب سے زیادہ با اثر اموی سردار ابوسفیان تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس ابوسفیان کے ہاتھوں رسولؐ اللہ کو بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ مولانا شبلیؒ نعمانی مرحوم لکھتے ہیں۔

بنوامیّہ کی مخالفت

"آں حضرت صلعم کی نبوت کو خاندان بنوامیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلے نے آں حضرت صلعم کی مخالفت کی۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں اور

وہی ان لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔ عقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آں حضرت صلعم کا دشمن تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈالی تھی اُموی تھا۔ (سیرت النبی جلد اول ص۲۱۰)

میدان جنگ میں رسول اللہ کو شہید کرنے کے لئے جتنی کوششیں کی گئیں ان سب کا بانی بھی ابوسفیان تھا۔ غزوۂ احد میں قریش کی یلغار کی وجہ سے جب حضورؐ پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے تو یہ ابوسفیان ہی تھا جو ایک دستہ لے کر پہاڑی پر چڑھ گیا تا کہ آپؐ کو شہید کر دے مگر ناکام رہا (طبرانی جلد دوم ص۱۴۱)

پھر یہ ابوسفیان ہی تھا کہ جو غزوہ احد میں پکارتا پھرتا تھا کہ "محمدؐ کہاں ہیں؟" جب قریشِ مکہ کا لشکر جنگ احد کے لئے روانہ ہوا تو اس لشکر کے آگے آگے جو چودہ عورتیں فوج کو جوش دلانے والے اشعار پڑھتی چل رہی تھیں ان کی قائد اسی ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

نحن بنات طارق	ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم
نمشی علی النمارق	وہ ہیں جو قالینوں پر چلتی ہیں۔
ان تقبلوا نعانق	اگر تم جنگ میں سبقت کرو گے
او تدبروا نفارق	تو ہم تم سے بغل گیر ہو جائیں گی اور

اگر پیچھے ہٹے تو ہم تم سے دور ہو جائیں گی۔

پھر یہی وہ ہندہ زوجۂ ابوسفیان ہے جس نے رسولِ خدا کے پیارے

چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے آپؐ کا کلیجہ چبایا۔ شہداء کی نعشوں پر جا کر ان کے کان اور ناک کاٹ کر ہار بنایا اور وہ ہار اپنے گلے میں حمائل کیا۔ اس کی سرکشی اور گستاخی اس وقت بھی کم نہ ہوئی جب مکہ فتح ہو گیا اور یہ مجبور ہو کر بیعت کرنے کے لیئے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس موقع پر رسول اللہؐ اور ہندہ میں جو مکالمہ ہوا وہ یہ تھا۔

ہندہ۔ آپؐ ہم سے کن امور کا اقرار کراتے ہیں۔

حضورؐ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ۔

ہندہ۔ مگر آپ نے مردوں سے تو اس کا اقرار نہیں کرایا خیر ہمیں منظور ہے
(عبارت دیکھیے کہ رسولؐ اللہ پر بھی اعتراض کرتی ہے)

حضورؐ۔ چوری نہ کرو۔

ہندہ۔ کبھی کبھی میں اپنے شوہر کی جیب میں سے کچھ لے لیا کرتی ہوں۔ خبر نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں (رسول اللہ کی تعلیم کا مذاق اڑا رہی ہے)

حضورؐ۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

ہندہ۔ ہم نے تو اپنی اولاد کو پالا پوسا بڑا کیا مگر آپؐ نے جنگِ بدر میں ان کو ہلاک کر دیا۔ اب آپ اور وہ ایک دوسرے سے سمجھ لیں (کس قدر زہر میں بجھا ہوا طنز ہے اور پھر دھمکی بھی۔)

جب بنو امیہ اور بنو مخزوم کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں اور اسلام کا

سورج اپنی پوری تمازت کے ساتھ مکہ پر طلوع ہوا یعنی مسلمانوں کا لشکر جرار رسولؐ اللہ کی قیادت میں فتح مکہ کے لئے روانہ ہوا تو مکہ کے قریب پہونچ کر ابوسفیان گرفتار کر لیا گیا۔ یہ قریش مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے لشکر اور ان کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم کرنے کے لئے آیا تھا۔ گرفتاری کے بعد اسے رسولؐ اللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اگرچہ اس کے جرائم تو اتنے سنگین تھے کہ اس کے جسم کا بند بند الگ کر دیا جاتا مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عفو و کرم کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا لیکن ساتھ ہی حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ اسے لے جا کر پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کر دو تا کہ یہ اپنی آنکھوں سے خداوند تعالیٰ کے جلال و جبروت کو اسلامی افواج کی شکل میں دیکھ سکے۔ ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر عالم حسرت و یاس میں کھڑا تھا اور نیچے سے اسلامی افواج کے دستے عجیب شان و تمکنت سے گذر رہے تھے۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح)

فتح مکہ کے انقلاب آفریں واقعہ نے قریش خصوصاً بنو مخزوم اور بنو امیہ دونوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور ابوسفیان مع اپنے بیٹے یزیدؓ اور معاویہؓ کے اسلام لے آیا مگر جس طرح اور جن حالات میں اسلام لایا گذشتہ سطور سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ابوسفیان کے دل سے اسلام کے خلاف دیرینہ کینہ آخر وقت تک نہ نکل سکا۔ چنانچہ

ایک روایت ہے کہ رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی گئی تو ابوسفیان حضرت علیؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ "لوگوں نے ابو قحافہ (حضرت ابوبکرؓ کے والد) کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کرلی حالانکہ تم ان سے کہیں زیادہ اس کے مستحق ہو۔ اگر تم تیار ہو تو میں تمہاری امداد کے لئے مدینہ کو پیادوں اور سواروں سے بھر دوں"۔ مگر حضرت علیؓ نے کمال استغنا سے اس کے مفسدانہ مشورے کو پایۂ حقارت سے ٹھکرادیا اور فرمایا کہ "ابوبکرؓ ہم سب میں افضل اور امرِ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں"۔

ابنِ سعد نے اپنی طبقات میں ایک واقعہ درج کیا ہے۔ اس سے ابوسفیان کی افتادِ طبع کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ ابوسفیان چند قریشی امراء کے ساتھ حضرت عمرؓ کے دولت کدے پر بیٹھا اندر جانے کا انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت بلالؓ اور حضرت خبابؓ آئے اور نہایت بے تکلفی سے بیتِ خلافت میں داخل ہو گئے۔ یہ واقعہ ابوسفیان کو نہایت ناگوار گذرا اور اس نے دوسرے سرداروں سے کہا کہ کیسے تعجب کی بات ہے کہ ہم قریش کے سردار ہو کر اندر جانے کے لئے اجازت کے منتظر بیٹھے رہیں اور یہ آزاد کردہ غلام اس بے تکلفی سے اندر چلے جائیں (طبقات ابن سعد۔ تذکرہ حضرت بلالؓ)

گویا اسلام لانے کے بعد اپنی گذشتہ سرداری اسے رہ رہ کر یاد آتی تھی اور اس کی نظر میں عزت و عظمت کا معیار اسلام نہیں تھا زمانہ جاہلیت کی سرداری تھی۔ مسلمان ہوجانے کے بعد بھی اس کی نظر میں غلام غلام ہی رہنا تھا اور ایک آزاد کردہ غلام کے مقابلے میں سردار کا مرتبہ وہ کہیں اونچا سمجھتا تھا خواہ اپنے اعمال کے لحاظ سے وہ سردار کتنا ہی پست اور گھٹیا درجے کا شخص کیوں نہ ہو۔ اس قسم کی ذہنیت کے لوگوں سے خرابی کے سوائے اور کس چیز کی توقع کی جاسکتی تھی ؟

رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد عرب میں ایک خطرناک آتش فساد بھڑک اٹھی اور آگ بھڑکانے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہیں نہ رسول اللہ کی صحبت نصیب ہوئی تھی نہ انہوں نے اسلامی تعلیم کو سمجھ کر قبول کیا تھا بلکہ رَو میں بہہ کر مسلمان ہوگئے تھے۔ ان میں بیشتر ایسے لوگ تھے جنہوں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا تک نہ تھا۔ کچھ ابن الوقت اور خودغرض لوگ تھے جنہوں نے سوچا کہ رسولؐ اللہ کو یہ اقتدار و عظمت نبوت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ لاؤ کیوں نہ ہم بھی نبوت کا دعویٰ کرکے عرب کی سرداری حاصل کرلیں اور بلاشبہ ان فتنوں کی تہہ میں کسی قدر نسلی تعصب کا جذبہ بھی کارفرما تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنی حیرت انگیز پامردی و استقلال اور غیر معمولی فراست و تدبر سے کام لے کر اس آگ کو سرد اور

اس فتنے کا قلع قمع کر دیا اور مسلمان پھر برق رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے، آپؓ میں اپنے پیش رو کی ساری صفات موجود تھیں، خدائی احکام کو نافذ کرانے میں سخت گیری اور انتظامی صلاحیتوں کے اعتبار سے آپ جیسی شخصیت عالم اسلام تو کیا دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ آپ کے عہد میں کسی فتنے نے سر نہیں اٹھایا۔ اور آپ کی جلالت و جبروت کی وجہ سے بڑے بڑے سرکش سرنگوں ہو گئے۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوا اور اسلامی لشکر نے شام، عراق، اردن، فلسطین، ایران اور مصر تک پہونچ کر پرچم توحید کو بلند کیا۔

حضرت عمرؓ کا زمانہ اسلامی مملکت کی توسیع۔ عدل و انصاف، امن و امان اور معاشی ترقی کے اعتبار سے اسلام کا سنہری زمانہ ثابت ہوا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے۔ حضرت موصوف کے تقویٰ، بے نفسی اور اسلام کی عظیم الشان خدمات انجام دینے میں مجال گفتگو ممکن نہیں اور بلاشبہ چھ سال تک کارہائے خلافت کو بھی آپؓ نے بڑی خوبی سے سر انجام دیا لیکن آپ کی خلافت کے آخری چھ سال کا زمانہ مشکلات اور فتنوں کی آماجگاہ ثابت ہوا۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

(اس موضوع پر انشاء اللہ آئندہ کتاب "عثمانؓ اور ان کی خلافت" میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی) لیکن اجمالاً حالات کا ایک خاکہ بیان کر دینا ضروری ہے۔

حضرت عثمانؓ کی مخالفت

حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں بصرہ۔ کوفہ اور مصر کے لوگ پیش پیش تھے ان لوگوں کا پہلے تو یہ مطالبہ تھا کہ عثمانی گورنروں کو معزول کر دیا جائے کیونکہ انہیں حضرت عثمانؓ کے گورنروں سے کچھ شکایتیں تھیں۔ جب ان میں سے بعض گورنروں کو معزول کر دیا گیا تو انہوں نے ایک اور سازش کی اور ایک جعلی خط پیش کیا۔ یہ خط گورنر مصر کے نام تھا۔ اس پر حضرت عثمانؓ کی مہر بھی اور اس میں لکھا تھا کہ مصر کے مفسدوں کو جو تمہارے پاس آرہے ہیں گرفتار کر لو اور ان کو سخت سزائیں دو۔ بعض کو قتل کرنے کا بھی حکم تھا۔ جب حضرت عثمانؓ نے حلفیہ بیان کیا کہ یہ خط میرا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے شخص نے لکھ کر اس پر جعلی مہر لگا دی ہے تو صحابہ خصوصاً حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی پوری تائید کی۔ اس پر مفسدوں نے کہا کہ پھر یقینی طور پر یہ حرکت مروان کی ہے اس لئے آپؓ اسے ہمارے حوالے کر دیجئے لیکن چونکہ مجرم کو (اگر وہ مجرم ہو تو) کسی گروہ کے حوالے کر دینے کی اجازت دنیا کا کوئی قانون نہیں دیتا ہاں اس پر عدالت میں مقدمہ چلایا جا سکتا ہے

اس لئے حضرت عثمانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ پھر آپ خلافت کے اہل نہیں ہیں اس لئے اس بارگراں سے دست بردار ہو جائیے لیکن حضرت عثمانؓ نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا آخر حالات اور زیادہ خراب ہو گئے اور ایک روز چند مفسدوں نے قصرِ خلافت میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس طرح اسلام میں پہلی بار داخلی فتنے کا دروازہ کھلا جو آج تک بند نہ ہو سکا۔

بیعتِ علیؓ اور مخالفتِ معاویہؓ

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہماری بیعت لے لیں۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں امیر ہونے سے وزیر ہونے کو بہتر سمجھتا ہوں مگر جب انصار و مہاجرین نے بہت اصرار کیا تو آپ نے خلافت قبول فرما لی (۱۵۳ الکامل ابن اثیر جلد سوم)

آپ کے خلیفہ ہوتے ہی بنو امیہ کے پرانے کینے پھر عود کر آئے اور اس موقع پر سب سے زیادہ قابل اعتراض نمونہ ابو سفیان اور ہندہ کے نامور فرزند حضرت معاویہؓ نے دکھایا۔

حضرت معاویہؓ عرصہ دراز سے شام کے گورنر تھے۔ ان کے بڑے بھائی یزیدؓ بن ابو سفیان کو حضرت ابو بکرؓ نے دمشق کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ یزید کے

انتقال کے بعد حضرت معاویہؓ کو ان کی جگہ گورنر مقرر کیا گیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے تک وہ صرف دمشق کے گورنر رہے لیکن حضرت عثمانؓ نے انہیں سارے شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ کو طویل عرصے تک اس علاقے پر حکمران رہنے کا موقع ملا۔ اس عرصے میں انہوں نے اپنی طاقت کو خوب مستحکم کر لیا اور بنو امیہ کی ایک کثیر تعداد کو عرب سے لے جا کر شام میں آباد کیا۔ اہل شام کے ساتھ انہوں نے خاص طور سے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور انعام و اکرام سے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ بڑے زیرک اور نہایت دور اندیش آدمی تھے اور یہ ساری پیش بندیاں دراصل آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تھیں۔ لیکن ان کے طور طریقوں کو دین دار لوگ پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتے تھے اور بعض صحابہ بھی ان کے طرزِ عمل کے شاکی تھے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گی کہ حضرت معاویہؓ کے شاہانہ انداز اور ان کے تیور دیکھ کر بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ معاویہؓ کو شام سے کسی دوسری جگہ تبدیل کر دیں اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ بلا شبہ وہ صحابہ بڑے روشن ضمیر تھے مگر حضرت عمرؓ نے ان کا یہ مشورہ تسلیم نہ فرمایا۔ مشہور صحابی حضرت ابوذرؓ غفاری بھی حضرت معاویہؓ کے بعض افعال کی وجہ سے ان پر معترض تھے اسی لئے حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے اُن کی شکایت کر کے انہیں شام

سے مدینہ بھجوادیا تھا۔

جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو جس شخص کو سب سے زیادہ دکھ ہوا وہ یہی حضرت معاویہؓ تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف پوری قوت سے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ پیشتر اس سے کہ انکی مخالفانہ سرگرمیوں کا تذکرہ کیا جائے ایک واقعہ درج کر دینا بے محل نہ ہوگا جو حضرت معاویہؓ کی افتاد طبع اور ذہنی کیفیت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ ایک بڑا مورخ بیان کرتا ہے کہ ایک بار حضرت امام حسینؓ نے اپنی ایک لونڈی کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ جب حضرت معاویہؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت حسینؓ کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنے خاندان اور کفو کو چھوڑ کر اور اپنے برابر کی عورتوں کو نظر انداز کر کے ایک لونڈی سے نکاح کر لیا ہے اگر یہ درست ہے تو آپنے اپنے اور اپنی اولاد دونوں کیلئے برا کیا"

جب حضرت معاویہؓ کا یہ خط حضرت امام حسینؓ کو ملا تو آپنے انہیں جواب میں لکھا۔ "آپ نے لونڈی سے نکاح کرنے پر مجھے طعنہ دیا ہے کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق میں نے اپنے کفو کو نظر انداز کر دیا۔ آپ پر واضح ہو کہ رسولِ خدا سے بڑھ کر اعلیٰ نسب اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ یہ لونڈی میری ملکیت تھی میں نے خدا کی خاطر اسے آزاد کر دیا اور رسولِ خدا کی سنت کے مطابق اس سے نکاح کر لیا۔ یہ ملامت کی بات نہیں ہے۔ مسلمان کو صرف اسی کام پر ملامت کی جا سکتی ہے جو گناہ کا ہو یا جاہلیت کی باتوں پر" (عقد الفرید جلد سوم ص۲۲۹)

حضرت معاویہؓ کا خط اور حضرت امام حسینؓ کا جواب دونوں دو شخصیتوں کے ذہنی رجحانات و کیفیات اور دو مکاتیب فکر کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ بہت سی خوبیوں کے حامل ہونے کے باوجود خاندانی اور نسلی عصبیت کا شکار تھے اور حضرت علیؓ کے مقابلے میں ان کی سرگرمیوں کی تہہ میں یہی عصبیت کا جذبہ کام کر رہا تھا۔

بہرحال جب انصار و مہاجرین اور اہل مدینہ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حضرت علیؓ کی خلافت قائم ہو گئی تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور جواز یہ پیش کیا کہ پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لیجئے حالانکہ حضرت معاویہؓ کو خوب معلوم تھا کہ مجرموں کی گرفت کرنے کے معاملے میں حضرت علیؓ بے حد سخت گیر ہیں اور جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں وہ کسی کو نہ چھوڑیں گے۔ دوسرے قصاص لینے کے مطالبے کا صحیح طریق وہ نہ تھا جو حضرت معاویہ نے اختیار کیا تھا اگر وہ اپنے مطالبے میں مخلص ہوتے تو انہیں چاہیئے تھا کہ وہ مدینہ جا کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور پھر ان کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کرتے۔ امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اس طرح سب کے باہمی مشورے سے اس معاملے کا بڑی خوش اسلوبی سے فیصلہ ہو جاتا مگر انہوں نے بجائے اس کے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیض اور حضرت نائلہ (زوجۂ عثمانؓ) کی کٹی ہوئی

انگلیاں دمشق کی جامع مسجد میں نمائش کے لیئے رکھوا دیں تاکہ اس واقعہ کی خوب تشہیر ہو جائے ظاہر ہے کہ پروپیگنڈہ کا یہ طریق خالص دنیا دار لوگوں کو تو زیب دیتا ہے اور اسے حکمت عملی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر اسے رسول اللہ کی صحبت یافتہ افراد کے شایان شان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ مسجد میں آتے اور یہ چیزیں دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روتے اس طرح اطراف و جوانب میں حضرت علیؓ کے خلاف ایک آگ سی لگ گئی اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ شہادت عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ ہے یا کم از کم قاتلانِ عثمانؓ کو حضرت علیؓ کی پشت پناہی حاصل ہے حضرت علیؓ نے بار بار خونِ عثمانؓ سے بریت کا اظہار کیا اور حلفاً بیان کیا کہ میرے ہاتھ خون عثمانؓ سے پاک ہیں جہاں تک قصاص کا تعلق ہے موقع کا کوئی گواہ موجود نہ تھا حضرت نائلہؓ سوائے محمد بن ابوبکرؓ کے اور کسی کو نہ پہچان سکی تھیں۔ جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ محمد بن ابوبکرؓ بھی اس فتنے میں شامل تھے تو انہوں نے فوراً انہیں طلب کیا اور سختی سے باز پرس کی مگر انہوں نے بتایا کہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں ضرور داخل ہوا تھا مگر جب میں نے ان کی داڑھی پکڑی تو انہوں نے فرمایا کہ "اے میرے بھتیجے اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ اس فعل کو کبھی پسند نہ کرتا" ان کے اس جملے سے میں سخت نادم ہوا اور باہر چلا آیا میرے آنے کے بعد انہیں شہید کیا گیا حضرت علیؓ

نے حضرت نائلہؓ سے اس واقعہ کی تائید یا تردید چاہی۔ انہوں نے محمد بن ابوبکرؓ کے بیان کی پوری تصدیق کی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جب قاتلوں کی نشاندہی کرنے والا کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اور حکومت کا سارا نظام بگڑا ہوا تھا تو قصاص کس سے اور کیوں کر لیا جا سکتا تھا۔ مگر حضرت معاویہؓ کو ان باتوں سے کوئی غرض نہ تھی انہیں تو اپنے مطلب سے کام تھا اور مطلب صرف یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکاتے رہو تاکہ ان کی دشواریوں میں اضافہ ہو۔

حضرت عائشہؓ کی غلط فہمی

ابھی حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سے نمٹنے کی فکر کر رہے تھے کہ مدینے سے بھاگے ہوئے لوگوں نے جن میں بنو امیہ کی بھی ایک بڑی تعداد تھی اور مروان ان کا سرخیل تھا حضرت عائشہؓ کو بھڑکایا اور ان کے سامنے معاملے کو اس رنگ میں پیش کیا کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہو گئیں اور انتقام کا نعرہ لگا کر بصرے روانہ ہو گئیں۔ بصرے پہنچ کر ان کے لشکر نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ جب حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ مدینے سے ایک لشکرِ جرار لے کر روانہ ہوئے۔ آپ کا لشکر شہر سے باہر خیمہ زن ہوا اور پیشتر اس کے کہ تلواریں بے نیام ہو کر مسلمانوں کا خون بہائیں حضرت علیؓ نے قاصد بھیج کر حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی درخواست کی۔ یہ ملاقات بڑی مبارک ثابت ہوئی اور حضرت علیؓ سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت عائشہؓ پر

واضح ہوگیا کہ ان کے سامنے معاملات کو غلط صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ نہ حضرت علیؓ کا شہادت عثمانؓ سے کوئی تعلق ہے نہ قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام لینے میں انہوں نے دانستہ اغماض برتا ہے اور انہیں انصار و مہاجرین نیز صحابہ کی اکثریت نے بہ اتفاق خلیفہ منتخب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے حضرت علیؓ سے صلح کرلی اور فیصلہ ہوگیا کہ اگلی صبح کو نمازِ فجر کے بعد صلح کا اعلان کردیا جائے گا۔ اس مصالحت سے جہاں عام مسلمانوں کے دل جذباتِ مسرت سے لبریز ہو رہے تھے وہاں لشکرِ علوی کے بعض مفسد اور بنوامیہ کے شرپسند عناصر سخت برافروختہ تھے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں جب لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے حضرت عائشہؓ کے لشکریوں میں سے بنوامیہ نے حضرت علیؓ کے لشکر پر اور حضرت علیؓ کے لشکر میں سے مفسدین نے حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کردیا اور اس طرح جنگ شروع ہوگئی ہر چند کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں نے اپنی فوجوں کو روکا مگر ایک تو رات کی تاریکی دوسرے تلواریں بے نیام ہو چکیں تھیں اور لوگ ایک دوسرے سے گتھ چکے تھے آخر کار ایک شدید اور خوں ریز جنگ کے بعد حضرت عائشہؓ کے لشکر کو شکست ہوئی اور حضرت علیؓ نے ام المومنین کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ بصرے کے ایک رئیس کے گھر بھیج دیا جہاں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ مدینہ چلی گئیں۔

واقعہ تحکیم

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ سے برسرپیکار ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت معاویہؓ سیاست و تدبر میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے مگر وہ میدان شجاعت کے مرد نہیں تھے کم از کم حضرت علیؓ کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتے تھے۔ جنگ صفین نے تو یہی ثابت کر دیا۔ حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھی اس شجاعت سے ڈٹ کر لڑے کہ امیر معاویہؓ کی فوج کے پیر اکھڑ گئے۔ خود امیر بھی میدان جنگ سے فرار ہونے والے تھے کہ عرب کے مشہور مدبر حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی مشکل آسان کر دی اور انہیں مشورہ دیا کہ آپ اپنی فوج کو حکم دیجئے کہ وہ نیزوں پر قرآن اٹھالے اور علیؓ کی فوج کو مخاطب کر کے اعلان کرے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کا کلام حکم ہے آؤ اس کا فیصلہ تسلیم کر لیں۔

عمروؓ بن العاص اور معاویہؓ کی یہ چال کامیاب ثابت ہوئی، باوجودیکہ حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو لاکھ سمجھایا کہ یہ ایک فریب ہے اب تم غالب آ رہے ہو اور دشمن کو اپنی شکست کے آثار نظر آ رہے ہیں اس لئے وہ اس ذلت سے بچنے کے لئے کلام اللہ کا واسطہ دے رہا ہے مگر آپ کی فوج کے ایک حصے کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور اس نے کہا کہ امیر المومنین یہ بات سخت قابلِ اعتراض ہے کہ ہمیں کلام الٰہی کا واسطہ دیا جائے اور ہم نہ

مانیں اس میں ہرج بھی کیا ہے اگر وہ کوئی ایسی بات کہیں گے جو ہمارے مقاصد کے خلاف ہوئی تو ہم نہیں مانیں گے لیکن اس وقت تو ہمیں ان کی بات مان لینی چاہیئے۔ دوسرا گروہ حضرت علیؓ کا ہم خیال تھا اور اس نازک مرحلے میں جنگ بند کرنے کو سم قاتل سمجھتا تھا حضرت علیؓ نے سوچا کہ اگر پہلے گروہ کی منشا کے خلاف جنگ کی گئی تو حملے میں استقامت پیدا نہ ہو سکے گی۔ دوسرے اس کا بھی امکان ہے کہ خود میری فوج ہی میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ معاویہؓ اس صورت حال سے فائدہ اٹھائیں گے اور جیتی ہوئی بازی شکست میں تبدیل ہو جائے گی اس لئے انہوں نے نہایت دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے صلح کی پیش کش قبول کر لی۔

طے یہ پایا کہ ایک ثالث حضرت معاویہؓ کی طرف سے اور ایک حضرت علیؓ کی طرف سے مقرر کیا جائے۔ یہ دونوں ثالث قرآن کے مطابق فیصلہ کر دیں۔ حضرت علیؓ کی طرف سے مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے عمروؓ بن العاص حکم مقرر ہوئے ان دونوں نے تبادلہ خیال اور غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ علیؓ اور معاویہؓ کی وجہ سے امت کا خون بہ رہا ہے اس لئے دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمان کسی تیسرے شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ چنانچہ ایک مقررہ تاریخ کو یہ اعلان کر دیا گیا مگر چونکہ یہ اعلان اس اعتبار سے غلط تھا کہ اعلان کرنیوالوں نے اپنے

دائرہ کار سے باہر ہو کر کام کیا تھا۔ انہیں کسی کے عزل یا نصب کا اختیار نہیں دیا گیا تھا اور نہ یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ علیؓ خلافت کے مستحق ہیں یا معاویہؓ یا کوئی تیسرا؟ بلکہ مسئلہ تو یہ تھا کہ قاتلینِ عثمانؓ کا قصاص نہ لینے میں حضرت علیؓ کی طرف سے تاخیر کیوں ہوئی اور حضرت معاویہؓ و حضرت علیؓ کے مابین ہونے والی جنگ کو ختم کر کے دونوں میں مصالحت کن بنیادوں پر کرائی جائے۔ چونکہ یہ فیصلہ کلام اللہ کے مطابق نہ تھا اس لئے حضرت علیؓ نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور از سر نو جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اس دوران میں ملک کا انتظام بھی خراب ہو گیا تھا اس لئے آپؓ نے نظام حکومت کی اصلاح کی۔ سرحدوں کو محفوظ کیا۔ گورنروں کو ہدایات دیں۔ خارجیوں کی گوشمالی کی اور جنگ نہروان میں عبرت ناک شکست دے کر انہیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ آپ جس برق رفتاری اور تدبر و فراست سے حالات کو روبہ اصلاح کر رہے تھے اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ اگر تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی تو نہ صرف یہ کہ امیر معاویہؓ کو شکست دے کر شام پر قبضہ کر لیتے بلکہ آپ کا عہد تاریخِ اسلام کا مثالی عہد قرار پاتا مگر افسوس کہ ایک شقی القلب کے ہاتھوں جس کا نام عبدالرحمٰن بن ملجم تھا آپؓ شہید کر دیئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

امام حسنؓ کی دست برداری

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ حضرت معاویہؓ کے کردار کے امتحان کا یہ ایک اور موقع تھا مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس موقع پر بھی انہوں نے کوئی اچھا نمونہ نہیں دکھایا اور مخالفانہ سرگرمیاں بدستور جاری رکھیں نہ صرف یہ بلکہ خاص طور پر اعلان جنگ کر دیا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ حضرت امام حسنؓ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ صورتِ حال حضرت امام حسنؓ کے لئے بڑی پریشان کن تھی ایک طرف امارت و خلافت کا جاہ و جلال تھا اور دوسری طرف ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی جانوں کے اتلاف کا اندیشہ۔ حضرت امام حسنؓ نے ٹھنڈے دماغ سے اس مسئلے کے ہر پہلو پر غور کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لیکر اس وقت تک جنگ و جدل اور باہمی خونریزی کا ایک سیلاب ہے جو تھمنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ہزاروں مسلمان تلواروں کے گھاٹ اتر چکے ہیں نفاق اور بغض و حسد کی آہنی دیواریں حائل ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ان حالات میں مناسب یہی ہے کہ جنگ سے احتراز کیا جائے کیونکہ جنگ مقصد نہیں، اس سے تو اسلام کے مقاصد کا خون ہو رہا ہے یہ بھی واضح تھا کہ جن اہم مقاصد کے لئے مجبوراً جنگ شروع کی گئی تھی وہ

وقت گزرنے کے ساتھ بڑی حد تک نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے اور مختلف گروہ ایک دوسرے سے ذاتی انتقام لینے کے لئے سرگرم عمل تھے یہ سوچ کر حضرت امام حسنؓ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور حضرت امیر معاویہؓ بلا شرکت غیرے دنیائے اسلام کے حکمران بن گئے یکہ ان کی اس حکمرانی کے متعلق اکابر امت کی رائے کیا تھی۔ ذیل کے بیان سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ :-

"جس نے بھی معاویہؓ سے بیعت کی انہوں نے اس پر اس سے قسمیں لیں۔ سب سے پہلے جس نے قسم کھائی اور ان کے پاس آیا وہ سعد بن مالک تھے انہوں نے کہا۔" اَلسَّلام علیکم یا ایھا الملک" (اے بادشاہ تم پر سلام ہو) معاویہؓ غضب ناک ہوئے اور کہا تم نے" السلام علیک یا امیر المومنین" کیوں نہیں کہا؛ سعد نے جواب دیا کہ یہ تو جب ہوتا کہ ہم لوگوں نے تم کو امیر بنایا ہوتا، تم تو محض جھپٹ پڑنے والے ہو۔"

خلافت سے دست برداری کے بعد حضرت امام حسنؓ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور باقی عمر وہیں بسر کر دی۔ انتقال کے وقت آپؓ نے وصیت کی کہ حضرت عائشہؓ سے اجازت لے کر مجھے حجرۂ رسولؐ میں دفن کرنا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ بنو امیہ ایسا نہیں کرنے دیں گے اگر یہ صورت پیدا

ہو جائے تو پھر مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ (مروج الذہب جلد سوم صفحہ ۳۸)
آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا یعنی مروان بنو امیہ کی ایک جماعت کے ساتھ
آپہونچا اور کہنے لگا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ عثمانؓ تو بقیع کے قبرستان میں دفن
ہوں اور حسنؓ جوارِ رسول میں جگہ پائیں۔ مجبوراً حضرت حسنؓ کو بھی قبرستانِ بقیع
میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

یزید کی ولی عہدی

جب حضرت معاویہؓ کی راہ کے سارے کانٹے دور ہو گئے اور وہ ایک
طویل مدت تک حکومت بھی کر چکے تو انہیں ایک نیا خیال پیدا ہوا اور
وہ یہ کہ خلافت کی لذتوں سے میں نے تو اپنے کام و دہن کو شاد کام کر لیا
اب کسی طرح اسے اپنی اولاد کے لئے بھی محفوظ کر جاؤں۔ چنانچہ انہوں
نے اپنے معتمد ترین رفیق حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں
نے اس جدتِ خیال پر سبحان اللہ و مرحبا کے پھول نچھاور کئے اور
معاویہؓ سے وعدہ کیا کہ ان کی اس خواہش کو جامۂ عمل پہنانے کی ہر ممکن
کوشش کریں گے۔ چنانچہ مغیرہ نے کوفہ جا کر جہاں کے وہ گورنر تھے
رؤسا و عمائدین میں یزید کی ولی عہدی کی تحریک کی اور اپنے اثر و رسوخ
سے کام لے کر بہت سے لوگوں کو بیعتِ یزید پر آمادہ کر لیا۔ جہاں اثر و
رسوخ سے کام نہ چلا وہاں انہوں نے روپے سے کام لیا اور بڑی بڑی

رقمیں دے کر سردارانِ قبائل کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اسی طرح بصرہ کے گورنر نے جس کا اہل بصرہ پر بڑا اثر تھا اور اس کے مظالم کی وجہ سے لوگ اس سے خوف کھاتے تھے، رؤسائے بصرہ کو یزید کی ولی عہدی پر مجبور کیا جن لوگوں نے اختلاف کیا ان پر تشدد کیا گیا۔ اس طرح کوفہ اور بصرہ میں یزید کی بیعت ہو گئی۔ حجاز کا معاملہ ذرا نازک تھا کیونکہ کوفہ اور بصرے کے مقابلے میں یہاں کے لوگ زیادہ دیندار تھے اور اس سرزمین پر ابھی ایسے لوگ بقید حیات تھے جنہوں نے رسول اللہ کی آنکھیں دیکھی تھیں، یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ جیسے بزرگ موجود تھے۔ جن میں سے ہر شخص اپنے خاندانی عز و شرف اپنے زہد و تقویٰ اور اپنی حق گوئی و بے باکی کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھا۔ اس لئے حضرت معاویہؓ کو سب سے زیادہ فکر حجاز کی طرف سے تھی۔ پہلے تو انہوں نے حجاز کے گورنر مروان کو لکھا کہ تم بیعت یزید کی کوشش کرو چنانچہ اس نے ان بزرگوں کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور کہا کہ امیر معاویہؓ چاہتے ہیں کہ جس طرح حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ اپنے جانشینوں کا فیصلہ کر گئے تھے اسی طرح وہ بھی اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کر جائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ ایسا نہ کہو یہ ابو بکرؓ و عمرؓ کا طریقہ نہیں ہے یہ تو

قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی نے بھی اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نہیں بنایا نہ صرف یہ بلکہ اپنے خاندان کے کسی فرد کو بھی ولی عہد مقرر نہیں کیا۔ (تاریخ الخلفاء، امام سیوطیؒ صفحہ ۱۹۵)

جب حضرت معاویہؓ نے دیکھا کہ حجاز کے لوگ ان کے گورنر کے قابو میں نہیں آتے ہیں تو وہ خود شامیوں کا ایک لشکر جرار لے کر حجاز کو روانہ ہوئے مدینہ پہونچ کر انہوں نے ابن زبیرؓ۔ ابن عمرؓ۔ اور حضرت امام حسینؓ کو بلایا۔ ان حضرات نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر ان کے پاس بھیج دیا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ سب معاویہؓ کے پاس گئے مگر سب کی طرف سے گفتگو ابن زبیرؓ نے کی۔ حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ میں جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی:۔

معاویہؓ نے کہا کہ "میں آپ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہوں، صلہ رحمی کرتا ہوں، اور آپ لوگوں کی ساری باتیں برداشت کرتا ہوں آپ کو بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہیئے۔ یزید آپ کا بھتیجا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ اسے نام کا خلیفہ بنا دیں۔ جہاں تک گورنروں کے تقرر یا معزول کرنے اور خراج وغیرہ کی وصولی کا تعلق ہے وہ سب آپ کی مرضی سے انجام پائے"۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ "آپ رسول اللہ یا حضرات

ابوبکرؓ و عمرؓ میں سے کسی ایک کی سنت کی پیروی کیجئے ان میں سے جس کا طریقہ آپ اختیار کریں گے ہم بھی اس سے اتفاق کریں گے، اول یا تو اس طرح کیجئے جس طرح رسول اللہؐ نے کیا تھا کہ اپنی وفات تک کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا کہ "آپ نے سچ فرمایا لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ آج ہم لوگوں میں ابوبکرؓ کی طرح کون ہے جسے سب لوگ بہ اتفاق خلیفہ مان لیں۔"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا " اچھا پھر آپ حضرت ابوبکرؓ کی سنت کی پیروی کیجئے کہ انہوں نے خلیفہ تو مقرر کیا لیکن ایسے شخص کو جو ان کا رشتہ دار بھی نہ تھا یا پھر حضرت عمرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انہوں نے چھ افراد کی ایک کمیٹی بنا کر امر خلافت کو ان کے لیے مختص کر دیا۔ ان میں سے کوئی شخص حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے نہ تھا۔"

حضرت معاویہؓ نے لاجواب ہو کر پوچھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا کہ اس کے علاوہ کوئی صورت ممکن نہیں۔ (الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۲۴۲)

باوجود اس کے کہ حجاز کے اکابر نے کھلم کھلا بیعتِ یزید کی مخالفت کی اور اپنے اختلاف کے حق میں مسکت دلائل دیئے لیکن حضرت معاویہؓ اپنی

ضد سے باز نہ آئے انہوں نے حجاز کے ان اکابر کا مشورہ قبول نہ کیا اور جو سوچا تھا وہ کر کے چھوڑا۔ زمانۂ حال کا ایک نامور عربی مؤرخ عمر ابو النصر حضرت معاویہؓ کے کردار اور بیعت یزید کے واقعہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"اس کتاب میں امیر معاویہؓ کے موقف اور آپ کے اعمال و افعال پر تنقید کرنا مقصود نہیں لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی جو بلا شک و شبہ امام وقت اور خلیفۃ المسلمین تھے مخالفت کر کے اور ایک قائم شدہ حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر کے اسلام کے اصولوں پر کاری ضرب لگائی۔ انہوں نے اپنی سیاست کو کامیاب بنانے اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مسلمانوں کے خزانے کو جس بے دردی سے خرچ کیا کوئی شخص بھی اس کی تعریف نہیں کریگا خلافت اور شوریٰ کے بجائے ملوکیت کی بنیاد ڈال کر انہوں نے اسلام کو شدید ضعف پہونچایا۔ اسلام ملوکیت کو کسی طرح بھی جائز نہیں ٹھیراتا۔ رسول اللہ کا اپنا عمل اس بات کو ثابت کر رہا ہے۔ آپؐ نے خلافت کے لئے بہ طور خود کسی شخص کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ یہ امر مسلمانوں پر چھوڑ دیا کہ وہ ایسے شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرلیں جو سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار ہو

اور حکومت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھانے اور حق و انصاف کو پورے طور پر قائم کرنے کا اہل ہو۔

اپنی زندگی میں یزید کی بیعت لینے کا واقعہ اور وہ بھی اس حالت میں کہ انہیں یزید کی اوباشانہ زندگی کا اچھی طرح علم تھا۔ ان عظیم مصائب میں سے ہے جو امیر معاویہؓ کے ہاتھوں اسلام کو برداشت کرنا پڑے۔

اصل بادشاہت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس انعام سے سرفراز کرتا ہے کسی بندے کی طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر وہ یا اس کا بیٹا بادشاہت پر قائم رہ سکے۔ اس بادشاہت کا حشر جو امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کو دی سب کے سامنے ہے۔ امیر معاویہؓ یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں سلطنت کو اس قدر مضبوط کر دیا ہے کہ ان کے بعد کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہوگی کہ وہ ان کے بیٹے یزید کے اقتدار کو چیلنج کر سکے۔ لیکن خدا تعالیٰ آسمان پر کچھ اور ہی تدبیر کر رہا تھا۔ امیر معاویہؓ کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان کی چھوڑی ہوئی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت نے علویین کے دلوں میں ایسی آگ لگا دی تھی جو

کسی وقت بھی بجھ نہ سکی۔ آخر ایک صدی سے بھی کم عرصے میں نہایت دردناک طور پر بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔"

(الحسین ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی ص۵۱ تا ص۵۲)

یزید بن معاویہؒ

یزید بن معاویہ رض

تاریخ اسلام میں جس قدر متضاد بیانات یزید بن معاویہ رض کے متعلق ملتے ہیں
اتنے شاید ہی کسی کی نسبت ملتے ہوں حقیقت یہ ہے کہ موافق و مخالف
بیانات کے گرد و غبار نے اس شخص کی تصویر کے خد و خال کو بالکل بگاڑ دیا
تاریخ کی دوسری شخصیتوں کی طرح یزید کے ساتھ بھی اس کے مداحوں اور
مخالفوں نے طرح طرح کی زیادتیاں کیں۔ چونکہ اس کے عہد نامسعود میں
سیدنا حضرت امام حسین رض کی شہادت کا المیہ جانکاہ پیش آیا اور اس کا ذمہ دار
بھی وہی ثابت ہوتا تھا اس لئے جوں جوں اس حادثے کی تشہیر کی گئی
اسی قدر لوگ اس کے دشمن ہوتے گئے اور یزید دشمنی میں ایسی ایسی
افسانہ طرازیاں کی گئیں کہ پڑھنے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

بے سر و پا روائتیں

سب سے پہلے اس کے حسب نسب کو مورد طعن قرار دیا گیا جو اہلِ شرق کا خاصہ ہے اور کسی کو بدنام کرنے کا سب سے زیادہ آسان نسخہ ہے مشہور کیا گیا کہ اس کی ماں کا شادی سے قبل اپنے باپ کے ایک غلام سے ناجائز تعلق تھا اور جب وہ بیاہ کر معاویہؓ کے حرم میں آئی تو حاملہ تھی اور یزید اسی حمل کے نتیجے میں پیدا ہوا یعنی وہ معاویہؓ کے نطفے سے نہیں بلکہ اپنی ماں کے آشنا کے نطفے سے تھا۔ اس پر دوسرا الزام یہ لگایا گیا کہ اس نے ایک عورت کو گراں قدر انعام واکرام اور اپنی بیوی بنانے کا لالچ دے کر حضرت امام حسنؓ کو زہر دلوایا۔ لیکن دوسری طرف بعض روائتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کو حضرت معاویہؓ نے زہر دلوایا تھا۔ اگر یزید نے زہر دلوایا تو معاویہؓ پر الزام غلط ہے اور اگر معاویہؓ نے دلوایا تو یزید پر الزام غلط ہے۔ اس تضاد بیانی سے اس روایت کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ پھر یہی نہیں اس کی شکل وصورت کو بھی انتہائی مضحکہ خیز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کا رنگ سیاہ فام۔ چہرہ چیچک زدہ اور ناک ہاتھی کی سونڈ کی طرح بیان کی گئی۔ اس کے کیرکٹر کو جس قدر قبیح بنایا جا سکتا تھا بنایا گیا۔ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ اس نے اپنی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں تک سے زنا کیا۔ ایک روایت یہ وضع کی گئی کہ اس نے ام المومنین حضرت

عایشہ صدیقہؓ کی خدمت میں اپنے نکاح کا پیغام بھیجا؎۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کیا کوئی صحیح العقل شخص کبھی تسلیم کرسکتا ہے کہ ایک پچیس تیس سال کا نوجوان ایک ساٹھ سال کی بوڑھی عورت سے شادی کا خواہشمند ہوگا جب کہ وہ ایک بہت بڑے حکمران کا بیٹا ہے اور اس کے لئے حسین سے حسین دوشیزائیں مہیا ہوسکتی ہیں جنہیں وہ اپنے حرم میں لاکر اپنی شہوانی خواہشات پوری کرسکتا ہے۔

راویوں کا مدعا

ظاہر ہے کہ جو شخص والدالزنا ہو۔ شکل وصورت کے لحاظ سے کریہہ المنظر ہو نواسۂ رسولؐ کو بلا کسی وجہ کے زہر دلواچکا ہو۔ اپنی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں تک سے زنا کرتا ہو۔ اپنے پیغمبر کی بیوی سے نکاح کرنے کی کوشش کرے (جس سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے) تو کون سا شریف، غیرت دار اور مومن شخص ہوگا جو اس سے نفرت کرنے کو جزو ایمان نہ سمجھے گا —— یہ تھا ان روایتوں کو مشہور کرنے کا سارا مقصد و مدعا لیکن ان بھلے لوگوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کردیا کہ ایک شخص کی حقیقی برائیاں بجائے خود اس قابل ہوتی ہیں کہ اس سے نفرت کی جائے اور اس کے قبیح اعمال خود ہی لوگوں کو اس سے متنفر کردیتے ہیں اگر اس کی حقیقی برائیوں کے علاوہ کچھ اور برائیاں بھی جو اس میں موجود نہ ہوں اس سے وابستہ کردی جائیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی حقیقی برائیاں بھی لوگوں کی نظروں میں مشکوک ہوجاتی ہیں اور

؎ یہ یزید کے خلاف الحاقی روایتوں میں سے چند ہیں۔

وہ سوچنے لگتے ہیں کہ جس طرح اضافہ شدہ عیوب سے اس کی ذات بے تعلق ہے اسی طرح کہیں ایسا تو نہیں کہ پہلی برائیاں (جو واقعی اس کی ذات میں تھیں) بھی محض بہتان تراشی کا نتیجہ ہوں، لیکن جذبات، عقل و فکر کو دخل دینے کی اجازت ہی کب دیتے ہیں اور جس کی ذات میں کچھ عیب ہوں یا جس سے بعض سنگین جرائم کا ارتکاب ہو چکا ہو، اس کے متعلق ہر جرم کا ارتکاب ممکن سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ جس شخص نے زنا کیا اس نے چوری بھی یقیناً کی ہو گی اور جس نے چوری کی اس نے قتل بھی ضرور کیا ہو گا، لیکن بدقسمتی سے ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔

مدحِ یزید

یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جو یزید کی دشمنی میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر گئے دوسری طرف وہ لوگ بھی جنہیں یزید سے عقیدت تھی اوّل الذکر گروہ سے پیچھے نہیں رہے بلکہ منزلوں آگے نکل گئے۔ انہوں نے یزید کو ہر قسم کی برائی سے پاک حتیٰ کہ واجب الاحترام بزرگ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ استغفر اللہ۔ اس کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور کریم النفسی کے وہ افسانے تیار کئے گئے کہ ایک مردود و پلید "رحمت اللہ علیہ" بن گیا۔ اس کی غاصبانہ اور ظالمانہ حکومت کو خلافت راشدہ سے ملا دیا گیا اور اس کی قبیح حرکات کو افعالِ حسنہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ اول الذکر گروہ نے اس کے

دامن پر نت نئے داغ لگانے اور موخر الذکر گروہ نے ضد میں آکر اس کے حقیقی و غیر حقیقی داغوں کو دھونے کا فرض اس طرح ادا کیا کہ اس کی شکل ہی بدل گئی اور اب اس کا پہچاننا نہایت مشکل ہے۔

ابتدائی حالات

بہرحال جہاں تک تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے صحیح واقعات یہ ہیں کہ یزید ۲۵ھ میں بہ عہد حضرت عثمانؓ دمشق میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کا نام میسون تھا جو قبیلہ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف کی بیٹی اور نہایت حسین و جمیل اور ہوشیار خاتون تھی۔ یزید نے اپنے ننھیال میں پرورش پائی تھی اور اس کے ننھیال کا قبیلہ شام و حجاز کی سرحد پر ایک صحرا میں آباد تھا صحرائی آب و ہوا کا اثر تھا کہ اس کے طور طریقوں میں وہ شائستگی اور ملائمت نہ تھی جو شہر کے متمدن و مہذب لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن اس آب و ہوا اور ماحول نے اس میں بعض خوبیاں بھی پیدا کر دی تھیں جن میں سے فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وہ اعلےٰ درجے کا شاعر تھا اور اس کے بعض خطبے اس کی طلاقتِ لسانی کے شاہد ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مجبوراً ایک دو جنگوں میں بھی حصہ لیا تھا۔ وہ فیاض بھی تھا اور باپ کے اس ورثے سے اس نے کافی حصہ پایا تھا۔

رقص و سرود سے شغف

شعر گوئی کے ساتھ ساتھ اسے رقص و سرود سے شغف تھا اور مے نوشی جو اکثر اوقات رقص و سرود کا لازمہ ثابت ہوتی ہے اس کا محبوب شغل تھی۔ اس کی رقص و سرود سے رغبت، کو" انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" کا مقالہ نگار بھی نہ چھپا سکا۔ جس نے اس کی تعریف میں یہ باب سپرد قلم کیا ہے اور اسے نہایت نیک شریف النفس، قابل اور مدبر حکمران ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ" وہ (یزید) شاعر بھی تھا اور موسیقی کا دلدادہ نیز آرٹ کا قدر دان۔"

مے نوشی و شہوت رانی

اس کی شراب نوشی کے متعلق مایہ ناز مورخ علامہ بلاذری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا بیان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ابن زبیرؓ نے یزید پر تنقید و تنقیص کی اور بیان کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ شام کو شراب پیتا ہے اس حالت میں کہ صبح ہو جاتی ہے اور صبح کو شراب پیتا ہے اس حالت میں کہ شام ہو جاتی ہے۔" (انساب الاشراف جلد چہارم ص۲۱)

وہ سیر و شکار کا بھی دلدادہ تھا اور شکاری کتوں کی کثیر تعداد اس کے پاس بھی مشہور ہے کہ اکثر اوقات نماز بھی قضا کر دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس پر شہوانی خیالات کا بھی غلبہ رہتا تھا۔ ایک مشہور مورخ ابن کثیر لکھتا ہے۔

"اس کی طبیعت شہوت کی طرف مائل رہتی تھی اور کبھی کبھی نمازیں بھی ترک کر دیتا تھا" (البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص ۲۳۰)

افتادِ طبع

مزاج میں سخت گیری کا مادہ بہت زیادہ تھا اور کمزوروں پر ظلم کرنا اس کی فطرت کا خاصہ تھا۔ اپنے غریب ملازموں کو بھی زدوکوب کرنے سے باز نہ آتا تھا۔ چنانچہ ایک روز اپنے کسی ملازم یا غلام کو مار رہا تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ آ گئے انہوں نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر سرزنش کی اور کہا کہ:۔

"خدا تیرا بُرا کرے تو اُس پر ظلم کرتا ہے جو تجھ سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص ۲۲۸)

اخلاق کا یہ حال تھا کہ اور تو اور اپنے استاد کے ساتھ بھی بدزبانی اور سخت کلامی کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کرتا تھا۔ یزید کے سرگرم مداح جناب محمود احمد عباسی اپنی کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" میں بلاذری کے حوالے سے ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک روز "اُن (یزید) کے اتالیق نے کسی خطا پر سرزنش کی، استاد شاگرد میں یہ گفتگو ہوئی۔

فقال له مودبه: اخطاک یا غلام — (یزید کے) اتالیق نے کہا۔ اے لڑکے تو نے خطا کی۔

فقال یزید:۔ ان الجواد یعثر	یزید نے کہا، اصیل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے۔
فقال المودب:۔ اے واللہ یضرب فیستقیم	اتالیق نے کہا: ہاں واللہ کوڑا کھاتا ہے تو سیدھا ہو جاتا ہے
فقال یزید:۔ اے واللہ فیضرب انف سائسہ	یزید نے کہا: ہاں واللہ تو پھر اپنے سائیس کی ناک پھوڑ ڈالتا ہے۔
(خلافت معاویہ ویزید ص۲۸۶)	

یہ ہے اس شخص کا اخلاق کہ اپنے استاد کی ناک اور منہ توڑنے پر آمادہ تھا ـــــــ اس کی ناک توڑنے پر، جو بمنزلہ باپ کے تھا۔ دراصل یزید کے بچپن کا یہ واقعہ اس کی سیرت کا آئینہ ہے اور اس واقعے سے اس کی فطری کج روی اور سرکشی وخودسری کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے ایسا شخص مسندِ خلافت پر متمکن ہونا تو درکنار۔ اس قابل بھی نہیں کہ اسے کوئی معمولی عہدہ دیا جائے مگر حضرت امیر معاویہؓ نے صرف محبتِ پدری سے مجبور ہو کر اور سلطنت وامارت کو اپنے خاندان میں محفوظ رکھنے کے خیال سے اسے اپنا جانشین بنایا اور بڑے زور شور سے بنایا۔ اپنے انتقال سے پہلے اسے بلا کر بہت سی نصیحتیں کیں۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت معاویہؓ کی وفات کے وقت یزید دمشق سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے اس کے نام

ایک وصیت نامہ لکھوایا جو درج ذیل ہے۔

معاویہؓ کی وصیت

"اے میرے فرزند! میں نے تیرے راستے کی ساری مشکلیں آسان کر دی ہیں اور بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں تیرے سامنے جھکا دی ہیں اور میں نے تیرے لئے وہ چیزیں جمع کر دیں جو کسی نے نہ کی ہوں گی۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان اشخاص کے سوا اور کسی سے تیرے ساتھ نزاع ممکن نہیں ہے۔ حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ۔ ان میں سے عبداللہ بن عمرؓ عبادت گزار آدمی ہیں اور انہیں دنیا سے کوئی غرض نہیں۔ جب وہ دیکھیں گے سب نے تیری بیعت کر لی ہے تو وہ بھی کر لیں گے البتہ اہلِ عراق حسینؓ کو تیرے خلاف خروج پر آمادہ کئے بغیر نہ رہیں گے۔ اگر وہ تیرے خلاف نکلیں تو قابو پا لینے کے بعد ان کے ساتھ درگذر سے کام لینا کیونکہ وہ رسول اللہ کے قرابت دار ہیں اور ان کا ہم پر بڑا حق ہے۔ اگر ان جیسا کوئی شخص میرے خلاف کچھ کرتا تو میں بھی اسے معاف کر دیتا۔ ہاں جو شخص لومڑی کی طرح تیری گھات میں رہے گا اور شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ ابن زبیرؓ ہے اگر وہ تیرے مقابلے میں آئے اور تو اس پر قابو پا جائے

تو اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔"

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ تاریخ طبری حصہ اوّل جلد دوم)

یزید کی تخت نشینی

اس وصیت کے چند روز بعد حضرت معاویہؓ انتقال فرما گئے اور رجب ۶۰ھ میں یزید اپنے باپ کی جگہ مسند نشین حکومت ہوا۔ حکمراں ہوتے ہی اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو ایک خط کے ذریعہ اپنے والد گرامی کے انتقال اور اپنی مسند نشینی کی اطلاع دی اور ہدایت کی کہ جتنی جلد ہو سکے ابن عمرؓ۔ ابن زبیرؓ۔ اور حسینؓ بن علیؓ سے بیعت لے لو۔ ولید بن عتبہ فطرتاً صلح جو آدمی تھا اور کشت و خوں ریزی کو پسند نہ کرتا تھا۔ دوسرے اس کے دل میں اہل بیت رسولؐ کا احترام بھی تھا اس لئے وہ یزید کا یہ حکم نامہ پڑھ کر عجب کشمکش و پیچ میں پڑ گیا۔ اس نے مروان بن الحکم کو مشورے کے لئے بلایا اور یزید کا فرمان سنا کر پوچھا کہ تمہاری رائے میں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ مروان نہایت مفسد، بدباطن اور بڑا سخت گیر آدمی تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ ابن زبیرؓ اور حسینؓ دونوں کو بلا کر بیعت کا مطالبہ کرو اور ان میں سے جو بھی انکار یا کوئی عذر کرے اس کی فی الفور گردن اڑا دو۔ کیونکہ اگر انہیں امیر معاویہؓ کی موت کا علم ہو گیا تو دونوں اپنے اپنے حلقوں میں مدعیٔ خلافت بن جائیں گے اگر ایسی صورت پیدا ہوئی تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ

ولید کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جس طرح بھی ہو دونوں حضرات کو بلاکر بیعت کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ اس کا فرستادہ حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے پاس پہنچا۔ اس وقت دونوں حضرات مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے چونکہ یہ رات کا وقت تھا۔ دوسرے حضرت معاویہؓ کی علالت کی اطلاعات مدینہ پہونچ چکی تھیں۔ اس لئے ان دونوں حضرات نے اپنی ذہانت سے اندازہ کر لیا کہ اس بے وقت کی طلبی کا مطلب یہی ہے کہ معاویہؓ فوت ہو گئے ہیں اور ہم سے بیعت کا مطالبہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام حسینؓ مسجد سے گھر آئے اور مسلح نوجوانوں کی ایک جماعت کو لے کر ولید کے مکان پر پہونچے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو دروازے پر متعین کر دیا اور ہدایت کر دی کہ اگر اندر سے تند و تلخ گفتگو کی آوازیں سنو تو فوراً مکان میں داخل ہو جانا ورنہ یہیں ٹھہرے رہنا۔

اندر پہونچ کر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا یعنی ولید نے حضرت امام حسینؓ کو معاویہؓ کے انتقال اور یزید کی تخت نشینی کی اطلاع دی اور مطالبہ کیا کہ آپ یزید کی بیعت کر لیجئے۔ حضرت امام حسینؓ نے حضرت معاویہؓ کے انتقال کی خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور اظہار افسوس فرمایا لیکن بیعت یزید کے بارے میں معذرت کی۔ اس مختصر گفتگو کے بعد آپ

تیزی سے اٹھ کر باہر آگئے۔ آپ کے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا کہ تم نے میرا مشورہ نہ مانا اور حسینؓ کو بغیر بیعت لئے چلا جانے دیا۔ اب یاد رکھو جب تک تم میں اور ان میں اچھی طرح خوں ریزی نہ ہو لے تم ان پر قابو نہ پاسکو گے۔

ولید نے جواب دیا کہ تم پر ہزار افسوس ہے کہ مجھے بنت رسولؐ کے فرزند کو قتل کرنے کا مشورہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم حشر کے روز وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں رہے گا جس سے خون حسینؓ کی باز پرس ہو گی۔

(اخبار الطول صا۲۲۸ و ابن اثیر جلد چہارم)

اگلے دن رات کو آپ اپنے اہل بیت کو لے کر مدینے سے نکل گئے عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی مدینہ میں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہ بھی مکہ چلے گئے۔

اگر یزید میں باپ کی سی عالی ظرفی اور وسیع القلبی ہوتی اور کچھ بھی زیرک ہوتا تو جس طرح حضرت معاویہؓ نے ابن ابوبکرؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور ابن علیؓ کو یزید کی بیعت سے اختلاف کرنے کے باوجود کچھ نہ کہا اور ان بزرگوں سے کوئی تعرض نہ کیا اسی طرح وہ بھی ان حضرات کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا۔ مگر اس نے سخت عاقبت اندیشی اور جلد بازی کا مظاہرہ کیا اور حکمراں ہوتے ہی عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ سے

بیعت کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ دنیا میں یزید سے کہیں زیادہ بدقماش اور بدکردار حکمران پیدا ہوئے مگر ان میں سے کوئی بھی اس قدر پھٹکار کا مورد نہیں بنا جتنا یزید کو بننا پڑا قتل حسینؓ کے واقعہ نے عامۃ المسلمین کی نگاہوں میں اسے ہمیشہ کے لئے مردود و مقہور بنا دیا۔ اپنی حکومت کے پہلے سال اس نے حضرت امام حسینؓ کو قتل کرایا۔ تیسرے سال مدینہ پر حملہ کرایا اور ارض پاک کی وہ بے حرمتی کی گئی کہ خدا کی پناہ - بڑے بڑے بزرگ صحابیوں اور زہادِ امت کو قتل کیا گیا۔ عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ اس کے سپہ سالار نے کعبہ پر بھی سنگ باری کی اور غلاف کعبہ جل کر خاک ہو گیا۔ تخت نشینی کے چوتھے سال یعنی ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو ۳۹ یا ۴۰ سال کی عمر پا کر تاریخِ اسلام کا یہ بدترین حکمراں فوت ہو گیا اور اپنے بعد امت کو ایک ایسے دلدل میں پھنسا گیا جس میں وہ اب تک مبتلا ہے اور شاید قیامت تک مبتلا رہے گی۔

اہلِ عراق کی دعوت

اہلِ عراق کی دعوت

ولید بن عتبہ سے رخصت ہو کر حضرت امام حسینؓ گھر آئے اور اپنے آئندہ اقدام کے بارے میں غور و خوض کرنے لگے۔ اس سلسلے میں آپؓ نے اپنے بھائی محمد بن الحنفیہؒ سے ملاقات کی اور وہ سارا ماجرا بیان کیا جو ولید بن عتبہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ حضرت محمد بن الحنفیہؒ اپنے زمانے کے جید عالم، بہت بڑے مدبّر اور بزرگ انسان تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ:-

"بھائی صاحب! ساری مخلوق میں آپ سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہیں اور آپ سے بہتر اور کوئی نہیں کہ میں جس کے حق میں کلمۂ خیر کہوں میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ فی الحال نہ تو یزید کی بیعت کیجیے اور نہ

اسکے کسی شہر کی طرف جائیے بلکہ اپنے داعیوں کو بھیج کر لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دیجیئے اگر آپ کی بیعت ہو جائے تو یہ خدا کا احسان ہوگا اور اگر لوگ کسی اور کی بیعت پر متفق ہو جائیں تو اس سے آپؓ کے دین عقل اور فضیلت کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا لیکن اگر آپ کسی ایسے شہر کی طرف گئے جہاں کوئی جماعت آپ کے حامیوں کی موجود ہو تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس طرح اختلاف کی صورت نہ پیدا ہو جائے کچھ لوگ آپ کے ساتھ ہو جائیں اور کچھ آپ کے خلاف۔ اس طرح بڑی کشت و خون ریزی ہوگی۔ برچھیوں کے رُخ سب سے پہلے آپؓ کی طرف ہوں گے اور آپ جیسی شخصیت جو خاندانی اور ذاتی عز و شرف کے اعتبار سے افضلِ خلائق ہے۔ خاک و خون میں نہائے گی اور اس کے اہل و عیال پر سخت تباہی آجائے گی۔"

حضرت امام حسینؓ نے اپنے دوراندیش اور مدبر بھائیؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے خیال میں پھر مجھے کہاں جانا چاہیئے حضرت محمد بن الحنفیہؓ نے جواب دیا کہ :۔

"آپ مکہ چلے جائیے اگر وہاں سکونِ خاطر حاصل ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہے اور اگر پریشانی کی کوئی صورت پیدا ہو تو صحراؤں اور

پہاڑوں کی طرف چلے جائیے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہوتے رہیئے۔ یہاں تک کہ حالات کا اونٹ کسی کروٹ بیٹھ جائے اس وقت آپ جو رائے قائم کریں گے وہ زیادہ صحیح ہوگی۔" (الکامل ابن اثیر جلد چہارم صہ ۸)

حضرت محمد بن الحنفیہؒ کی یہ رائے سن کر حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ "بھائی! تم نے کلمۂ خیر خواہی کہا اور تمہاری رائے درست ہے۔" (طبری جلد ہفتم صہ ۲۲)

اس کے بعد حضرت امام حسینؓ نے سامانِ سفر باندھا اور اپنے اہل بیت اور اعوان و انصار کے ساتھ شعبان ۶۰ھ میں مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ روانگی کے وقت آپ اس آیت مبارک کی تلاوت فرما رہے تھے

فخرج منہا خائفا یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین	(موسیٰ) امید و بیم کے عالم میں شہر سے نکلے۔ کہا اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات دیجئے۔

جس وقت آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اس آیت مبارک کی تلاوت فرما رہے تھے۔

فلما توجہ تلقاء مدین قال عسٰی ربی ان یھدینی سواء السبیل	جب (موسیٰ) مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا کہ امید ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے راہ راست پر لگا دے گا۔

حضرت امام حسینؑ ۳ شعبان ۶۰ھ کو مکہ پہونچے اور شعب ابی طالب میں اترے جہاں کسی زمانے میں قریش مکہ نے رسول اللہ اور بنو ہاشم کو محصور ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب اہل مکہ کو آپکے آنے کی اطلاع ملی تو وہ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ادھر کوفہ میں بھی یہ خبر پہونچ گئی کہ حضرت امام حسینؑ نے بیعت یزید سے انکار کر دیا ہے اور مدینہ سے مکہ چلے گئے ہیں۔ چنانچہ کوفہ کے بعض سر برآوردہ لوگ سلیمان بن صرد کے مکان میں جمع ہوئے اور باہمی مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ حضرت امام حسینؑ کو کوفہ تشریف لانے کی دعوت دی جائے اور جب وہ آجائیں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی فتح و نصرت کی کوشش کی جائے۔ اس مشورت کے بعد مندرجہ ذیل خط حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں تحریر کیا گیا۔

کوفہ سے دعوت

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسینؑ بن علیؑ کی خدمت میں سلیمان بن صرد۔ مسیب بن نجبہ رفاعہ بن شداد۔ حبیب بن مظاہر اور کوفہ کی جماعتِ مومنین کی طرف سے۔ ہم اس معبودِ حقیقی کی حمد کرتے ہیں کہ جس کے سوائے اور کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے اس کے بعد خداوند تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے آپ

کے ... ہلے ... دشمن سے آپ کو نجات دیدی، ہمیں اب کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ آپ تشریف لے آیئے کہ خدا آپ کے ذریعہ ہمیں حق پر جمع کردے نعمان بن بشیر (اگرچہ) کوفہ کے گورنر ہیں (مگر) ہم نہ انکے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھتے ہیں اور نہ نمازِ عید۔ ہمیں صرف اتنی خبر مل جائے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لا رہے ہیں تو ہم انہیں نکال باہر کردیں"
والسلام علیک" (الکامل ابن اثیر جلد چہارم صنا)

عبداللہ بن مسمع ہمزانی اور عبداللہ بن وال اہل کوفہ کا یہ خط لے کر عازم مکہ ہوئے اور رمضان کی دس تاریخ کو حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے دو روز بعد ایک اور خط قیس بن مسہر صیداوی عبدالرحمٰن بن شداد ارجبی اور عمارہ بن عبید سلولی کے ہاتھ حضرت امامؑ کی خدمت میں بھیجا گیا جس میں جلد تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ دو روز توقف کرنے کے بعد پھر ایک خط اور بھیجا گیا یہ خط ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ الحنفی لے کر گئے تھے۔ اس میں بھی جلد پہونچنے کی درخواست کی گئی تھی، اس کے چند روز بعد ایک اور خط شبث بن ربعی،

لے یہاں سے چند فقرے اس لئے حذف کر دیئے گئے ہیں کہ ان سے ایک فرقے کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا احتمال تھا۔ (مؤلف)

حجار بن ابجر ۔ یزید بن حارث ۔ یزید بن رویم ۔ عزرہ بن قیس ۔ عمرو بن حجاج زبیدی اور محمد بن عمر تمیمی کے ہاتھ حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں بھیجا گیا جس میں لکھا تھا کہ :۔

"کوفہ کے نواح لہلہا رہے ہیں ۔ میوے پک چکے ہیں،
چشمے جھلک رہے ہیں جس وقت جی چاہے آجائیے آپ
کی مدد کے لئے لشکر تیار ہیں "

اہلِ بصرہ کا بلاوا

اہل کوفہ کے علاوہ اہل بصرہ کو بھی حضرت امام حسینؓ کے انکار بیعت یزید اور مدینہ سے مکہ چلے آنے کی اطلاع مل چکی تھی ۔ چنانچہ بصرہ کے بعض معززین نے بھی ماریہ بنت سعد کے گھر میں جمع ہو کر حضرت حسینؓ کی بیعت کے متعلق گفتگو کی اور یہاں سے بھی ایک وفد جو یزید بن بنبط ، عبداللہ بن یزید اور عبیداللہ بن یزید پر مشتمل تھا ۔ حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس وفد کی حاضری کا مقصد بھی حضرت امامؓ کو اہل بصرہ کی حمایت کا یقین دلانا تھا اور اس امر پر آمادہ کرنا کہ یزید کی غیر اسلامی حکومت کے بجائے آپ خلافتِ الٰہیہ کا احیاء کیجئے ۔ اہل بصرہ آپ کی بیعت کے خواہشمند ہیں ۔ حضرت امامؓ نے اہل کوفہ کے وفد کی طرح اہل بصرہ کے وفد کی عرضداشت کو بھی توجہ سے سنا اور اہالیانِ بصرہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا

آپ کا آزاد کردہ غلام سلیمان یہ خط لے کر بصرہ گیا۔

"اللہ تعالیٰ نے رسولؐ اللہ کو کل خلائق عالم میں بزرگ ترین بنایا۔ ان کو نبوّت کے لئے منتخب فرما کر انہیں اکرام عطا فرمایا۔ اور جب آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا کر ان کی خیر خواہی کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حضور میں بلا دیا۔ ہم ان کے اہل بیت اور وارث تھے مگر رسول اللہ کے بعد قوم کے لوگوں نے (اپنے بعض کو ہمارے بعض پر) ترجیح دی۔ ہم نے بھی بہ رضا و رغبت اس (ان کی خلافت) سے اتفاق کر لیا۔ ہم نے تفرقہ اندازی سے نفرت کی اور امن و عافیت کو اچھا جانا۔ انہوں (خلفائے ثلاثہ) نے حسن و احسان کا مظاہرہ کیا۔ اصلاحِ امت کے کام کئے اور طالبِ حق رہے۔ خدا ان پر رحم فرمائے اور ہماری اور ان کی خطاؤں کو معاف کرے۔

میں تمہارے پاس اپنے قاصد کو یہ خط دے کر روانہ کر رہا ہوں۔ میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی دعوت دیتا ہوں۔ کیونکہ رسولؐ اللہ کی سنت مٹائی جا رہی ہے اور بدعت زور پکڑ رہی ہے اگر تم لوگ میری بات مان کر میری

اطاعت کروگے تو میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لگا دوں گا

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ۔"

حمایتِ حسینؓ میں اہل بصرہ کی تقریریں

جس وقت یہ خط معززین بصرہ کے پاس پہونچا تو انہوں نے بصرہ کے قبائل بنو تمیم۔ بنو حنظلہ اور بنو سعد کو جمع کر کے حمایتِ حسینؓ پر ابھارا اور مشہور سردار یزید بن مسعود نے ایک پرجوش و ولولہ انگیز تقریر کی۔ پہلے اس نے قبیلہ بنو تمیم سے سوال کیا:۔

"اے بنو تمیم! تمہارے خیال میں میرا مرتبہ اور حسب کیا ہے؟" انہوں نے یک زبان ہو کر کہا:۔

"اے ہمارے سردار! یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کون نہیں جانتا کہ عزو شرف اور حسب میں آپ لاثانی ہیں۔"

اس کے بعد یزید بن مسعود نے کہا کہ:۔

"تمہیں یہاں جمع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ بعض امور کی بابت تم سے تبادلہ خیال کروں اور امداد طلب کروں"

حاضرین نے کہا" آپ بڑے شوق سے فرمائیے۔ ہم آپ کی ہر نصیحت اور ہر رائے کو قبول کریں گے۔" اس کے بعد یزید بن مسعود نے حسب ذیل تقریر کی:۔

ان معاویه مات فاهون به والله هالکا ومفقوداً بالله واهنه قد انکسر باب الجور والاثم وتضعضعت ارکان الظلم۔ وکان قد احدث بیعة عقد بها امراً ظن انه قد احکمه وهیهات الذی اراد اجتهد والله ففشل وشاور فخذل وقد قام یزید شارب الخمور ورأس الفجور یدعی الخلافة علی المسلمین ویتأمر علیهم بغیر رضی منهم مع قصر حلم وقلة علم لا یعرف من الحق موطئ قدمیه فاقسم بالله قسماً مبروراً لجهاده علی الدین افضل من جهاد المشرکین وهذا الحسینؓ بن علی امیر المومنین و ابن

"معاویہ انتقال کر گئے اور ان کی وفات سے ظلم و گناہ کا دروازہ منہدم ہو گیا اور قصرِ جور و ستم زمین پر گر پڑا وہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنی حکومت کو مستحکم کر دیا ہے لیکن یہ انکی خام خیالی تھی۔ انہوں نے یزید کو خلیفۃ المسلمین بنانیکی کوشش کی لیکن یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی انہوں نے مشورہ بھی کیا لیکن مشورہ بھی انہیں راس نہ آیا۔ انکے انتقال کے بعد ایک شرابی اور فاسق و فاجر نے دعویٰ خلافت کیا ہے اور مسلمانوں کو انکی خلافِ منشا اپنا محکوم بنانا چاہتا ہے نہ اسمیں تحمل و بردباری ہے اور نہ وہ زیورِ علم سے آراستہ ہے بخدا اس کے خلاف علم جہاد بلند کرنا مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ دیکھو یہ امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسینؓ کا خط ہے جن

رسول الله ذو الشرف الاصيل والرأى الاثيل، له فضل لا يوصف وعلم لا ينزف وهو اولى بهذا الامر لسابقته و سنه وقدمه وقرابته يعطف على الصغير ويحسن الى الكبير، فاكرم به راعى رعيته و امام قوم، وجبت لله به الحجة وبلغت به الموعظة، فلا تعشوا عن نور الحق ولا تسكعوا فى وهد هذا الباطل، فقد كان صخر بن قيس انخذل بكم يوم الجمل فاغسلوها بخروجكم الى ابن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ونصرته، والله لا يقصر احد عن نصرته الا

سے زیادہ صاحب عز و شرف اور کوئی نہیں ہے۔ ان کے علم و فضل کو بیان کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ اپنی شرافت فضیلت، عمر، اسلام کے لئے قربانیاں دینے اور قرابت رسولؐ کے اعتبار سے صرف وہی خلافت کے مستحق ہیں۔ وہ چھوٹوں کے ساتھ لطف و کرم اور بڑوں کے ساتھ عزت کا سلوک کرتے ہیں۔ تم اس نور حق سے حصہ لینے میں پیش قدمی کرو اور باطل کی گمراہیوں میں مبتلا ہو کر اپنی بربادی کے سامان نہ پیدا کرو۔ تم جنگ جمل میں صخر بن قیس کے پیچھے لگ کر میدان جنگ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اورث اللہ تعالیٰ الذل فی ولدہ والقتلۃ فی عشیرتہ وھا انا ذا قد لبست للحرب لامتھا وادرعت لھا بدرعھا من لم یقتل یمت ومن یھرب لم یفت"

(الحسین از عمر ابو النصر ص ۵۹-۶۰)

تمہیں ایک موقع اور میسر آگیا ہے (اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور) فرزندِ رسول کی نصرت کے لئے میدان میں آجاؤ اور اس طرح بدنامی کے (گذشتہ) داغوں کو دھوڈالو۔ خدا کی قسم جو حسینؑ کی امداد نہیں کریگا خدا اس کی آل اولاد کو ذلیل و رسوا کردے گا اور اس کے گھرانے کو برباد کرے گا۔ میں جنگ کے لیے تیار ہو چکا ہوں اب جو شخص جنگ سے پہلو تہی کرے گا وہ سن رکھے کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کیے بغیر نہ رہیگا۔"

اس تقریر نے حاضرین کی رگ و پے میں بجلیاں بھر دیں اور ان میں سے بنو حنظلہ نے جوش و خروش کے عالم میں کہا کہ :-

"اے ابو خالد! ہم آپ کے ترکش کے تیر ہیں۔ ہم آپ کے قبیلے کے گھوڑے ہیں اگر آپ ہمارے ذریعہ سے جہاد کریں گے تو فتح یاب ہوں گے۔ ہم ہر جگہ آپ کے ساتھ جائیں گے اور ہم ہر اس جنگ میں آپ کے پہلو بہ پہلو لڑیں گے جس میں آپ حصہ لیں گے۔ ہماری تلواریں آپ کی امداد کیلئے بے نیام ہوں گی اور ہم آپ کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں تک

قربان کردیں گے"۔

اس کے بعد بنو سعد اور پھر بنو تمیم نے تقریر کی۔ انہوں نے کہا:۔

"اے ابو خالد! ہم تیرے معاون اور حلیف ہیں۔ ہم تیرے غصے اور ناراضگی کی تاب نہیں لا سکتے۔ تو ہمیں بلائے گا تو ہماری زبانیں "لبیک۔ لبیک" کہیں گی اور ہم تیری جانب دوڑ کر آئیں گے۔ تو ہمیں جو حکم دے گا ہم اس کی پوری پوری تعمیل کریں گے"۔ ہر طرف سے امداد و اعانت کی آوازیں سن کر یزید بن مسعود نے حضرت امام حسینؓ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:۔

اما بعد. فقد وصل الی کتابک وفهمت ما ندبتنی الیہ ودعوتنی لہ من الاخذ بحظی من طاعتک، والفوز بنصیبی من نصرتک، و ان اللہ لم یخل الارض قط من عامل علیها بخیر، ودلیل علی سبیل نجاة وانتم حجة اللہ علی خلقہ، ووديعتہ فی ارضہ تفرعتم من زیتونة احمدیة

اما بعد۔ آپ کا خط ملا جس بات کی آپ نے مجھے دعوت دی ہے اسے میں نے سمجھ لیا۔ آپ کی فرمانبرداری واعانت کرنا میں اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو نیک دل حکمراں سے کبھی خالی نہیں رکھا۔ موجودہ زمانے میں آپ، خلق خدا پر حجۃ اللہ اور امانتِ الٰہی ہیں۔ آپ ایک ایسے زیتون کی شاخ ہیں جو نہایت خوبصورت ہے

هو اصلها، وانتم فرعها،
فاقدم سعدت یا سعد طائر
فقد ذللت لك اعناق بنی
تمیم و ترکتهم اشد تتابعا فی
طاعتك من الابل الظماء
لوردوا لماء یوم خمسها وقد
ذللت لك بنی سعد وغسلت
دون قلوبها بماء سحاب
مزن حین استحصل برقها
فلمع" (الحسین عمر ابو النصر ص ۶۰-۶۱)

اور جس کی جڑ رسول اللہ ہیں۔ آپ
بے خوف و خطر تشریف لے آئیے
بنو تمیم اپنی گردنیں جھکا کر آپ کی
اطاعت کریں گے اور اس پیاسے
اونٹ سے بھی زیادہ جو پانچویں
دن چشمے پر پہونچتا ہے۔ اسی طرح
بنو سعد بھی آپ کے مددگار ثابت
ہوں گے۔"........

جب اس قسم کے بے شمار خطوط کا تانتا بندھ گیا اور متعدد وفود بھی حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے کوفہ والوں کو لکھا کہ :-

"جو کچھ تم نے مجھے لکھا ہے اس سے میں مطلع ہوا۔ فی الحال میں اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں — اگر تمہارے امرا نے اپنی تحریروں کے مطابق عمل کیا تو میں بھی جلد ہی آجاؤں گا۔ بلاشبہ امام وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن پہ

عمل کرے۔ عادل ہو اور دینِ حق پر قایم ہو۔"

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ وجلال العیون ص ۳۱)

اس کے بعد آپ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کو تحقیق حال کے لئے کوفہ بھیجا اور انہیں ہدایت کردی کہ جب اہلِ کوفہ میری بیعت پر متفق ہوں اور حالات سازگار پاؤ تو مجھے اطلاع دے دینا۔

حضرت مسلمؓ کا ورودِ کوفہ

حضرت مسلمؓ بن عقیل حضرت امام حسینؓ کی ہدایت کے مطابق کوفہ پہونچ گئے اور شہر کے ایک رئیس مختار بن ابی عبید ثقفی کے مکان میں اترے آپ کی آمد کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگ جوق درجوق حاضر خدمت ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کی بیعت کرنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق اٹھارہ ہزار اور دوسری کے مطابق تیس ہزار آدمیوں نے حضرت حسینؓ کی بیعت کی۔ ایک بڑے مجمع میں حضرت مسلمؓ نے حضرت امام حسینؓ کا وہ خط پڑھ کر سنایا جو آپ نے اہلِ کوفہ کے نام لکھا تھا۔ یہ خط سن کر مجمع میں عجیب جوش وخروش پیدا ہوگیا اور کوفہ کے بعض سرکردہ لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کی حمایت میں بڑی پراثر تقریریں کیں۔ عابس بن ابی شبیب نے کہا:۔

"اور لوگوں کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مجھے کیا معلوم کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔ بخدا میں ان کی طرف سے

آپ کو دھوکے میں نہیں رکھوں گا میں تو آپ سے وہ بات کہوں گا جس پر میرا دل آمادہ ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کی قسم جب آپ مجھے آواز دیں گے تو میں لبیک کہتا ہوا دوڑ ونگا آپ کے ساتھ ہو کر آپ کے دشمن سے جنگ کروں گا اور اس وقت تک شمشیر زنی کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ سے نہ جا ملوں، اور یہ خدمت میں صرف رضائے الٰہی کے لیئے انجام دوں گا۔" (طبری حصہ اوّل جلد دوم)

اس کے بعد حبیب بن مظاہر کھڑے ہوئے اور عابس بن ابی شبیب کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو کہ تم نے اپنا مافی الضمیر بڑے سلیقے سے بیان کیا۔ اس خداوند تعالیٰ کی قسم جس کے سوائے اور کوئی لائق عبادت نہیں میرے بھی یہی خیالات ہیں جو تم نے بیان کیئے۔" (طبری حصہ اول جلد دوم)

ان دونوں نے اپنا وعدہ کمال وفاداری سے پورا کیا اور حضرت حسینؓ کی نصرت میں میدان کربلا میں شہادت پائی۔

بعض اور لوگوں نے بھی حضرت مسلمؓ اور حضرت حسینؓ کی حمایت میں تقریریں کیں اور حضرت امام حسینؓ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگے۔ چونکہ

اہلِ کوفہ حضرت مسلمؓ کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی کا اظہار کر رہے تھے اور روزانہ سیکڑوں آدمی آپ کے ہاتھ پر حضرت امام حسینؓ کی بیعت کر کے احیائے خلافتِ الٰہیہ کی قسمیں کھا رہے تھے۔ اس لیے حضرت مسلمؓ نے حضرت امام حسینؓ کو لکھا کہ فضا ساز گار ہے آپ فوراً تشریف لے آئیں۔

حضرت مسلمؓ کے تشریف لانے کے بعد اہلِ کوفہ نے یزید کے خلاف کھلم کھلا جس نفرت و حقارت کا اظہار شروع کر دیا تھا وہ ایسی نہ تھی کہ اراکینِ حکومت سے پوشیدہ رہتی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو بھی ان حالات کا علم ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز وہ جامع مسجد کوفہ میں آئے اور لوگوں کو انقلاب سے باز رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل تقریر کی۔

"اے خدا کے بندو! فساد سے دور رہو کہ اس میں ہلاکت کے سامان پوشیدہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں بڑی خوں ریزیاں ہوتی ہیں اور زبردست مالی اتلاف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص مجھ سے جدال و قتال نہیں کرے گا میں بھی اس پر تلوار نہیں اٹھاؤں گا میں تم پر کسی قسم کی سختی نہیں کروں گا۔ نہ بہتان طرازی و بد گمانی کی بنا پر کسی کو پکڑوں گا۔ ہاں اگر تم نے عہد شکنی کی اور مخالفتِ امام پر آمادہ ہو گئے تو اس خدا کی قسم جس کے سوائے اور کوئی لائقِ عبادت نہیں میں اس وقت تک تم پر اپنی تلوار برساتا رہوں گا

جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے گا۔ امید ہے کہ تم میں حق پرست لوگ بہ نسبت ان لوگوں کے زیادہ ہوں گے جو باطل کی پیروی کر کے تباہ ہو رہے ہیں۔" (الکامل ابن اثیر جلد چہارم و تاریخ طبری)

چونکہ نعمان رسول اللہ کے صحابی اور نہایت نیک نفس و نرم دل آدمی تھے اس لئے وہ حضرت مسلمؓ اور حضرت امام حسینؓ کے خلاف جدال و قتال کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مصالحانہ رنگ کی تقریر کی۔ چونکہ ان کی اس تقریر میں بعض جملے ایسے تھے جن سے ان کی نرم دلی ظاہر ہوتی تھی اس لئے یزید کے ہوا خواہوں نے یہ تقریر پسند نہ کی اور ان میں سے بعض نے نعمان سے کہا کہ ایسے نازک موقع پر آپ کو ایسی نرم تقریر نہیں کرنی چاہئے تھی۔ یہ بہت کمزور طریق کار ہے اس موقع پر سختی سے پیش آنے کی ضرورت تھی۔ اس اعتراض کے جواب میں نعمان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہتے ہوئے کمزور کہلوانا مجھے اللہ تعالیٰ کا گنہگار بن کر طاقت ور کہلوانے سے زیادہ پسند ہے مطلب یہ تھا کہ میں طاقت ور کہلوانے کی خاطر مسلمؓ بن عقیلؓ اور ان کے ساتھیوں کا خون نہیں بہاؤں گا۔

ابن زیاد کا تقرر

نعمان تو یہ کہہ کر اترے اور قصر امارت میں چلے گئے مگر یزید کے خیر طلب لوگوں میں سے عبداللہ بن مسلم، عمارہ بن الولید بن عقبہ اور عمرو بن سعد نے

یزید کو ایک خط کے ذریعہ حضرت مسلمؓ کی سرگرمیوں سے مطلع کیا اور نعمان بن بشیر کی کمزور پالیسی کی شکایت کرتے ہوئے لکھا کہ اگر آپ کوفہ پر اپنا قبضہ رکھنا چاہتے ہیں تو کسی مضبوط آدمی کو حاکم بنا کر بھیجیے۔ چنانچہ یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو جو اس وقت بصرہ کا گورنر تھا ایک فرمان بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ :-

کوفہ سے میرے شیعوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہاں مسلمؓ بن عقیل مسلمانوں میں نفاق پیدا کر رہے ہیں اس لئے میرا خط پڑھتے ہی کوفہ چلے جاؤ اور وہاں پہونچ کر مسلم کو اس طرح تلاش کرو جیسے نگینہ کو تلاش کیا جاتا ہے۔ جب انہیں پالو تو یا شہر سے نکال دینا یا قتل کر دینا" (تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم)

یہ خط پڑھ کر ابن زیاد نے اپنے بھائی عثمان کو بصرہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود کوفہ روانہ ہو گیا۔ جب ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے اپنا منہ ایک کپڑے سے چھپا رکھا تھا اور اس کے ساتھ بصرہ کے بعض عمائدین بھی تھے چونکہ انہیں دنوں کوفہ میں حضرت امام حسینؓ کی تشریف آوری کی توقع کی جا رہی تھی۔ اس لئے لوگوں نے ابن زیاد کو دیکھ کر یہی سمجھا کہ حضرت امام حسینؓ تشریف لا رہے ہیں، چنانچہ وہ جس طرف سے گذرا اس طرف مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور لوگ " مرحبا یا ابن رسول اللہ " کے نعرے لگاتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ جب وہ کوفہ کے قصر امارت کے دروازے

پہنچا تو لوگوں کا ایک جم غفیر اس کے ساتھ تھا۔ امیر کوفہ نعمان بن بشیر بھی یہی سمجھے کہ حضرت امام حسینؓ تشریف لے آئے ہیں اور قصرِ امارت میں داخل ہونا چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے حکم دیا کہ دروازہ بند کر دیا جائے اور خود چھت پر چڑھ کر ابن زیاد کو حسینؓ سمجھ کر یوں خطاب کیا ۔

"بخدا ۔قصرِ امارت جو میرے پاس ایک امانت کے طور پر ہے ہرگز آپ کے حوالے نہیں کروں گا۔ میں آپ سے جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں آپ یہاں سے چلے جائیے اور قصرِ امارت میں داخل ہونے کی کوشش نہ کیجئے"

یہ سن کر ابن زیاد نے نعمان سے قدرے درشت لہجے میں کہا کہ "تمہاری خرابی ہو اٹھو بہت دیر سو چکے" اس کی آواز سنتے ہی نعمان اور ان لوگوں نے جو ابن زیاد کو حسینؓ سمجھ کر ساتھ ہو لیے تھے پہچان لیا چنانچہ ادھر نعمان نے قصرِ امارت کا دروازہ کھولا اور ادھر لوگوں کا مجمع چھٹ گیا ۔

آج کے سارے حالات ابن زیاد اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ عوام پر حضرت امام حسینؓ کا کس قدر اثر ہے اور وہ اُن کے کیسے گرویدہ ہیں ۔چنانچہ اس نے شہر میں منادی کرا دی کہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہو جائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مسجد حاضرین سے بھر گئی ابن زیاد

مسجد میں آیا اور حمد و ثنا کے بعد یوں خطاب کیا:-

"امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر اور اس کی حدود کا والی بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے شہر کے مظلوموں اور محروموں کے ساتھ لطف و کرم اور عطاء و بخشش کا سلوک کروں۔ جو اطاعت و فرمانبرداری دکھائے اس کے ساتھ احسان سے پیش آؤں۔ جو سرکشی و نافرمانی کرے اس پر سختی کروں۔ میں تم پر ان کا حکم نافذ کرکے رہوں گا جو شخص اچھے کردار اور اطاعت کا مظاہرہ کرے گا اس کے ساتھ میرا سلوک پدرِ مہربان و مشفق کا سا ہوگا اور جو شخص عدول حکمی و نافرمانی کرے گا اس کی گردن پر میری تلوار اور پیٹھ پر میرا تازیانہ برسے گا۔ لوگوں کو اپنی جان کی خیر منانا چاہیئے۔ راست بازی مصیبت کو ٹالتی ہے۔ دھمکی کوئی فائدہ نہیں پہونچاتی"

(تاریخ طبری جلد ششم ۲۰۱)

اس کے بعد اس نے منبر سے اتر کر اکابرِ شہر کو ہدایت کی کہ اپنے اپنے علاقوں اور علاقوں کے لوگوں پر کڑی نظر رکھو اور مجھے مطلع کرو کہ تمہارے علاقوں میں کون کون لوگ یزید کے مطیع و فرماں بردار ہیں اور کون کون لوگ ان کے مخالف و بدخواہ۔ یاد رکھو کہ اگر کسی نے ہماری مخالفت کی تو

نہ صرف مخالفت کرنے والے کا خون ہمارے لئے مباح ہو گا بلکہ وہ تم میں سے جس کا دوست ہو گا ہم اسے بھی پھانسی پہ چڑھا دیں گے اور اس کا وظیفہ بند کر دیں گے۔

مسلمؓ کا ہانی کے گھر قیام

یہ صورتِ حال حضرت مسلمؓ کے لئے بہت تشویشناک تھی اور چونکہ ان کی قیام گاہ پر بکثرت لوگ آتے جاتے تھے اور وہ کوئی پوشیدہ جگہ نہ رہی تھی اس لئے وہ مختار بن ابی عبید ثقفی کے مکان سے نکل کر کوفہ کے ایک رئیس ہانی بن عروہ مرادی کے پاس آئے۔ اور کہا کہ میں آپ کا مہمان بن کر پناہ لینے کی غرض سے آیا ہوں۔ چونکہ ہانی اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے ان پر حضرت مسلمؓ کا آنا گراں گزرا اور انہوں نے حضرت مسلمؓ سے کہا کہ آپ مجھ پر ایسا بوجھ ڈال رہے ہیں جسے اٹھانے کے لئے میں تیار نہ تھا۔ مگر چونکہ اب آپ آ گئے ہیں اس لئے تشریف لے آیئے میں حتی الامکان آپ کی حفاظت کروں گا۔"

مسلمؓ کو ہانی کے گھر میں پناہ گزیں ہوئے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ہانی بیمار ہو گئے جب ابن زیاد کو ہانی کی علالت کا حال معلوم ہوا تو اس نے انہیں اطلاع بھیجی کہ آج شام کو میں آپ کی عیادت کے لئے آؤں گا۔ اس موقع پر عمارہ بن سلول نے ہانی سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو جب

ابن زیاد آپ کی عیادت کے لیے آئے تو میں اسے قتل کر دوں۔ مگر ہانی نے گھر آئے ہوئے مہمان کو قتل کرانا شرافت سے بعید سمجھتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دی۔ اسی طرح ایک اور موقع پر جب ابن زیاد کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ ہانی کے یہاں آرہا ہے تو حضرت مسلمؓ کو مشورہ دیا گیا کہ جب ابن زیاد باتوں میں مصروف ہو جائے تو آپ کمرے سے نکل کر اس کا سر اڑا دیجئے گا۔ لیکن حضرت مسلمؓ نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا اور فرمایا کہ "میں نے رسول خدا کی ایک حدیث سنی ہے کہ کوئی مسلمان چھپ کر یا اچانک دوسرے مسلمان پر حملہ نہ کرے۔" ہانی نے بھی حضرت مسلمؓ کی تائید کی اور اسے بزدلانہ و غیر شریفانہ فعل قرار دیا۔

مسلمؓ کی تلاش

یہ تو وہ سلوک تھا جو ہانی بن عروہ اور حضرت مسلمؓ نے ابن زیاد کے ساتھ کیا لیکن ابن زیاد نے اس حسن سلوک کا جو جواب دیا وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی محو نہ ہو سکے گا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب تلاشِ بسیار کے باوجود حضرت مسلمؓ کا سراغ نہ مل سکا تو ابن زیاد نے بنو تمیم کے ایک آزاد کردہ غلام معقل کو تین ہزار درہم دے کر سراغ رسانی پر متعین کیا۔ معقل ابن زیاد کی ہدایت کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے روانہ ہو گیا اس زمانے میں تمام مذہبی اور سیاسی تحریکوں کا مرکز مسجد ہوا کرتی تھی اس

لئے معقل سیدھا جامع مسجد پہونچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک شخص بڑے طویل سجدے کر رہا ہے اور رکعت پر رکعت پڑھتا چلا جاتا ہے۔ معقل نے اس کی کثرتِ عبادت دیکھ کر خیال کیا کہ ہو نہ ہو یہ شخص حضرت امام حسینؓ کی جماعت کا رکن ہے۔ چنانچہ جب اس شخص نے جس کا نام مسلم بن عوسجہ اسدی تھا سلام پھیرا تو معقل اس کے پاس گیا اور بڑے ادب سے سلام کر کے کہا کہ میں ایک شامی ہوں لیکن خدا تعالےٰ نے میرے دل میں اہلبیت کی محبت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں حضرت امام حسینؓ کا ایک معتمدِ خاص آیا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر ناچیز رقم کا یہ ہدیہ پیش کر دوں۔ مسلم بن عوسجہ اس کی باتوں میں آ گئے اور اسے لے کر حضرت مسلمؓ کے پاس چلے گئے۔ اس طرح معقل کے ذریعہ سے ابن زیاد کو حضرت مسلمؓ کی قیام گاہ کا پتہ چل گیا۔ ہانی کوفہ کے امراء و سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے اور تقریباً روزانہ ابن زیاد سے ملنے قصرِ امارت میں جایا کرتے تھے۔ مگر جب سے حضرت مسلمؓ ان کے گھر میں پناہ گزین ہوئے تھے انہوں نے ابن زیاد کے پاس آمد و رفت بند کر دی تھی۔

ہانی کی گرفتاری

کچھ عرصے تک تو ابن زیاد نے ہانی کی علالت کے باعث خیال نہ کیا لیکن جب اسے معقل کی زبانی یہ خبر ملی کہ انہوں نے حضرت مسلمؓ کو پناہ دی

ہے اور ان کے گھر میں اہل بیت کے مداحوں کا اجتماع بھی ہوتا ہے نیز دوسری طرف یہ معلوم ہوا کہ اب وہ صحت یاب ہو چکے ہیں مگر پھر بھی قصر امارت میں نہیں آتے تو اسے یقین ہو گیا کہ ہانی مسلمؓ کی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اور میرے پاس نہ آنے کی یہی وجہ ہے۔ چنانچہ اس نے اسماء بن خارجہ اور محمد بن اشعث کو بلا کر تاکید کی کہ تم دونوں ہانی کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس لے آؤ۔ اگر وہ آنے سے انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہیں امان دی جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسماء بن خارجہ اور محمد بن اشعث ہانی کو لے کر ابن زیاد کے پاس آ گئے۔ ابن زیاد نے ہانی سے پوچھا کہ کیوں ہانی! میں نے سنا ہے کہ "تم نے مسلمؓ کو اپنے گھر میں پناہ دی ہے اور امیر المومنین (یزید) کے مخالف تمہارے گھر میں جمع ہو کر ان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔" ہانی نے حضرت مسلمؓ کی جان بچانے کی غرض سے جواب دیا کہ آپ کو غلط اطلاع دی گئی ہے۔ ابن زیاد نے کہا کہ میری اطلاع صحیح ہے اور یہ اطلاع اس شخص نے دی ہے جو تمہارے جلسوں میں شریک ہوتا رہا ہے۔ ہانی نے پھر اپنے پہلے الفاظ پر اصرار کیا۔ آخر ابن زیاد نے معقل کو بلایا اور اس کی طرف اشارہ کر کے ہانی سے پوچھا کہ اسے پہچانتے ہو؟ معقل کو دیکھتے ہی ہانی معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے اور انہوں نے اقرار کیا کہ "میں نے مسلمؓ کو پناہ ضرور دی ہے لیکن میں انہیں بلانے

نہیں گیا بلکہ وہ خود میرے دروازے پر آئے اور مجھ سے پناہ چاہی۔ میری مروت نے گوارا نہ کیا کہ کوئی شخص مجھ سے پناہ طلب کرے اور میں اس کی درخواست کو رد کر دوں مگر اس واقعہ سے پہلے میرا مسلمؓ یا ان کی جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

اس پر ابن زیاد نے کہا کہ "اچھا اگر یہی بات ہے تو مسلمؓ کو میرے حوالے کر دو"۔ ہانی نے جواب دیا کہ "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے مہمان کو اس شخص کے حوالے کر دوں جو اسے قتل کرنے کے درپے ہے۔ اس میں میری بڑی ذلت ہے۔ جب تک میرے بازوؤں میں طاقت ہے اور ایک بڑی جماعت میرے ساتھ ہے ایسا نہیں کروں گا اور اگر بفرض محال ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ ہو جب بھی میں اپنے مہمان کو اس کے دشمن کے سپرد نہیں کر سکتا"۔

ہانی کا یہ جرأت مندانہ جواب ابن زیاد کو بہت ناگوار گزرا اور اس نے غضبناک ہو کر کہا "ہانی! اگر تم نے مسلمؓ کو میرے سپرد نہ کیا تو یاد رکھو میں تمہارا سر اڑا دوں گا"۔ ہانی نے جواب دیا کہ "اگر تم نے ایسا کیا تو ہزاروں آدمی تمہارے قصر امارت پر ٹوٹ پڑیں گے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے"۔

ہانی کے اس جواب سے ابن زیاد آگ بگولا ہو گیا اور اس نے اپنا عصا ان کے چہرے پر مارا جس سے ان کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ابرو کا گوشت

کٹ کر لٹک گیا۔ اس کے بعد انہیں ایک کمرے میں قید کر دیا۔

(اخبار الطوال ص۲۵۱)

ابن زیاد کا محاصرہ

تھوڑی ہی دیر میں سارے شہر میں مشہور ہو گیا کہ ہانی قتل کئے جا رہے ہیں۔ ہانی کے قبیلے بنی مذحج کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس قبیلے کا ایک سردار عمرو بن حجاج قبیلے والوں کو لے کر آ گیا اور قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ "میرا نام عمرو بن حجاج ہے اور بنی مذحج کے شرفا میرے ہمراہ آئے ہیں۔ ہم نے نافرمانی نہیں کی ہے اور نہ جماعت مسلمین سے الگ ہوئے ہیں مگر ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہمارے امیر کو قتل کیا جا رہا ہے اور یہ بات ہمارے لئے کسی طرح قابلِ برداشت نہیں ہے۔"

جب ابن زیاد کو اس شورش کا علم ہوا تو اس نے قاضی شریح کو بلا کر کہا کہ بنو مذحج والوں کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے کہ ان کے رئیس ہانی بن عروہ قتل کیا جا رہا ہے۔ آپ جا کر انہیں دیکھ لیجئے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں اور پھر بنو مذحج کو بتا دیجئے کہ ہانی زندہ ہیں البتہ امیر کوفہ نے انہیں کچھ پوچھ گچھ کے لئے روک لیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق قاضی شریح کو ہانی دور سے دکھا دیئے گئے اور انہوں نے قبیلہ بنو مذحج والوں کو یقین دلایا کہ ہانی زندہ ہیں۔

اس یقین دہانی پر ہانی کے اہل قبیلہ واپس چلے گئے۔

ادھر حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کو بھی ان واقعات کی اطلاع ہو گئی اور ان کی غیرت و شرافت نے گوارا نہ کیا کہ ان کا میزبان و پناہ دہندہ اسیر کر لیا جائے اور وہ اس کی مدد نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ شہر کے گلی کوچوں میں پھیل جاؤ اور " یا منصور امت، یا منصور امت" کی ندا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ آواز سنتے ہی لوگ مسلح ہو کر اپنے گھروں سے نکل پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ہزاروں آدمی جو حضرت حسینؓ کی بیعت کر چکے تھے حضرت مسلمؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ مسلمؓ نے ان سب کو منظم و مرتب کیا۔ اس لشکر میں سوار اور پیادے دونوں تھے دستوں کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی تھی کہ بنی کندہ و بنی ربیعہ کا علم عبید اللہ بن عمرو کندی کو دیا گیا اور انہیں سواروں کے آگے آگے چلنے کی ہدایت کی گئی۔ قبیلہ مذحج و بنی اسد کا علم مسلم بن عوسجہ کو دیا گیا اور انہیں پیادوں کے آگے آگے چلنے کی ہدایت کی گئی۔ بنو تمیم و بنو ہمدان کا علم ابن ثمامہ صائدی کو دیا گیا۔ اس کے بعد یہ لشکر ابن زیاد کے محل پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ ۸ ذی الحج ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ابن زیاد اپنے خدام، حفاظتی دستے اور رؤسائے شہر کے ساتھ جامع مسجد کے منبر پر بیٹھا ہوا لوگوں کو متنبہ کر رہا تھا کہ نا فرمانی و بغاوت نہ کرو

کہ اسی اثنا میں بازارِ کوفہ کے خرمہ فروش گھبرائی ہوئی حالت میں مسجد میں داخل ہوئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ ابن عقیل آگئے۔ اتنا سنتے ہی ابن زیاد منبر سے اتر کر بھاگا اور اپنے محل میں گھس گیا۔ چند منٹ میں لشکر قصر امارت کے سامنے پہونچ گیا۔ تکبیر کے نعروں سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی اور ابن زیاد کے خدام محل کی چھت پر چڑھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے امید ہی نہیں یقین ہے کہ انقلاب کی یہ کوشش بار آور ہو جاتی اور کوفہ پر حضرت مسلم کا علم لہرانے لگتا مگر عین وقت پر ابن زیاد کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے ان رؤسائے شہر کو جو اس وقت اس کے ہمراہ تھے ہدایت کی تم محل کی چھت پر چڑھ کر اپنے زیر اثر علاقوں کے لوگوں سے کہو کہ یزید کا لشکر کوفہ کے قریب پہنچا ہی چاہتا ہے۔ یہ بڑا زبردست لشکر ہے اور تم اس کے مقابلے کی تاب نہ لاسکو گے اس لئے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اور اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو نہ صرف یہ کہ تم سے باز پرس نہ ہوگی بلکہ انعام و اکرام سے مالا مال کر دیئے جاؤ گے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے بعض اصحاب کو شہر کے مختلف علاقوں میں بھیجا تاکہ وہ محاصرین کے والدین بیویوں اور بھائیوں کو ان کے پاس بھیج کر انہیں واپسی پر آمادہ کریں۔ چنانچہ یہ تدبیریں کار آمد ثابت ہوئیں۔ محاصرین کی بیویاں، مائیں اور بہنیں آئیں اور انہیں خدا کا واسطہ دے کر اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے

خدشات پیدا کر کر کے انہیں اپنے ہمراہ واپس لے جائیں، کچھ رؤسائے شہر کی ہدایت و تلقین نے بھی اثر کیا اور اس طرح رفتہ رفتہ حضرت مسلمؓ کے ساتھیوں کی کثیر تعداد ان سے جدا ہوگئی صرف چند سو آدمی ان کے ساتھ رہ گئے۔ اس دوران میں ابن زیاد نے بھی فوج کی کافی جمعیت اکٹھی کر لی۔ اس فوج نے حضرت مسلمؓ کے باقی ماندہ ہمراہیوں پر حملہ کر دیا۔ ایک خونریز اور شدید جنگ ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی کام آئے اور حضرت مسلمؓ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے۔ آخر کار میدان ابن زیاد کی فوج کے ہاتھ رہا۔ اس افراتفری اور ہنگامے میں حضرت مسلمؓ کسی طرف کو نکل گئے، جائے پناہ ڈھونڈتے ہوئے وہ بنی جبلہ کندہ کے محلے میں پہونچے دیکھا کہ ایک مکان کے دروازے پر ایک خاتون کھڑی ہوئی ہے۔ وہ اس کے قریب آئے، اسے سلام کیا اور پانی مانگا۔ اس نے پانی لا کر حضرت مسلمؓ کو پلایا اور برتن رکھنے گھر میں چلی گئی۔ جب واپس آئی تو دیکھا کہ حضرت مسلمؓ اس کے دروازے پر بیٹھے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ "کیا تم نے پانی نہیں پیا؟" حضرت مسلمؓ نے جواب دیا کہ "ہاں پانی تو پی لیا ہے۔" عورت نے کہا کہ پھر تمہیں جہاں جانا ہے وہاں جاؤ۔ اس پر حضرت مسلمؓ بولے کہ "خدا کی نیک بندی میں اجنبی ہوں یہاں نہ میرا گھر بار ہے اور نہ کنبہ کے لوگ ہیں اگر تم میرے ساتھ نیکی کرو تو شاید کسی وقت میں اس کا صلہ دے سکوں۔ میرا نام مسلمؓ بن عقیل ہے

لوگوں نے میرے ساتھ فریب کیا اور مجھے دھوکا دیا۔"

عورت نے حیرانی سے پوچھا کہ کیا مسلمؓ بن عقیل آپ ہی ہیں؟ حضرت مسلمؓ نے فرمایا کہ ہاں میں ہی مسلمؓ بن عقیل ہوں۔ یہ سن کر عورت جس کا نام طوعہ تھا حضرت مسلمؓ کو اپنے مکان میں لے گئی اور ایک کمرے میں چھپا دیا۔ اسی دوران میں طوعہ کا بیٹا بھی آگیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی ماں بار بار ایک ہی کمرے میں آتی جاتی ہے تو اس نے اس کی وجہ پوچھی مگر طوعہ ٹال گئی۔ آخر بیٹے کے اصرار سے مجبور ہو کر اس نے اصل حقیقت اسے بتا دی مگر پہلے قسم لے لی کہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

مسلمؓ کی شکست ابن زیاد کے لئے جس قدر باعثِ اطمینان تھی اس سے زیادہ تشویشناک حضرت مسلمؓ کا بچ نکلنا تھا۔ چنانچہ وہ حفاظتی پولیس کے زبردست پہرے میں جامع مسجد کوفہ میں داخل ہوا اور اپنے خادموں کو حکم دیا کہ شہر میں منادی کر دو کہ بوڑھا جوان تجارت پیشہ سرکاری اور غیر سرکاری ملازم غرض کوئی نہ رہے جو آج عشاء کی نماز جامع مسجد میں ادا نہ کرے۔ تھوڑی ہی دیر میں مسجد حاضرین سے بھر گئی۔ ابن زیاد منبر پر گیا اور پولیس کے افسروں کو حکم دیا کہ میرے چاروں طرف اس طرح کھڑے ہو جاؤ کہ میں ہر جانب سے محفوظ رہوں اس کے بعد اس نے تقریر شروع کی۔

"نادان ابنِ عقیل نے جو بغاوت و نافرمانی کی وہ تم دیکھ چکے۔

اب وہ جس کے گھر میں بھی پایا جائے گا اس کے لئے خدا کی طرف سے امان ممنوع ہے اور جو شخص اسے گرفتار کر کے لائے گا اسے ابن عقیل کا خون بہا ملے گا۔ لے خدا کے بندو! خدا سے ڈرو۔ اطاعت گذاری کرتے رہو۔ عہد شکنی نہ کرو۔ اپنی جان کے دشمن نہ بنو۔ اے حصین بن تمیم (پولیس کا ایک افسر) تمہیں کوفہ کا نگران مقرر کیا جاتا ہے۔ سارے شہر کے ناکے بند کر دو اور صبح تک کسی کو گھر سے باہر مت نکلنے دو۔ اگر اس دوران میں کوئی شخص بچ کر کوفہ سے نکل گیا تو یاد رکھو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ صبح ہوتے ہی گھروں کی تلاشی لو اور جس طرح بھی ہو مسلم بن عقیل کو ڈھونڈ کر میرے سامنے پیش کرو" (تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم)

حضرت مسلمؓ کی گرفتاری و شہادت

دوسرے دن صبح کو طوعہ (جس کے گھر میں حضرت مسلمؓ روپوش تھے) کے لڑکے نے ابن زیاد کے ایک معتمد محمد بن اشعث کے بیٹے کو بتا دیا کہ مسلمؓ میرے گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ اس نے ابن زیاد کو اطلاع دی۔ ابن زیاد نے اسی وقت عمرو بن عبید اللہ سلمی کی قیادت میں بنو قیس کے ستر افراد کی ایک جماعت محمد بن اشعث کے ساتھ بھیجی اور حکم دیا کہ جس طرح بھی ہو مسلمؓ کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار طوعہ

کے مکان کی طرف تیزی سے بڑھے۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازوں سے حضرت مسلمؓ سمجھ گئے کہ یہ ابن زیاد کی جمعیت ہے اور میری گرفتاری کے لئے آئی ہے۔ چنانچہ وہ بھی تلوار لے کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ ابن زیاد کی جمعیت نے مکان کا محاصرہ کر لیا اور کچھ لوگ مکان کے اندر داخل ہو گئے حضرت مسلمؓ نے بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا اور تلواریں مار مار کر انہیں گھر سے باہر نکال دیا۔ آخر کچھ لوگ مکان کی چھت پر چڑھ کر پتھر برسانے لگے مجبوراً حضرت مسلمؓ تلوار لے کر گھر سے باہر نکل آئے یہاں بھی ابن زیاد کے دشمنوں کا انہوں نے شدید مقابلہ کیا مگر جب زخموں سے نڈھال ہو گئے اور مزید لڑنے کی سکت باقی نہ رہی تو ایک مکان کی دیوار سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے یہ دیکھ کر محمد بن اشعث ان کے قریب آیا اور کہا کہ آپؓ کو امان دی جاتی ہے۔ حضرت مسلمؓ نے تلوار نیام میں کر لی اور محمد بن اشعث کے ساتھ ابن زیاد کے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت مسلمؓ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان کی گردن مار دی جائے۔ یہ سن کر ابن اشعث نے کہا کہ میں انہیں امان دے چکا ہوں اس لئے آپ انہیں قتل نہ کریں مگر ابن زیاد نے ابن اشعث کی امان کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہیں قصرِ امارت کی چھت پر لے جایا گیا جہاں بکیر بن حمران احمری نے ان کا سر قلم کر کے لاش نیچے پھینک دی۔ شہادت سے قبل حضرت مسلمؓ نے

محمد بن اشعث کو وصیت کی کہ میرے بعد کسی شخص کے ہاتھ حضرت امام حسین رضؓ کو میری شہادت کی اطلاع دیدینا اور میرا یہ پیغام بھیج دینا کہ آپ اپنے اہل بیت کو لیکر واپس ہو جائیے اور کوفیوں پر اعتماد نہ کیجیے۔ (الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص۲۲)

محمد بن اشعث نے یہ وصیت پوری بھی کردی مگر افسوس کہ حضرت مسلمؓ کا یہ پیغام حضرت امام حسینؓ کو نہ پہونچ سکا۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئیگی۔

مسلمؓ کے قتل سے فراغت پانے کے بعد ابن زیاد نے ہانی کو طلب کیا اور حکم دیا کہ انہیں لے جاکر سربازار قتل کردو۔ چنانچہ ایک ترکی غلام نے جس کا نام رشید تھا بھرے بازار میں ہانی کی گردن ماردی۔

ہانیؒ کا کردار

حضرت مسلمؓ کے واقعہ میں ہانی نے جس بلند کردار کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کے سوائے اور کہیں نہیں مل سکتی۔ اہل بیت کا ہوا خواہ نہ ہوتے ہوئے انہوں نے اہل بیت پر اپنی جان نثار کردی۔ بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے اور شاید اس خیال سے اتفاق نہ کیا جائے کہ بعیتِ حسینؓ کی دعوت دینے والے گروہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہانی اہل بیت کی خلافت کا نظریہ رکھنے والی جماعت کے رکن نہیں تھے اگر ہانی کا اس گروہ سے تعلق ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کا نام ان لوگوں کی فہرست میں درج نہ ہوتا

جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ اس دور کی تاریخیں اٹھا کر دیکھ لی جائیں، ہر تاریخ میں حضرت حسینؑ کو خطوط لکھنے والوں کے نام موجود ہیں مگر کسی مستند تاریخ میں ہانی کا نام ایک جگہ بھی نہیں ملتا۔ ہانی کوفہ کے بہت بڑے رئیس اور اپنے قبیلے کے نامور سردار تھے۔ بعض خاص مواقع پر جب وہ گھر سے نکلتے تو چار ہزار زرہ پوش اور آٹھ ہزار پیادے ان کی جلو میں ہوتے تھے۔ (ناسخ التواریخ)

ناممکن تھا کہ اتنا بڑا سردار اور کوفہ کا معزز ترین رئیس خط لکھتا اور خطوط لکھنے والوں کی فہرست میں اس کا نام درج نہ ہوتا جب کہ ان سے بہت کم حیثیت کے لوگوں کے نام موجود ہیں۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے ساتھ ہانی کے خصوصی مراسم تھے اور دونوں میں اس درجہ ربط ضبط تھا کہ وہ تقریباً روزانہ شام کو ابن زیاد سے ملنے اس کے محل میں جاتے تھے۔ جب ہانی بیمار ہوئے تو اس موقع پر ابن زیاد خود ان کی عیادت کے لئے آیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دونوں کے نظریات میں بعد المشرقین، دونوں ایک دوسرے کے دشمن اور پھر دونوں میں اس قدر یگانگت اور مراسمِ دوستی؟ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہانی کا اہل بیت کے حامیوں کی جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس خیال کو اس وقت مزید تقویت پہنچتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمؓ کو اپنے گھر میں پناہ دینے

کے ساتھ ہی وہ ابن زیاد سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اس کا تیسرا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مسلمؓ ہانی کے پاس پناہ لینے آتے ہی تو وہ انہیں جواب دیتے ہیں کہ آپ نے مجھ پر ایسا بوجھ ڈالا ہے جسے میں اٹھانے کے لیئے تیار نہ تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ حضرت مسلمؓ کی جماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ حضرت حسینؓ کی خلافت کے داعی یا مسلمؓ کے مشن کے رکن ہوتے تو وہ حضرت مسلمؓ کو یہ جواب نہ دیتے۔ پھر تو وہ مسلمؓ کو پناہ دینا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے اور نہایت خوش دلی سے انہیں خوش آمدید کہتے مگر حضرت حسینؓ کی جماعت کا رکن نہ ہوتے ہوئے انہوں نے حمایتِ اہل بیت میں اس بلندی کردار کا مظاہرہ کیا کہ تاریخ عالم میں اس قسم کی مثالیں کم ملیں گی۔ انہوں نے ایک ایسے شخص کو جس کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ تھا صرف اس لیئے پناہ دی کہ اس کی جان خطرہ میں تھی۔ انہوں نے خود اپنی جان کو خطرے میں ڈالا مگر ان کی مروت نے گوارا نہ کیا کہ درخواست کرنے والے کی درخواست رد کر دیں۔ ان کے کردار کا جوہر اس وقت خاص طور پر چمکتا ہے جب ابن زیاد ان کے گھر آتا ہے اور ان سے اس کے قتل کی اجازت مانگی جاتی ہے۔ اس موقع پر وہ ایک شریف النفس انسان کی طرح اس اقدام کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے گھر آئے ہوئے مہمان کو قتل کرنا ذلت اور بزدلی قرار دیتے

ہیں۔ حالانکہ اس وقت ان کے ایک ادنیٰ اشارے سے ابن زیاد کا سر قلم ہو جاتا۔ ان کے جوہر کی تابانی کا تیسرا موقع وہ ہے جب ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مسلمؓ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس صورت میں ان کی جان بچ جانے کا قوی امکان تھا اگر وہ مرنا گوارا کر لیتے ہیں لیکن ان کی شرافت اور غیرت اپنے مہمان کو اس کے دشمن کے حوالے کرنا گوارا نہیں کرتی۔ باوجودیکہ انہیں حضرت امام حسینؓ کی معیت میں رہ کر میدان کربلا میں شہید ہونے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی مگر انہوں نے جس مردانگی سے جان دی اور جن دشوار گذار مرحلوں سے گذر کر موت کو مرحبا کہا وہ انہیں منصبِ شہادت پر فائز کرتا اور شہدائے کربلا میں ایک ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

حضرت حسینؓ کی مکہ سے روانگی

رجب ۶۰ھ کے آخری ہفتے میں حضرت امام حسینؓ کو حضرت مسلمؓ کا وہ خط ملا جس میں آپ سے کوفہ تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ چونکہ حضرت مسلمؓ آپ کے مخلص ترین معتمد تھے اور کوفہ جا کر انہوں نے سارے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے یہ خط لکھا تھا اس لیے حضرت امام حسینؓ نے سفر کی تیاری شروع کر دی مگر جب مکہ کے اکابر کو جن میں بہت سے لوگ حضرت حسینؓ کے قریبی عزیز بھی تھے آپ کے سفر کوفہ کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کیا کہ آپ کوفہ

تشریف نہ لے جایئے۔

اہل الرائے کا اختلاف

عمرو بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے کہا کہ :۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق تشریف لے جا رہے ہیں اگر یہ خبر درست ہے تو آپ ایسے علاقے میں جا رہے ہیں۔ جہاں غیر کی حکومت قائم ہے اور اس کے حکام موجود ہیں۔ بیت المال پر ان کا قبضہ ہے اور آپ جانتے ہیں کہ لوگ روپے کے لالچی ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہی لوگ جو آپ کی حمایت کا دم بھر رہے ہیں آپ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔"

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ آپ کے مخلصانہ مشورے کا شکریہ لیکن میں نے تمام حالات پر غور کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف لائے اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ :۔

"لوگ یہ خبر سن کر بے چین ہیں کہ آپ عراق تشریف لے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفاظت میں لے۔ آپ جن لوگوں کے پاس جا رہے ہیں کیا وہ اپنے دشمنوں پر غالب آ چکے ہیں اور ملک پر قابض ہو چکے ہیں؟ اگر ایسا ہو چکا

ہے تو آپ ضرور تشریف لے جائیے لیکن اگر وہاں کا حاکم ان پر مسلط ہے اور اس کے عمال خراج وصول کر رہے ہیں تو آپ کا وہاں جانا جنگ کی طرف جانا ہے اور وہ لوگ آپ کو جنگ ہی کے لئے بلا رہے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ اپنے دشمن سے خائف ہو جائیں تو الٹا آپ ہی کے خلاف تلواریں کھینچ لیں۔"

جب حضرت امام حسینؓ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے دیکھا کہ میرے سمجھانے کے باوجود حسینؓ سامانِ سفر باندھ رہے ہیں تو وہ دوڑے ہوئے پھر ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ :-

"ابنِ عم! میں نے ضبط کرنے کی بڑی کوشش کی مگر کیا کروں خاموش نہیں رہ سکا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ہلاکت و بربادی کے راستے پر جا رہے ہیں عراق کے لوگ بڑے دغاباز ہیں۔ آپ ان کے پاس ہرگز نہ جائیے۔ یہیں رہیئے کیونکہ یہاں سب آپ کے وفادار ہیں اور اگر عراق کے لوگ اصرار کر رہے ہیں تو انہیں لکھ دیجئے کہ پہلے اپنے دشمنوں کو نکال دو پھر میں آؤں گا اور اگر آپ یہاں سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیے۔ وہاں مضبوط قلعے، کٹھن راستے اور پہاڑ ہیں وہ ایک وسیع

ملک ہے۔ وہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو آپ
کے والد کے خیر خواہ تھے۔ وہاں جا کر آپ دشمن کی گرفت
سے آزاد ہوں گے۔ پھر آپ اپنے داعیوں اور خطوط کے
ذریعہ سے اپنی تحریک چلایئے گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ اس
صورت میں آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔" (تاریخ طبری جلد ہفتم ص۲۷۵)

حضرت ابن عباسؓ کی یہ بظاہر نہایت عاقلانہ و دانشمندانہ تقریر سن کر حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ "ابن عم! مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ اخلاص و محبت رکھتے ہو لیکن میں نے جو ارادہ کیا ہے وہ بہرحال پورا کروں گا۔" یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اچھا اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں تو کم از کم عورتوں اور بچوں کو تو اپنے ہمراہ نہ لے جایئے۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ اپنے اہل و عیال کی موجودگی میں شہید کر دیئے گئے اسی طرح آپ بھی اپنے اہل بیت کے سامنے شہید کر دیئے جائیں گے۔ جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو آپ کے سفر کوفہ کا علم ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر اہل عراق پوری قوت سے آپ کی حمایت کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں پھر تو آپ کا جانا کسی حد تک مناسب بھی ہے۔ ورنہ آپ یہیں مقیم رہئے۔ ہم سب آپ کی بیعت کرنے اور آپ کی خلافت کے قیام کے سلسلے میں آپ کی خاطر خواہ امداد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ اطمینان سے حرم میں بیٹھے

میں خود آپ کی خلافت کے لئے فضا ہموار کر دوں گا۔

لیکن حضرت امام حسینؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کا مشورہ یہ کہہ کر قبول فرمانے سے انکار کر دیا کہ میں نے اپنے والدؓ سے رسول اللہؐ کی یہ حدیث سنی تھی کہ "ایک مینڈھے کی وجہ سے حرم کی حرمت برباد ہو جائے گی"۔ اس لئے میں حرم کا وہ مینڈھا بننا پسند نہیں کرتا۔

جب ابوبکر بن حارث کو حضرت امام حسینؓ کے عزم کوفہ کا علم ہوا تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ :۔

"آپ کے والد بزرگوار کے پاس قوت و اقتدار تھا اور لوگ ان کی طرف مائل تھے۔ ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ سوائے شام کے سارا عالم اسلام ان کا فرمانبردار تھا۔ اس قوت و اقتدار کے باوجود جب امیر معاویہؓ نے ان کی مخالفت میں لوگوں کو لالچ دیئے تو وہ دولت کی طمع میں ان کا ساتھ چھوڑ گئے صرف ساتھ ہی نہیں چھوڑا بلکہ ان کے دشمن بن گئے اور وہی ہوا جو خدا کو منظور تھا۔ ان کے بعد آپ کے بڑے بھائی کے ساتھ جو ماجرا پیش آیا وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ ان لوگوں کے پاس جا رہے ہیں اور یہ سمجھ کر جا رہے ہیں کہ وہ آپ کی حمایت کریں گے ؟ شام کے

لوگ بہت مضبوط ہیں اور لوگ بھی ان سے خائف رہتے ہیں۔ آپ کے جلتے ہی عراق کے لوگ خوف اور دولت کی طمع کی وجہ سے آپ کا ساتھ چھوڑ کر اہل شام سے مل جائیں گے اور جو لوگ آپ کی محبت کے دعوے کر رہے ہیں وہ سب آپ کے مخالف ہو جائیں گے۔" (مسعودی جلد سوم ص۵۷)

جب حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو آپ کے سفر کوفہ کی خبر ملی تو انہوں نے بھی ایک پر زور خط لکھ کر اس سفر سے روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے لکھا کہ :۔

"میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میرا خط پڑھتے ہی اپنا ارادہ ترک کر دیجئے۔ کیونکہ یہ ایسا راستہ ہے جس میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہل خاندان کے لئے تباہی ہے۔ اگر آپ ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ آج آپ ہی کا وجود ہدایت کا نشان اور اہل ایمان کا مرکز ہے۔ روانگی میں عجلت نہ کیجئے گا۔ میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔"

اس خط کے بعد حضرت ابن جعفر حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سمجھایا کہ آپ کا عراق جانا اپنے دشمنوں میں جانا ہے۔ اس میں خوں ریزی کا اندیشہ ہے۔ آپ یہیں مقیم رہئے۔ ہم سب آپ کے

مددگار ہیں۔ مگر حضرت امام حسینؓ نے ان کا مشورہ تسلیم نہ کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؓ اپنا ارادہ ملتوی کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں تو وہ مکہ کے گورنر عمرو بن سعید بن العاص کے پاس گئے اور اسے تحریک کی کہ آپ حسینؓ کو ایک خط لکھ کر انہیں اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کیجئے اور انہیں امان دینے کا وعدہ کیجئے۔ عمرو بن سعید نے کہا آپ خط کا مضمون تحریر کر دیجئے میں اس پر اپنی مہر لگا دوں گا۔ خط یہ تھا

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس راستے پر جانے سے روکے جو ہلاکت کی طرف جاتا ہے اور اس راستے کی طرف لے جائے جس میں سلامتی ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جانے والے ہیں۔ میں اس نفاق و اختلاف سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو آپ کے طرز عمل سے پیدا ہوگا۔ مجھے آپ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ واپس تشریف لے آئیے۔ میرے پاس آپ کے حق میں امن و سلامتی، حسن و احسان اور نیکی کے جذبات ہیں اس کا خدا شاہد اور نگہبان ہے۔"

ایک روایت کے مطابق جب حضرت عبداللہ بن جعفر حضرت حسینؓ سے

رخصت ہو کر گورنر مکہ کے پاس مندرجہ بالا خطوط لکھوانے گئے تھے اس وقت حضرت امام حسینؓ مکہ سے روانہ ہو رہے تھے۔ اسی لئے عمرو بن سعید کے خط میں واپس تشریف لے آیئے کے الفاظ لکھے گئے تھے یہ خط حضرت امام حسینؓ کو مکہ سے باہر نکل کر ملا خط پڑھ کر آپ نے حضرت عبداللہ بن جعفر اور گورنر مکہ کے بیٹے یحییٰ سے فرمایا کہ رات میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، خواب کے عالم میں آپؐ نے مجھے ایک حکم دیا ہے میں اس حکم کو پورا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ابن جعفرؓ نے خواب کی وضاحت چاہی مگر حضرت امام حسینؓ نے وضاحت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے گورنر مکہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"جو شخص دعوت الی الحق دیتا ہے، اعمال صالح انجام دیتا ہے اور اسلام کا اقرار کرتا ہے وہ خدا اور رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کیسے کرے گا۔ آپ نے مجھ کو امان دی ہے اور حسن و احسان سے پیش آنے کا وعدہ کیا ہے۔ سب سے بہتر امان وہ ہے جو اللہ کی طرف سے دی جائے۔ جو شخص دنیا میں خدا سے خوف نہیں کرتا آخرت میں خدا سے امان نہیں دے گا پس میں دنیا میں خدا سے ڈرتا ہوں تاکہ قیامت کے روز اس کی امان میں رہوں۔ آپ نے اپنے خط میں جو کچھ لکھا ہے اگر اس سے آپ کی

نیت یہی ہے کہ میرے ساتھ صلہ رحمی اور حسن واحسان کا سلوک کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائے والسلام ۔"

تاریخ طبری جلد ہفتم صد ۲۶۸ تا ۲۶۹)

یہ مشورے جو مکہ کے اکابر اور حضرت امام حسینؓ کے بعض قریبی عزیزوں نے دیئے تھے، بظاہر بڑے دانشمندانہ ہیں اور بلا شبہ مشورے دینے والے حضرت امامؑ کے سچے ہمدرد وبہی خواہ بھی تھے مگر اس کے باوجود حضرت امام حسینؓ نے انہیں قبول نہ فرمایا اور عازم کوفہ ہو گئے۔ اس سے تاریخ میں حضرت امامؑ کے تدبر و فراست کے متعلق بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں اور بعض سطحی نظر رکھنے والوں اور ان لوگوں نے جو اس عہد کی تاریخ سے پوری طرح واقف نہیں حضرت حسینؓ پر اعتراض کیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اس مقام پہ بیان کی جائے گی جہاں حضرت امامؑ پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں گے۔

تلواروں کے سائے میں

(خطباتِ حسینؓ)

تلواروں کے سائے میں

(خُطبَاتِ حُسَینؓ)

حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کا خط پاکر حضرت امام حسینؓ نے سفر کی تیاری شروع کردی اور ۸ ذوی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں بھی آپ کے بعض دوستوں نے کوفہ جانے سے منع کیا اور مکہ سے کوفہ تک مختلف مقامات پر مختلف لوگوں سے ملاقات ہوئی جنھوں نے آپ کے اس اقدام سے اختلاف کیا اور ان سب کے اختلاف کی وجہ یہی تھی کہ اس راہ میں انہیں حضرت امامؓ کی جان جانے کا خطرہ تھا مگر حضرت حسینؓ ان حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے منزلِ شہادت کی جانب بڑھتے ہی رہے۔ راستے میں آپ جن جن مقامات سے گزرے ان مقامات کے لوگوں نے آپ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور ہر مقام سے لوگ آپ کے قافلے میں شامل ہوتے گئے تاآنکہ آپ

ذی حشم نامی مقام پر پہونچے جہاں ابن زیاد نے حُر بن یزید تیمی کو ایک لشکر جرار کے ساتھ آپ کو آگے بڑھنے سے روکنے پر متعین کر دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ حسینؑ کو گھیر کر کوفہ لے آنا۔ خبردار انہیں اور کسی طرف مت جانے دینا۔ یہیں آپؑ کو حضرت مسلمؑ بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی المناک خبر ملی۔

پہلا خطبہ

چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور فرمایا:۔

"لوگو! ہمیں نہایت المناک خبریں ملی ہیں۔ مسلمؑ بن عقیلؓ ہانیؒ بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر قتل کر دیئے گئے ہیں۔ ہمارے شیعوں نے بے وفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں رہا۔ تم میں سے جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے ہم ہرگز خفا نہیں ہوں گے۔" (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۲۹۲)

آپ کی یہ تقریر سن کر بیشتر لوگ آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ البتہ وہ لوگ باقی رہ گئے جو آپ کے ساتھ مکہ اور مدینہ سے آئے تھے یا راستے میں شریک ہونے والوں میں سے وہ لوگ ثابت قدم رہے جو کسی منفعت کی خاطر نہیں بلکہ آپ کی محبت کی وجہ سے شریک سفر ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اذان دی جائے یہ ظہر کا وقت تھا اور حر کا لشکر آپ

کے لشکر کے سامنے خیمہ زن تھا چنانچہ اذان دی گئی اور ایک روایت کے مطابق حر اور اس کے لشکر نے آپ کی امامت ہی میں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل تقریر کی۔

دوسرا خطبہ

"اے اہل کوفہ! میں خدا اور تمہارے سامنے ایک عذر پیش کرتا ہوں اور وہ عذر یہ ہے کہ میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا۔ جب تک کہ تمہاری طرف سے بے شمار خطوط اور وفود میرے پاس نہ آئے اور مجھ سے یہ نہ کہا گیا کہ ہم بغیر امام کے ہیں۔ آپ آجائیے تاکہ خدا آپ کے ذریعہ سے ہمیں راہِ راست پر ڈال دے۔ اب جب کہ میں تمہارے پاس آگیا ہوں اگر تم اپنا عہد پورا کرنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے شہر کو چلوں اور اگر تمہیں میرا آنا برا معلوم ہوا ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں"۔

(تاریخ طبری جلد ہفتم ص۲۹۷)

اس کے بعد آپ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ نماز عصر کے وقت آپ پھر باہر تشریف لائے اور پھر ایک تقریر کی۔

تیسرا خطبہ

"اے لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور حق کو پہچانو تو یہ اللہ عزوجل کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔ ان ظالموں اور حق نشناسوں سے جو مدعیٔ امارت ہیں ہم زیادہ مستحقِ خلافت ہیں لیکن اگر تم کو یہ امر ناگوار ہو اور نہاری وہ رائے اب بدل گئی ہو جو تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کی تھی تو ہم واپس چلے جائیں۔"

(تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۲۹۸)

یہ تقریر سن کر حُر نے کہا کہ آپ کون سے خطوط اور کن قاصدوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ ہم نے نہ تو کوئی قاصد آپ کی طرف بھیجا اور نہ کوئی خط لکھا یہ سن کر حضرت امام حسینؓ نے خطوط لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق ان خطوط سے بھری ہوئی ایک پوری تھیلی الٹ دی گئی۔ مگر حُر نے ان خطوط کے متعلق اپنی بریت کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمیں تو امیر کا حکم یہ ہے کہ ہم آپ کو سوائے کوفہ کی اور کسی طرف نہ جانے دیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے قافلے کو مدینہ واپس چلنے کا حکم دیا۔ قافلہ تیار ہو گیا مگر جب انہوں نے مدینہ کی طرف سفر کا رخ کیا تو حُر کا لشکر سامنے آگیا اور اس نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس پر حضرت امام حسینؓ اور حُر کے ساتھیوں میں تلخ کلامی ہونے لگی اور قریب تھا کہ جنگ کی نوبت آجائے گی مگر حضرت امام حسینؓ نے معاملہ

رفع دفع کر دیا۔ ادھر حُر بھی آپ سے جنگ کرنا پسند نہ کرتا تھا اس لئے اس نے آپ کو مشورہ دیا کہ "مجھے آپ کے ساتھ لڑنے کا حکم نہیں ملا مجھے صرف یہ حکم ہے کہ اس وقت تک آپ کے ساتھ رہوں جب تک کہ آپ کو کوفہ نہ لے آؤں۔ اگر آپ پسند کریں تو ایسے راستے پر سفر کیجئے جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ اس دوران میں میں ابن زیاد کو صورتِ حال کی اطلاع دے دوں گا۔ آپ بھی یزید کو خط لکھئے شاید خدا کوئی ایسی صورت پیدا کر دے جو مجھے آپ کے معاملے میں مواخذے سے بچالے۔"

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص۲۰)

حضرت امام حسینؓ نے حُر کا یہ مشورہ قبول فرمالیا اور کوفہ یا مدینہ کی طرف رُخ کرنے کے بجائے قادسیہ کے بائیں جانب سفر شروع کر دیا۔ مقام بیضہ پر پہونچ کر نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے اذان دی گئی اور نماز کے بعد آپ نے پھر ایک پُراثر خطبہ ارشاد فرمایا۔

چوتھا خطبہ

"اے لوگو! رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی ظالم بادشاہ کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالےٰ کے محرمات کو حلال کرتا ہے رسولؐ اللہ کی پیروی نہیں کرتا ہے۔ خلق اللہ میں ظلم و گناہ کے کام کرتا ہے اور اس نے کسی قسم کی دست اندازی نہ قولی یا عملی

نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس کے ساتھ ہی شمار کرے گا۔

آگاہ ہو جاؤ کہ ان لوگوں (یزید وامرائے یزید) نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی تابعداری شروع کر دی ہے۔ فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ حدود شرعی سے دست کش ہو گئے ہیں۔ مالِ غنیمت کو اپنا مال سمجھ لیا ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے ان حالات میں غیرت آنے کا موقع سب سے زیادہ میرے ہی لئے ہے۔

تمہارے بکثرت خطوط اور قاصد میرے پاس آئے اور تم نے میری بیعت کرنے کے لئے مجھے بلایا۔ اب تم مجھے رسوا نہ کرو اگر اپنی بیعت پر قائم رہو گے تو راہِ حق پاؤ گے میں فاطمہؓ بنت محمدؐ اور علیؓ کا بیٹا حسینؓ ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ اور میرے اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ساتھ ہیں۔ تم کو میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہیئے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور عہد شکنی کی تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے تم نے میرے والد، میرے برادر حقیقی اور عم زاد مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ بھی تو یہی سلوک کیا تھا۔ افسوس کہ تم لوگ مجھے دھوکا دے

کر اپنی دین داری کا حصہ ضائع کر رہے ہو۔ جو شخص بد عہدی
کرے گا وہ اپنی جان کے ساتھ بد عہدی کرے گا اور جلد
ہی خدا تعالیٰ مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا"

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص۲۱ و ۴۰)

حضرت امام حسینؓ کی یہ مصلحانہ تقریر سن کر حرؓ نے کہا کہ خدا سے ڈریئے
میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کے لئے نکلے تو ہلاک ہو جائیں گے
اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا :۔

پانچواں خطبہ

"کہ تم مجھے موت سے خوفزدہ کرنا چاہتے ہو میں اس کے جواب میں
وہی بات کہوں گا جو رسول اللہ کے ایک صحابی نے اپنے
چچازاد بھائی سے کہی تھی جو اس صحابی کو یہ کہہ کر رسول اللہ کی امداد
سے باز رکھنا چاہتا تھا کہ اگر تم محمدؐ کی حمایت میں لڑنے نکلے تو ہلاک
کر دیئے جاؤ گے"۔ صحابی نے جواب میں یہ اشعار پڑھے تھے۔

سامضی وما بالموت عار علی الفتیٰ	"میں جلد ہی روانہ ہو جاؤں گا اور جب
اذا ما نوی خیراً وجاھد مسلما	مرد کی نیت نیک ہو اور مسلمان کی
وواسیٰ رجالاً صالحین بنفسہ	مانند جہاد کرے اور نیکوں پر جان نثار
وخالف مثبوراً وفارق مجرما	کرتا ہو اور مجرموں سے علیحدہ رہتا ہو

فان عشتُ لم اندم وان مت لم الم — تو اسے مرنے میں کوئی عار نہیں
کفی بک ذلاً ان تعیش وترغما — ہو سکتی اگر میں زندہ رہا تو شرمندگی
(ابن اثیر جلد چہارم ص۴۹) — نہ ہوگی اور اگر مارا گیا تو ملامت نہ ہوگی

مگر خوار و زبوں ہو کر زندہ رہنے میں تو بڑی ذلت ہے۔"

حضرت امام حسینؓ کا یہ جواب سن کر حرّ ایک طرف کو ہٹ گیا۔ قافلہ چل رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ حرّ اپنا لشکر لئے نگرانی کرتا جا رہا تھا۔ کچھ دور چل کر حضرت امام حسینؓ کی آپ کے چند عقیدت مندوں سے ملاقات ہوئی یہ لوگ کوفہ کی خبریں لے کر آپ کے پاس آ رہے تھے۔ طرماح بن عدی ان کے قائد تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسینؓ کو بتایا کہ کوفہ کے لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں کیونکہ ان کے رؤساکو گراں قدر رقمیں دی گئی ہیں لیکن عام لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر کل کو اگر لڑائی ہوئی تو ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہوں گی۔ اس کے بعد طرماح نے آپ کے ایک قاصد قیس بن مسہرؒ کی شہادت کی خبر دی۔ یہ خبر سن کر آپ کو بے حد قلق ہوا۔ اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپؓ نے ان کی مغفرت کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ "اے خدا ہمیں اور ان لوگوں کو جنت میں جگہ دے اور ہمارے نیز ان کے لئے ثواب کا بہترین حصہ مخصوص کر دے۔"

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص۴۱)

حضرت حسینؓ کو ایک مشورہ

اس کے بعد طرماح نے حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں بہ طور مشورہ عرض کیا کہ "آپ کے ساتھ ایک قلیل جماعت ہے اور اس تعداد کے لیے تو (حرؓ کے لشکر کی جانب اشارہ کر کے) یہی لوگ کافی ہیں۔ کوفہ سے چلتے وقت میں نے وہاں فوجوں کا اتنا بڑا اجتماع دیکھا ہے کہ ایک میدان میں اتنی بڑی تعداد اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پس آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے اس جگہ سے ایک بالشت بھر آگے نہ بڑھئے اور اگر آپ کسی ایسے مقام پر جانا پسند کریں جہاں کے لوگ اس وقت تک آپ کی حفاظت کریں تا وقتیکہ آپ اپنے آئندہ اقدام کے متعلق کوئی آخری فیصلہ نہ کر لیں تو میرے ساتھ تشریف لے چلئے اور ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام فرمائیے۔ یہ وہی پہاڑ ہے کہ بخدا ہم نے غسان و حمیر اور نعمان بن منذر وغیرہ کو اسی کی بدولت آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ جو بھی ہمارے پاس آیا ہم نے اسے رسوا نہیں کیا۔ وہاں چل کر آپ طے کے قبیلوں کو اپنی امداد کے لیے بلا لیجئے گا اور وہ لوگ دس روز میں سواروں اور پیادوں کے ساتھ آپہونچیں گے۔ جب تک مناسب سمجھیں آپ وہاں قیام فرمائیں۔ اگر وہاں کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا تو طے کے بیس ہزار جواں مرد اپنی تلواریں آپ کے لئے بے نیام کر دیں گے اور آپ کو کوئی گزند نہ پہونچنے دیں گے۔"

طرماح کی یہ پیش کش سن کر حضرت امام حسینؓ نے ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ "چونکہ ہم حُر اور اس کے لشکر کے ساتھ ایک عہد کر چکے ہیں اس لئے اب تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھتے" (الکامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ ۴۱)

میدانِ کربلا میں

نینوا کے قریب پہونچکر حُر کو ابن زیاد کا قاصد ملا جو اس کے نام یہ فرمان لایا تھا کہ حسینؓ کو ایسے مقام پر لے جا کر اتار دو جہاں نہ کوئی قلعہ ہو اور نہ دریا یا چشمہ۔ جب حضرت امام حسینؓ کو ابن زیاد کے اس فرمان کی اطلاع دی گئی تو آپ کے اہل لشکر سخت مشتعل ہو گئے اور انہوں نے حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمیں اجازت دیں تاکہ ہم ان لوگوں کا جھگڑا پاک کر دیں کیونکہ اب جو لشکر آئے گا وہ اس لشکر سے زیادہ قوی ہوگا اور اس کا مقابلہ کرنا زیادہ دشوار ہوگا مگر حضرت حسینؓ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں از خود لڑائی کا آغاز نہ کروں گا۔ اس کے بعد قافلہ پھر آگے کو روانہ ہو گیا اور ۲ محرم ۶۱ھ کو اس مقام پہ پہونچ کر خیمہ زن ہو گیا جو تاریخ عالم میں کربلا کے المناک نام سے مشہور ہے (الکامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ ۴۳، ۴۲)

حضرت امام حسینؓ کے کربلا پہونچنے کے دوسرے روز یعنی ۳ محرم ۶۱ھ کو عمرو بن سعد ایک بہت بڑا لشکر لے کر حضرت امام حسینؓ کے مقابلے کے لئے پہونچ گیا۔ کربلا پہونچ کر اس نے پہلے کثیر بن عبداللہ شعبی

گورنر کے ناکام واپس آنے کے بعد قرہ بن سعد حنظلی کو حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ آپ یہاں کس مقصد سے تشریف لائے ہیں۔ حضرت امام حسینؓ نے جواب دیا کہ تمہارے شہر کے لوگوں نے بہ اصرار مجھے بلایا تھا۔ اگر اب انہیں میرا آنا ناگوار گذرا ہے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔ ابن سعد نے حضرت حسینؓ کا یہ جواب سن کر کہا کہ مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ میرے ہاتھ حسینؓ کے خون سے آلودہ نہ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے ابن زیاد کو حضرت امام حسینؓ کا یہ جواب لکھ کر بھیجا اور یہ بھی تحریر کیا کہ حسینؓ جنگ وجدل سے احتراز کر رہے ہیں مگر ابن زیاد نے اس خط کا حوصلہ افزا جواب نہ دیا بلکہ ابن سعد کو لکھا کہ ــــ تم حسینؓ اور ان کے ساتھیوں سے فی الفور بیعت لینے کی کوشش کرو۔ باقی باتیں اس کے بعد سنی جائیں گی۔ یہ تحریر پڑھ کر ابن سعد کو جو حضرت حسینؓ سے جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا رنج ہوا اور اس نے کہا کہ "معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن زیاد امن وآشتی کو پسند نہیں کرتا۔"

(تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۳۱۱)

پانی کی بندش

اس فرمان کے دوسرے روز ابنِ زیاد کا ایک اور حکم ابن سعد کے نام پہونچا جس میں اسے ہدایت کی گئی تھی کہ پانی پر پہرے بٹھا دو اور حسین

طرح امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو پیاسہ شہید کیا گیا اسی طرح حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کردو۔ چنانچہ ابن سعد نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ دریائے فرات پر متعین کر دیا اور حکم دے دیا کہ حسینؓ یا اُن کے ہمراہی پانی نہ لینے پائیں۔ (تاریخ طبری جلد ہفتم صـ۳۱۲)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قافلہ حسینؓ تشنگی کی وجہ سے سسکنے لگا چھوٹے چھوٹے بچوں کا پانی کے لئے بلکنا اور مستورات کی تکلیفیں ناقابل برداشت تھیں۔ آخر کار جب پیاس کی تکلیف حد سے گذر گئی تو مجبوراً حضرت امام حسینؓ نے ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا اور اپنے بھائی حضرت عباسؓ بن علیؓ کو بیس پیدل اور تیس سواروں کی جمعیت لے کر پانی لانے کی ہدایت فرمائی۔ قافلہ حسینؓ کا یہ شیر دل جوان جب چشمے پر پہونچا تو شامی فوج کا سالار عمرو بن حجاج راستہ روکنے کے لئے بڑھا مگر حضرت عباسؓ نے تلوار کھینچ لی اور سواروں کو مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ سوار تلواریں چلا رہے تھے اور پیادے فرات سے مشکیں بھر رہے تھے۔ جب پانی کی مشکیں بھر لی گئیں تو حضرت عباسؓ نے اپنے دستے کو واپسی کا حکم دیا اور شامی فوج منہ دیکھتی رہ گئی۔ (اخبار الطوال صـ۲۶۶)

حضرت حسینؓ کی شرائطِ ثلاثہ

جب معاملہ طول پکڑنے لگا تو ابنِ سعد کو خیال گذرا کہ ابن زیاد کہیں

مجھ پر اس معاملے میں لیت و لعل کرنے کا الزام نہ لگائے چنانچہ اس نے حضرت حسینؓ کی خدمت میں قاصد بھیج کر پھر بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں حضرت حسینؓ نے ابن زیاد کو پیغام بھیجا کہ اس سلسلے میں گفتگو کرنے کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے ملاقات کر لیں۔ چنانچہ رات کو ابن سعد اور حضرت امام حسینؓ کی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں آپ نے ابن سعد کے سامنے تین صورتیں پیش کیں۔

اوّل: میں جہاں سے آیا ہوں وہیں چلا جاؤں۔

دوم۔ یا مجھے کسی سرحدی علاقے میں بھیج دو۔

سوم۔ یا پھر مجھے یزید کے پاس چلا جانے دو۔ میں اس سے اپنا معاملہ خود طے کر لوں گا۔ (تہذیب التہذیب صہ ۳۵۲)

یہ شرائط سن کر ابن سعد کو یک گونہ اطمینان ہو گیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ابن زیاد ان میں سے کوئی نہ کوئی شرط ضرور منظور کرے گا۔ چنانچہ دوسرے روز علی الصبح اس نے حضرت امام حسینؓ کی شرائط اور آپ سے اپنی ملاقات کا حال لکھ بھیجا مگر افسوس کہ ابن زیاد نے حد درجہ ظالمانہ طرز عمل اختیار کیا اور اس نے مصالحت کی ساری کوششیں ناکام بنا دیں۔ ابن سعد کے خط کے جواب میں اس نے لکھا کہ:۔

"میں نے تمہیں وہاں اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تم حسینؓ کے

معاملے کو طول دو اور انہیں مہلت دیتے رہو نہ اس لئے بھیجا ہے کہ ان کی سفارش کرو بلکہ تمہارا فرض یہ ہے کہ حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں کو میرا حکم ماننے پر مجبور کرو اگر مان لیں تو سب کو ہمارے پاس لے آؤ بصورت دیگر ان پہ حملہ کردو کیونکہ یہ نافرمان اور سرکش لوگ ہیں۔ اگر تم یہ کام نہ کر سکو تو اپنے اختیارات شمر ذی الجوشن کے سپرد کردو اور خود علیحدہ ہو جاؤ۔ وہ میرے حکم کی تعمیل پوری طرح کریں گے۔" (تاریخ طبری جلد ہفتم ص۳۱۶)

چونکہ اب مفر کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی اور شمر ذی الجوشن ابن سعد پر مسلط تھا۔ اس لئے اس نے ابن زیاد کے فرمان سے حضرت امام حسینؓ کو مطلع کر کے بیعت یا جنگ کی آخری دعوت دیدی۔ حضرت امامؓ نے ایک روز کی مہلت مانگی۔ اور اس کے بعد اپنے قافلہ کے لوگوں کے سامنے مندرجہ ذیل تقریر ارشاد فرمائی۔

چھٹا خطبہ

"میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور ظاہر و پوشیدہ اس کی تعریف کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تیرا شکر گذار ہوں کہ تو نے ہمارے جد کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور ہم کو سننے والے کان اور پہچاننے والی آنکھیں عطا فرمائیں۔ ہمیں قرآن کی تعلیم اور

دین کی سمجھ دی۔ پس ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔

اما بعد۔ میں اپنے ہمراہیوں سے زیادہ نہ کسی کو باوفا سمجھتا ہوں اور نہ ان سے زیادہ کوئی شخص رشتے کا لحاظ رکھنے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ تم سبھوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کل یہ اعداء محمدؐ سے ضرور لڑیں گے۔ میں تم کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ جس کا جس طرف جی چاہے چلا جائے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہ ہو گی تم سب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے گا۔ تم اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی طرف منتشر ہو جاؤ۔ شاید اللہ تعالیٰ تمہیں اس تکلیف سے بچا لے کیونکہ شامی میرے خون کے پیاسے ہیں۔ جب مجھے پالیں گے تو پھر کسی کی جستجو نہ کریں گے۔"

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم)

فدائیوں کے جذبات

حضرت امامؓ کی یہ تقریر سن کر آپ کے اہلِ قافلہ میں قیامت برپا ہو گئی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہوئی اور کوئی دل ایسا نہ تھا جو لرز لرز نہ گیا ہو۔ بات بھی ایسی ہی تھی کہ وہ شخص جو اہل قافلہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا اور

جس کی جان سب سے زیادہ خطرے میں تھی وہ سارے خطرات سے بے نیاز اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو بچانے کی فکر کر رہا تھا۔ اسے اپنی موت کا غم نہیں تھا۔ اپنے وفادار ہمراہیوں کی زندگی کی فکر تھی۔ حضرت امام حسینؑ کے ان پاکیزہ جذبات نے ہر شخص کے دل کو آپ کی غیر معمولی محبت سے بھر دیا اور انہوں نے کھڑے ہو ہو کر اعلان کیا کہ ہم میں سے ایک شخص بھی آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوگا۔ جب تک کہ دشمن کی تلوار ہماری زندگی اور موت میں جدائی نہ ڈال دے۔

حضرت مسلم بن عقیلؑ کے عزیزوں نے کہا کہ "خدا ہم کو وہ روز بد نہ دکھائے کہ آپ نہ ہوں اور ہم زندہ رہیں۔ جب ہم اس حالت میں اپنے گھروں کو جائیں گے تو لوگوں سے کیا کہیں گے یہ کہ اپنے سید و آقا اور اپنے ابن عم کو تنہا چھوڑ دیا اور ان کی خاطر ایک تیر نہ چلایا۔ نہ کوئی نیزہ مارا اور نہ تلوار کا ایک وار کیا۔ بخدا ہم یہ نہیں کریں گے۔ ہم اپنا مال و اسباب، اپنے اہل و عیال حتیٰ کہ اپنی جانیں تک آپ کے اوپر سے قربان کر دیں گے۔ آپ کے بعد جینے میں کوئی لطف نہیں۔"
(الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص۲۸)

اس کے بعد حضرت مسلم بن عقیلؑ کے مشن کے مشہور رکن مسلم بن عوسجہ اسدی نے کھڑے ہو کر مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

"یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ دیں خدا کے سامنے ہم کیا عذر کریں گے۔ بخدا میں آپ کی حمایت سے دستکش نہ ہوں گا تاوقتیکہ اپنا نیزہ دشمن کے سینے میں نہ توڑ دوں اور تلوار کے جوہر نہ دکھا لوں۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس تلوار نہ ہوتی تو دشمن پر پتھروں سے یلغار کرتا یہاں تک کہ اپنی جان آپ پر سے قربان کر دیتا۔"

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم و طبری جلد ششم ۲۳۹)

اس کے بعد سعد بن عبداللہ حنفی نے اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

"بخدا ہم آپ کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ یہ نہ دیکھ لے کہ رسول اللہ کے وصال کے بعد بھی ہم نے حضورؐ کے احکام کو نظر انداز نہ کیا اگر مجھے اس بات کا یقین ہو جاتا کہ میں ستر بار قتل ہوں گا اور ہر بار زندہ کیا جاؤں گا اور میری نعش کو آگ میں جلا کر اس کی خاک کو بھی منتشر کر دیا جائے تو پھر بھی میں آپ کی امداد سے کنارہ کشی اختیار نہ کرتا یہاں تک کہ موت سے ملاقات کر لیتا۔ اور اب تو معلوم ہے کہ ایک ہی بار مرنا ہے اور

اس موت میں ہمیشہ کی عزت ہے۔" (الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص۹۱)

ایسی ہی تقریریں زہیر بن قین اور بعض دوسرے جاں نثاروں نے بھی کیں اور حقیقت یہ ہے کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ ان تقریروں کا ایک ایک لفظ مبالغے سے قطعاً خالی تھا۔ انہوں نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا اور جب تک وہ زندہ رہے دشمن حضرتِ حسینؓ کو کوئی گزند نہیں پہونچا سکا۔ تاریخ اس جاں نثاری کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دشمن نے جو مہلت دی تھی اس کے گذرنے میں صرف ایک رات باقی تھی، اس لئے آپ نے سب کو رخصت کیا اور خود عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ یہ ساری رات آپ نے قیام و سجود میں بسر کی اور نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا جب فوج کی ترتیب قائم ہو گئی تو آپ گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کی صفوں کے قریب گئے اور اسے مخاطب کر کے مندرجہ ذیل تقریر ارشاد فرمائی:۔

ساتواں خطبہ

"اے لوگو! تم میری بات سنو۔ عجلت نہ کرو تا آنکہ جہاں تک مجھ پر واجب ہے میں تم کو سمجھا نہ لوں اور میں اپنے آنے کا سبب تم سے نہ بیان کر لوں۔ پس اگر تم میرے عذر کو قبول

کرلوگے اور میری بات کی تصدیق کروگے اور حق پسندی سے کام لوگے تو یہ تمہاری سعادت مندی ہے۔ اور اس میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا اور اگر تم میرا عذر قبول کرنا نہ چاہتے ہو تو تم لوگ مجتمع ہو اور اپنے شرکاء کو یک جا کرو تاکہ تم پر کوئی امر مشتبہ نہ رہے۔ اس کے بعد میرے سامنے آؤ اور مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ بلاشبہ اللہ میرا مددگار ہے جس نے کتاب اتاری اور صالحین کا ولی ہے۔

اما بعد۔ تم لوگ میرے نسب پر نظر کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں۔ پھر اپنی حالت کی طرف رجوع کرو کیا میرا قتل کرنا اور میری آبروریزی تمہیں روا اور جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں اور اس کے ولی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سیدالشہداء حمزہؓ اور جعفر طیار میرے باپ کے چچا نہ تھے۔ کیا تم کو یہ خبر پہونچی ہے کہ رسول اللہ نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ھے کہ یہ دونوں نوجوانانِ جنّت کے سردار ھیں۔

پس جو کچھ میں نے کہا ہے تم اس کی تصدیق کرو۔ خدا کی قسم جب سے مجھے یہ معلوم ہُوا ہے کہ جھوٹ بولنے سے

خدا ناراض ہوتا ہے اس وقت سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر ان سے دریافت کرو تو وہ تمہیں اس سے آگاہ کریں گے جابرؓ بن عبداللہ۔ ابو سعیدؓ خدری۔ سہلؓ بن سعد۔ زیدؓ بن ارقم، اور انسؓ بن مالک ابھی زندہ ہیں ان سے دریافت کرو یہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے رسولؐ اللہ سے کیا سنا ہے۔ کیا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو تم کو میری خون ریزی سے روک دے۔ اگر تمہیں میرے بیان پہ شبہ ہے یا میرے نواسۂ رسولؐ ہونے پر شک کرتے ہو تو واللہ مشرق و مغرب کے مابین میرے سوائے تم میں یا کسی غیر میں تمہارے نبیؐ کا کوئی نواسہ موجود نہیں ہے۔

آخر تم مجھ سے کس بات کا عوض طلب کرتے ہو کیا میں نے تم میں سے کسی کو قتل کر دیا ہے کسی کا مال مار لیا ہے آخر کس بات کا قصاص چاہتے ہو" (تاریخ طبری جلد ہفتم صہ ۳۲۹-۳۳۰)

اس کے بعد آپؑ نے شبث بن ربعی - حجار بن ابجر - قیس بن اشعث اور یزید بن حارث کو نام لے لے کر پکارا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں نے مجھ کو اپنے خطوط میں یہ نہیں لکھا تھا کہ "فصل پک چکی ہے خرموں کے

باغات سرسبز ہیں۔ دریا طغیانی پر ہیں۔ لشکر آراستہ ہیں آپ فی الفور آجائیے"
مگر ان سب لوگوں نے بیک زبان اپنے لکھے ہوئے خطوط کا انکار کر دیا۔
اس پر آپ نے فرمایا "سبحان اللہ۔ بخدا یہ خط تم ہی نے لکھے تھے لیکن اگر
اب تمہیں میرا آنا پسند نہیں ہے تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں کسی طرف نکل جاؤں گا"
آپ کی تقریر سن کر قیس بن اشعث نے کہا کہ آپ اپنے چچازاد بھائی کی بات
کیوں نہیں مان لیتے (یعنی یزید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے) وہ آپ کی
مخالفت نہیں کریں گے اور نہ آپ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں گے"
اس کے جواب میں حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ:۔

"آخر تم انہیں کے تو بھائی ہو۔ بخدا میں ذلت
کے ساتھ اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ کبھی نہ
دوں گا اور نہ اس طرح قول و قرار کروں گا
جس طرح غلام کرتا ہے۔" (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۴۳)

خطباتِ حسینؓ کی توضیح و تشریح

یہ واقعہ بھی کتنا تلخ اور کس قدر اندوہناک ہے کہ ایک عظیم المرتبت انسان
جس امت کی تعلیم و تربیت میں تمام عمر مصروف رہا۔ جسے انسانیت کے
بلند مدارج پر پہونچانے کی کوشش کرتا رہا۔ جس کے معاشرے کو زندگی کی
حقیقی نعمتوں سے بہرہ اندوز کرنے میں سرگرم کار رہا۔ ایک دن ایسا بھی آیا

جب اسی زمین پر اسی آسمان نے دیکھا کہ وہی امت جو اس کے زیرِ تربیت رہ چکی تھی، اسی کا ایک حصہ اس کی جان کا دشمن ہو گیا۔ اس پر چاروں طرف سے یلغار کرتا ہوا بڑھا اور مطالبہ کیا کہ اپنے بتائے ہوئے اصولوں کو اپنے پاؤں تلے روندو۔ اپنے ارشادات کی اپنے ہی فعل سے تردید کرو۔ اپنی تعلیمات کا خود ہی مضحکہ اڑاؤ ورنہ ہم تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔ نہ صرف تمہیں بلکہ تمہارے اہلِ خاندان، تمہاری اولاد یہاں تک کہ صغر سن بچے کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔

یہ وہ گراں قدر صلہ تھا جو احسان مند اپنے محسن کو دے رہے تھے اور جسے قبول کرنے کے لئے یہ محسن بڑی پامردی، جرأت اور استقلال سے قدم بڑھا رہا تھا کہ وہ صرف عالم یا معلم ہی نہیں عامل بھی تھا اور اب علم کا نہیں عمل کا وقت تھا۔ لیکن سیدنا حضرت امام حسین نے میدان کربلا میں نزولِ اجلال فرمانے کے بعد بھی سلسلۂ رشد و ہدایت منقطع نہیں کیا، اپنی قوم کی تربیت اور اسے نیک و بد میں امتیاز کرنے کی سعی بلیغ سے وہ اس وقت بھی کنارہ کش نہ ہوئے۔ ان کے خطبات اس خیال کی پرزور تائید کرتے ہیں۔

پیکرِ شجاعت و استقلال حسینؓ بن علیؓ کے وہ خطبات جو انہوں نے سفر کربلا کے دوران میں یا عین میدان کربلا میں ارشاد فرمائے جہاں

اس لحاظ سے قابل قدر ہیں کہ ان میں امت کے ایک گمراہ عنصر کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی گئی ہے وہاں ان خطبات کا ایک ایک لفظ عقیدتمندان حسین رضؓ کے لئے گوہر آبدار سے بھی زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے کیونکہ وہ اُن کے مُرشد۔ ان کے رہنما اور ان کے بہت بڑے مصلح کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ یہ خطبات ایک ایسی شخصیت کے خیالات کی آئینہ داری کرتے ہیں جس نے موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر بلکہ اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے پاکر بھی دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کے ساتھ اپنے اصول اور اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔ اس نے موت کے بے رحم ہاتھوں کی گرفت سے خائف ہو کر ایک دشمنِ اسلام کے ہاتھ میں ہاتھ دینا پسند نہیں کیا۔ یہ خطبات ایک ایسے با اصول اور جری دل انسان کے خطبات ہیں جو زندگی بھر انسانیت کے اعلےٰ اصولوں کی حفاظت کرتا رہا اور جو ملوکیت اور شہنشاہیت کے خلاف برسرِپیکار ہو کر اسلام کو بھی سربلند کر گیا اور خود بھی زندۂ جاوید ہو گیا۔

ایک مشہور مقولہ ہے کہ ہر انسان کی تقریر و تحریر اس کی شخصیت اور اس کے کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے ۔ اگر ہمیں کسی شخص کے خیالات اور کردار کی تہہ تک پہونچنا ہو تو اس کی تحریر یا تقریر کا تجزیہ کرنا چاہیئے اور اسے ہر پہلو سے دیکھنا چاہیئے۔ حضرت امام حسین رضؓ کے خطبات کو جب اس

نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہمیں ان میں حضرت امامؑ کے علاوہ مرتبت انسان دوستی، عظمتِ کردار۔ امن پسندی اور فتنہ و فساد سے اجتناب کی جھلکیاں بھی صاف نظر آتی ہیں۔

حضرت امامؑ نے پہلا خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب آپ کو کوفہ کے قریب پہونچ کر حضرت مسلمؑ بن عقیلؓ کے سانحہ شہادت کی خبر ملی اور جس میں آپ نے اپنے ساتھیوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی یہ خطبہ آپ کا کردار سمجھنے کی کوشش کرنے والوں کو یہ بتاتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو لوگوں کو حیلوں بہانوں اور فریب کاریوں سے اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں جن کا مقصد صرف مطلب برآری ہوتا ہے۔ حسینؑ کسی کو بہ زورِ شمشیر یا فریب دے کر اپنی خاطر کسی مصیبت میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ ایک صاف گو اور مومنانہ کردار کے حامل بزرگ تھے۔ وہ ایک کھلی ہوئی کتاب تھے جسے ہر شخص ہر وقت پڑھ سکتا تھا اس خطبے سے ثابت ہوتا ہے کہ حسینؑ وہی کہتے تھے جو حقیقت کے عین مطابق ہوتا تھا۔ اس کے نتائج خواہ کچھ ہوں لوگ ان کا ساتھ دیں یا نہ دیں انہیں اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔

دنیا ایسی ایک مثال بھی نہیں پیش کر سکتی کہ ایک شخص خطرناک مصیبت میں گھرا ہو وہ جن لوگوں کے بلاوے پر ایک مخدوش علاقے

میں گیا ہو وہی اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہوں۔ ہر طرف دشمن ہی دشمن ہوں اور خطرات فوج در فوج اس پر منڈلا رہے ہوں۔ عالم غریب الوطنی کا ہو مگر پھر بھی وہ اپنے ساتھیوں کو جو پہلے ہی بہ آسانی انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہوں اپنا ساتھ چھوڑنے کی اجازت دیدے اور اس قدر وسعتِ قلب اس قدر اطمینان اور جرأت سے یہ کہہ دے کہ:۔

"جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے

ہم ہرگز خفا نہیں ہوں گے ـــــــــ"

حضرت امام حسینؓ کے ان الفاظ سے جہاں ان کی صاف گوئی، راست بازی اور جرأت و شجاعت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ظاہری سامان و اسباب، انسانی قوت اور مادی ذرائع پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی تو ان چیزوں کو پرِکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے۔ حضرت امام کا یہ خطبہ عالم انسانیت کو یہ بلند پیغام دیتا ہے کہ جو لوگ حق کی مدافعت اور اپنے مستحکم اصولوں کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں آئیں انہیں اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے کہ ہماری طاقت کتنی ہے اور ہمارا انجام کیا ہوگا۔ انہیں تو صرف ایک ہی لگن ہونی چاہیئے اور وہ یہ کہ ہمارا پیر جادۂ حق سے نہ ہٹنے پائے۔ ہم سے اصول شکنی کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ انجام

کو خدا پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

حضرت امامؑ کے اس خطبے میں ایک اور نکتہ بھی پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ کوئی سالار اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا جب تک اُس کی فوج دل سے اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ جبراً بھرتی کی ہوئی فوج یا وہ لشکر جو دل سے اپنے سالار کا مطیع و فرماں بردار اور اس کے اغراض و مقاصد سے متفق نہ ہو وقت پڑنے پر گوشت کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ جن لوگوں نے ہمیں بلایا تھا وہ ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ اب ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں رہا جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ اس اعلان کے بعد بھی ساتھیوں کی جو تعداد باقی رہ جائے گی وہی حقیقی جاں نثار ثابت ہو گی اور نازک وقت آنے پر کم از کم اندرونی خلفشار کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا۔ اس اعتبار سے یہ کہنا مبالغے سے قطعاً خالی ہے کہ حضرت امام حسینؓ بڑے فرس الانسان تھے وہ پوری سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ اعلیٰ درجے کے کمانڈر بھی تھے اور انہیں میدان جنگ کے نشیب و فراز سے پوری آگاہی تھی۔

حضرت امامؑ کا موقف

حضرت امام حسینؓ نے دوسرا خطبہ حُر کے لشکر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا

جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ میں تمہارے پاس خود نہیں آیا بلکہ تمہاری پیہم دعوتوں کے بعد آیا ہوں، اگر تمہاری پہلی رائے اب بدل گئی ہو اور تمہیں میرا آنا پسند نہ ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں ۔ حضرت امام کا یہ خطبہ آپ کی امن پسندی کی نشاندہی کرتا ہے اور آپ کے موقف پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے ۔ حضرت حسینؓ نے یہ خطبہ دے کر ثابت کر دیا کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو ذاتی اقتدار کے لئے جنگ کرتے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے خلقِ خدا کا خون بہاتے ہیں ۔ آپ کے یہ الفاظ کہ :۔

"اے لوگو! میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا
جب تک کہ تمہارے خطوط اور قاصد میری
طلبی کے میرے پاس نہیں گئے"

ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اپنی طرف سے کسی ہنگامے کی ابتدا کریں اور تاریخ کی ان شخصیتوں میں شمار کئے جائیں جو عوام کو بھڑکا کر پہلے اپنے ساتھ ملاتی ہیں اور پھر انہیں لے کر اپنے حریف کے مقابلے میں صف آرا ہو جاتی ہیں حالانکہ اگر یزید جیسے بدکردار اور مستحق شخص کے مقابلے میں وہ از خود بھی عوام کو کوئی دعوت دیتے تو اس میں بھی حق بجانب ہوتے لیکن پھر بھی انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ان کے متذکرہ بالا

خطبے سے اس واقعے کی جو صورت ابھرتی ہے وہ کچھ اس قسم کی ہے کہ حضرت امام حسینؓ خاموشی سے گوشۂ عافیت میں بیٹھے یادِ خدا میں مصروف تھے کہ عالمِ اسلام میں ایک زبردست فتنہ اٹھا یعنی یزید لوگوں کی منشا کے بغیر حاکم بن گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ عراق کے عوام اپنے حاکم کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ اس جابر فرماں روا کے ہاتھوں سخت نالاں ہیں۔ حاکم بھی کون جو اسلامی اقدار کا مضحکہ اڑانے اور اسلامی تعلیم کو پامال کرنے میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر چکا ہے۔ اس کے بعد اہلِ عراق کے سیکڑوں خطوط اور وفود ان کے پاس آئے کہ آپ ہماری قیادت کر کے ہمیں اس ظالم حکمراں سے نجات دلائیے انہوں نے خیال کیا کہ مجھے ایک ایسے کام کے لئے بلایا جا رہا ہے جو اسلام کے نام کو بلند کرنے والا، جور و تعدّی کا خاتمہ کرنے والا، معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے والا ہے اور جس کے نتیجے میں خلافتِ الٰہیہ کا احیا ہو گا۔ اس صورت میں ایک پاکباز مومن اور عاشقِ اسلام کی حیثیت سے ان کے لئے اس کے سوائے اور کوئی چارۂ کار تھا ہی نہیں کہ وہ بلانے والوں کی آواز پر لبیک کہیں۔ چنانچہ انہوں نے لبیک کہی اور لاتعداد رکاوٹوں کے باوجود ان تک پہونچے۔ مگر آنکھیں بند کر کے ان کے دعوؤں پر اعتماد نہیں کر لیا بلکہ ایک دانشمند آدمی کی طرح پہلے اپنے ایک معتمد خاص (حضرت مسلمؓ) کو بھیج کر صورت حال

کی تحقیق کر لی اور جب انہیں ان کے معتمد نے اطلاع دیدی کہ لوگ آپ کے سوائے اور کسی کی امامت و خلافت پر جمع نہیں ہوں گے۔ آپ فوراً تشریف لے آئیے تب وہ عراق کی طرف روانہ ہوئے جو لوگ حضرت امام حسینؓ کی دانشمندی اور جلد بازی پر اعتراض کرتے ہیں یہ خطبہ ان کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

یہاں تک ان کے موقف اور کردار کا ایک پہلو تھا مگر بڑا روشن پہلو۔ اس خطبے کا دوسرا حصّہ ان کے موقف کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

"اب اگر تم اپنا اقرار پورا کرو تو میں تمہارے شہر کو چلوں اور اگر تمہیں میرا آنا پسند نہ ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں"

ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کس قدر صلح جو اور امن پسند انسان تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اپنی ذات اور اقتدار کے حصول سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ تو اسلام کی حفاظت اور مظلوموں کی حمایت میں کمر بستہ رہنے والوں میں سے تھے۔ جب ملوکیت کے شکنجے میں کسے ہوئے عوام نے انہیں اپنی امداد کے لئے بلایا تو وہ بنفس نفیس ہو کر ان کی امداد کے لئے پہونچ گئے مگر جب انہوں

نے دیکھا کہ جن لوگوں نے مجھے اپنی امداد کے لیئے بلایا تھا وہی میری ضرورت نہیں سمجھتے اور اپنے قول و قرار سے پھر گئے ہیں تو انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر تم اپنے شہر میں میرے داخلے کو ناپسند کرتے ہو تو میں واپس جاتا ہوں ———— کس قدر صاف اور واضح موقف تھا حضرت امام حسینؓ کا لیکن افسوس کہ بعض لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

سطور بالا میں حضرت امام حسینؓ کا موقف جس رنگ میں پیش کیا گیا ہے اس سے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر واقعہ یہی تھا اور حضرت امام حسینؓ ازخود نہیں بلکہ اہل عراق کی دعوت پر کوفہ تشریف لیئے جا رہے تھے تو جب راستے میں آپؓ کو حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کی شہادت کی خبر اور ان کا یہ پیغام مل گیا تھا کہ " کوفیوں نے بیوفائی کی ہے آپ ان پر ہرگز اعتبار نہ کریں اور مکہ واپس چلے جائیں" تو پھر وہ کیوں کوفہ کی جانب بڑھتے رہے. اس کے جواز میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امام حسینؓ تو کوفہ کی اس نئی صورت حال سے مطلع ہونے کے بعد اپنا فیصلہ تبدیل کر چکے تھے اور آپ نے مکہ واپس جانے کا ارادہ فرما لیا تھا مگر حضرت مسلمؓ کے بھائیوں نے اصرار کیا اور کہا کہ ہم اپنے بھائی کا قصاص لیئے بغیر واپس نہ جائیں گے خواہ اس راستے میں ہمیں اپنی

جانیں ہی کیوں نہ قربان کرنی پڑیں اس لئے مجبوراً حضرت امام حسینؓ کو بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔ اگر یہ دلیل تسلیم کر لی جائے تو پھر معاملے کی صورت ہی بدل جائے گی اور پھر نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضرت مسلمؓ کی شہادت کی خبر سننے کے بعد حضرت حسینؓ کی کوفہ کو روانگی اس بلند مقصد کے لئے نہ تھی جس کے لئے آپؓ نے مکہ سے رخت سفر باندھا تھا بلکہ اپنے چچازاد بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے عازم کوفہ ہوئے تھے گویا یہ ایک انتقامی جنگ تھی۔ اس صورت میں حضرت امامؓ کی شہادت کا مرتبہ ہی کم ہو جائے گا اور آپ کی عظمت کو بھی ٹھیس لگے گی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ تاریخ کو جھٹلانے کے مترادف ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری الجھنیں اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ گذشتہ سینکڑوں سال سے ایک غلط روایت لوگوں میں مشہور ہو گئی ہے اور مورخ بھی آنکھیں بند کر کے اسے پیش کرتے چلے جاتے ہیں کہ کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت امام حسینؓ کو حضرت مسلمؓ کی شہادت اور کوفیوں کی بے وفائی کی اطلاع مل گئی تھی۔ یہ روایت اس قدر تواتر سے بیان کی گئی اور اتنے بڑے بڑے مورخوں نے اسے نقل کیا کہ بعد کے مورخین و مصنفین اس کی تردید کرنے کی جرأت نہ کر سکے حالانکہ یہ روایت واقعات کے بالکل خلاف ہے کیونکہ انہیں مورخوں میں سے ایک بڑے مورخ نے ذیل کی روایت بھی درج کی ہے جو

اس قسم کی بے سرو پا روایتوں کی تردید کرتی ہے روایت یہ ہے کہ :۔

(ابن زیاد نے) "مسلمؒ کو قتل کرنے کے بعد بصرہ کی طرف آنے والے سارے راستے بند کر دیئے نہ کسی کو آنے دیا جاتا تھا نہ جانے دیا جاتا تھا۔ حسینؓ کو ان واقعات کا مطلق علم نہ تھا اور وہ اسی طرف آرہے تھے کہ راستے میں چند اعرابی ملے، آپؓ نے اُن سے پوچھا کہ کوفہ کے حالات کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم کہ نہ تو لوگ وہاں سے کسی طرف آسکتے ہیں اور نہ جا سکتے ہیں۔" (تاریخ طبری جلد ششم ص۲۲۲)

گو طبری ہی نے بعض ایسی روائتیں بھی درج کی ہیں جو اس کے بالکل برعکس ہیں مگر اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ طبری کا قاعدہ تھا کہ اسے جو روایت ملتی تھی وہ بے کم و کاست درج کر دیتا تھا اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتا تھا تاکہ اس پر جانبداری کا اعتراض عاید نہ ہو۔ اس سے اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ تمام روائتیں محفوظ ہو جائیں جو اس واقعے کے کسی بھی پہلو سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ایک انصاف پسند اور سمجھدار شخص کا فرض ہے کہ روایات کا سہارا لیتے وقت وہی روایت قبول کرے جو واقعات سے تطابق رکھتی ہو۔ چونکہ مندرجہ بالا روایت حضرت امام حسینؓ کے موقف کے عین مطابق اور آپ کی عظمت کو بلند کرنے والی ہے اس لئے کوئی وجہ

نہیں کہ ہم اسے قبول نہ کریں اور ان روایات پر اصرار کئے جائیں جن سے حضرت امامؑ کے کردار کی بلندی کم ہوتی ہے اور جو واقعات سے بھی قطعاً مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔ پس اس روایت کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ مکہ سے اہل عراق کی دعوت پر کوفہ تشریف لے گئے تھے از خود نہیں اور انہیں حرؓ کے لشکر کے سامنے پہونچنے تک حضرت مسلمؑ کی شہادت اور اہل کوفہ کی بے وفائی کا علم نہ ہو سکا۔ یہ واقعات انہیں اس وقت معلوم ہوئے جب حُر کا لشکر ان کا راستہ روک چکا تھا۔

اتمامِ حجت

حضرت امام کا تیسرا اور چوتھا خطبہ بھی آپؑ کے موقف کی وضاحت کرتا ہے۔ ان دونوں خطبوں میں آپؑ نے دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اوّل یہ کہ جب آپ نے دیکھا کہ اہل عراق نہ تو ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں اور نہ انہیں واپس جانے دیتے ہیں۔ تو انہوں نے محسوس کیا کہ عراقیوں کو یا تو فریب دیا گیا ہے یا ان پر جبر کیا گیا ہے۔ اس لئے پیشتر اس سے کہ خوں ریزی ہو بہتر ہے کہ انہیں دامِ فریب سے نکالنے کی کوشش کی جائے کہ شاید ان میں سے کسی کی فطرت سعید ہو اور وہ راہِ حق پر گامزن ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ اتمام حجت کرنے کا ایک موقع دے رہا ہے اسے ضائع

نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ :۔

"آگاہ ہو جاؤ کہ ان لوگوں (یزید و امرائے یزید) نے اللہ تعالےٰ کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی تابعداری شروع کر دی ہے۔ فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے، حدود شرعی سے دست کش ہو گئے ہیں، مال غنیمت کو اپنا مال سمجھ لیا ہے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا۔"

اس طرح آپ نے نہایت جرأت سے برسر اقتدار طبقے پر کڑی تنقید کی اور اہل عراق کے سامنے ان کے امراء و بادشاہ کے اعمال کا کچا چٹھا سنا دیا تاکہ ان کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے وہ بے خبری کا عذر نہ کر سکیں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ جو لوگ یزید کی بداعمالیوں سے واقف تھے اور اسے پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے آپ کو بلایا ہوگا۔ ہم کو تو یزید کی کسی برائی کا علم نہ ہو سکا اور نہ ہم نے آپ کو بلایا۔ یہ خطبہ اور اس کے علاوہ وہ خطبہ جو آپ نے میدان کربلا میں آخری دن ارشاد فرمایا بڑا جامع اور بہت سے پہلوؤں پر حاوی ہے۔ ان خطبوں میں آپ نے اپنے موقف کا نچوڑ پیش کر دیا۔ اس خطبے کے ذریعہ سے آپ نے بتایا کہ جذبات کی رو میں بہہ کر اور جلد بازی سے کام لے کر کوئی غلط قدم نہیں اٹھانا چاہیئے

اور اپنے مخالفین کو اصلاحِ حال کا آخر تک موقع دینا چاہیئے۔ آپ نے بتایا کہ جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو پہلے اس کے سامنے اپنی برأت کرنے کی پوری کوشش کرو۔ اس پر اپنی بے گناہی ثابت کردو کہ شاید ان میں سے انصاف پسند لوگ تمہاری امداد پر کمربستہ ہو جائیں اور اس طرح دشمن کی جماعت میں پھوٹ پڑ جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم ان میں سے کچھ لوگ ظلم کرنے سے تو باز آجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تقریباً ہر خطبے میں یہ ضرور فرمایا کہ میں تمہارے بلانے پر آیا ہوں اور اگر اب تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو میں واپس جانے کو تیار ہوں اپنے آخری خطبے میں جو جنگ شروع ہونے سے قبل ارشاد فرمایا تھا۔ آپ نے دشمن کے سامنے اپنی شخصیت پر بھی روشنی ڈال دی کہ:۔

"تم لوگ میرے نسب پر غور کرو۔۔۔۔۔

رسول اللہ نے میرے بارے میں خبر دی ہے کہ میں نوجوانانِ جنت کا سردار ہوں۔۔۔۔

میں رسول اللہ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔۔۔۔

میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔۔۔۔

کسی کو قتل نہیں کیا۔۔۔۔

کسی کا مال نہیں دبایا۔ پھر تم مجھے کس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو؟"

حضرتِ امامؑ نے اپنے اس تاریخی خطبے میں ثابت کر دیا کہ آپ فطرت انسانی کے بہت بڑے نباض اور علم النفس کے بہت بڑے ماہر تھے آپ نے اس خطبے میں انسان کے نازک جذبات کو اپیل کرنے والا بڑا موثر انداز اختیار کیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دشمن کی فوج کا ایک نامور سالار حُرؓ بن یزید تمیمی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر حضرت امامؑ سے آملا اور آپ کی طرف سے جنگ کرتا ہُوا راہِ حق میں شہید ہو گیا۔ اس خطبے کے ذریعہ آپ نے ان لوگوں کی زبانیں بھی بند کر دیں جو یہ کہتے تھے کہ حسینؓ تو خود ہی آگ میں کود پڑے تھے۔ انہوں نے تو خود ہی جنگ کی پہل کی تھی وہ تو خود ہی ہیرو بننے کے خواہشمند تھے۔ آپؑ نے اس خطبے کے ذریعہ سے ثابت کر دیا کہ وہ جنگ کی ابتدا کرنے والوں میں سے نہ تھے نہ ان میں ہیرو بننے کی خواہش تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اسی وقت جنگ شروع ہو جاتی جب یزید کے لشکر نے پہلی بار انہیں روکا تھا مگر انہوں نے آخر وقت تک جنگ سے پہلو تہی کی اور غلط کار لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے مگر جب نادان اور شر پسند لوگ کسی طرح راہ راست پر نہ آئے تو انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنی شمشیر صاعقہ بار کو دشمن کے سر پر لہراتے ہوئے اس کی صفوں میں گھس گئے۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ بڑے بڑے سرکشوں کے سر اتار دیئے اور پھر خود بھی

مردانہ وار راہِ حق میں شہید ہو گئے تاکہ آنے والی نسل یہ نہ کہہ سکے کہ ان کا آخری خطبہ ان کے مرتبے سے گرا ہوا تھا اور وہ موت کے خوف سے لوگوں کو خدا کا واسطہ دے رہے تھے اگر دشمن کے ٹڈی دل لشکر سے خائف ہونے کی وجہ سے وہ نرم روی پر اُتر آئے ہوتے تو ان کی تیغ خوں آشام یزیدی لشکر کی کھوپڑیوں کے ٹکڑے اڑا دینے کے لئے بے نیام نہ ہوتی بلکہ وہ ابن زیاد کے ہاتھ پہ بیعت کر لیتے۔ اس صورت میں دنیوی جاہ و جلال اور زر و جواہر کے انبار ان کے قدموں میں لگا دیئے جاتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا جو کچھ کیا ریگستانِ کربلا کا ذرہ ذرہ اس کا گواہ ہے۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہو گا کہ حضرت امام نے اپنے مندرجہ بالا اور آخری خطبے میں جو نرمی اختیار کی وہ دشمن کے مقابلے میں عاجز آجانے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس کی بھلائی کے لئے تھی، اسے روزِ بد سے بچانے کے لئے تھی اور اس لئے تھی کہ مسلمانوں کی تلواریں مسلمان کہلانے والوں کا خون بہانے کے لئے بے نیام نہ ہوں۔

سانحۂ کربلا

سانحۂ کربلا

تاریخِ عالم میں شاید ہی کوئی ایسی نظیر مل سکے کہ کسی قوم نے اپنے نبی کے نواسے اور اس کے اہل بیت کو اس بیدردی سے ذبح کیا ہو جس بے دردی سے حضرت امام حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کو کربلا کے میدان میں ذبح کیا گیا۔ اگر یہ واقعہ غیر مسلموں کے ہاتھ انجام پاتا تو شاید اس کی نوعیت اس قدر اندوہناک نہ ہوتی مگر سب سے زیادہ حیران کن اور غم ناک بات یہ ہے کہ یہ لرزہ خیز واقعہ ان لوگوں کے ہاتھوں انجام پایا جو حسینؓ کے ناناؐ کے نام لیوا اور اس کے کلمہ گو تھے اور جنہیں یہ عظمت واقتدار اور جاہ وجلال اسی مظلوم حسینؓ کے ناناؐ کے طفیل حاصل ہوا تھا مگر اقتدار کی صولت وشوکت نے انہیں اندھا کر دیا۔

انہوں نے آلِ رسولؐ کے ادب و احترام اور ان کے حقوق کو یکسر نظر انداز کر دیا اور رسولؐ اللہ کے وصال کو بمشکل پچاس سال گزرنے پائے تھے کہ اپنے محسنِ اعظم کی عطا کردہ تلوار لے کر اس کے نواسے پر جھپٹ پڑے اور اس بے دردی سے یورش کی کہ ظلم کے سنگ دِل دیوتا کا جگر بھی پانی ہو کر بہہ گیا۔ اس دردناک واقعے کی تفصیل بڑی ہی لرزہ خیز ہے۔

۹ محرم کی شب عبادت میں گزار کر ۱۰ تاریخ کی صبح کو حضرت امام حسینؓ نے رکاب میں پیر رکھا اور آخرت کے اس سفر کے لئے تیار ہو گئے جس کا کٹھن راستہ شہادت کی خارزار وادیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ بہن، بھائی کو اپنی آنکھوں کے سامنے موت کے منہ میں جاتا نہ دیکھ سکی اور فرطِ غم و اندوہ سے گریہ وزاری کرنے لگی۔ حضرت امامؓ نے حضرتِ زینبؓ کو تسلی دی اور فرمایا کہ[۱]

"اے بہن! خدا پر نظر رکھو سب کو مرنا ہے اور ایک دن ایسا

---

[۱] ابن اثیر کے بیان کے مطابق حضرت امام نے یہ نصائح میدان جنگ کو روانہ ہوتے وقت نہیں فرمائیں بلکہ علی الصبح اپنی تلوار صاف کرتے ہوئے یہ ہدایات دی تھیں لیکن بعض اور کتب میں روانگی کے وقت بیان کی گئی ہیں۔ ہمارے خیال میں بھی ان نصائح کا موقع میدان جنگ کو جاتے وقت ہی تھا اس لئے اسی موقع پر درج کی گئی ہیں (مؤلف)

آنے والا ہے۔ جب روئے زمین پر خدا کے سوائے اور کوئی باقی نہ رہے گا۔ مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کی ذات گرامی قابل تقلید ہے۔ تم بھی اس کی پیروی کرو۔ تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے انتقال کے بعد رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ میرے لئے نہ گریبان چاک کرنا۔ نہ منہ نوچنا نہ واویلا کرنا۔" (الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص۵)

ترتیب لشکر

بہن سے رخصت ہو کر حضرت امامؑ اپنے جاں نثاروں کے پاس آئے جو ہتھیاروں سے مسلح اپنے آقا کے حکم کے منتظر تھے۔ آپ نے سب سے پہلے ان کی صفیں قائم کیں۔ میمنہ پر زہیر بن القین کو اور میسرہ پر حبیب ابن مظاہر کو امیر مقرر کیا اور علم حضرت عباسؑ بن علیؑ کو عطا فرمایا۔

(تاریخ طبری جلد ششم ص۲۴۱)

اس کے بعد آپ دشمن کے لشکر کے قریب آئے اور پیشتر اس سے کہ خدا کی زمین خدا کے بندوں کے خون سے لالہ زار ہو۔ ایک پر اثر تقریر کے ذریعہ دشمن کو ظلم و ستم اور خوں ریزی سے باز رہنے کی تلقین کی۔ یہ تقریر سن کر دشمن کی صفوں میں ایک جانب جنبش ہوئی اور چند سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ

حُر بن یزید تمیمی اور اس کے ساتھی تھے۔ حُر نے حضرت امامؑ کے سامنے اپنے گذشتہ کردار پر سخت ندامت کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ:۔

حُر کا عہدِ وفا

"اے ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت انسان ہوں۔ جو آپ کے راستے میں رکاوٹ بنا اور جس نے آپ کو واپس نہ جانے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ محصور کر دیئے گئے۔ لیکن خدا کی قسم مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ یہ لوگ آپ کی ساری شرائط کو رد کر کے اس حد تک پہونچ جائیں گے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں آپ کا راستہ کبھی نہ روکتا۔ میں اپنی غلطیوں پر نادم ہوں اور اپنی جان آپ پر سے نثار کرنے کے لئے پیش کرتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟"

حضرت امام حسینؑ حُر کے اس بلندیٔ کردار اور اس کے پاکیزہ جذبات و خیالات سے بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تمہاری توبہ ضرور قبول کرے گا تم دنیا و آخرت دونوں میں حُر (یعنی آزاد) ہو۔" (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۴۳۳)

اس کے بعد حُر نے کوفیوں کے سامنے نہایت بصیرت افروز تقریر کی تاکہ وہ حضرت امام حسینؑ کے قتل سے باز آجائیں۔ انہوں نے کہا کہ۔

حُر کا خطاب

"اے لوگو! حسینؑ نے تمہارے سامنے تین شرطیں پیش کیں۔ تم ان میں سے کوئی ایک صورت قبول کر کے اپنے ہاتھوں کو ان کے خون میں آلودہ ہونے سے کیوں نہیں بچا لیتے پہلے تو تم نے انہیں اپنے ہاں بلایا، جب وہ تمہاری دعوت پر آ گئے تو تم ان کی حمایت سے دست کش ہو گئے اور اب انہیں قتل کرنا چاہتے ہو، تم نے ان کا محاصرہ کر کے اللہ تعالیٰ کی وسیع زمین کو ان پر تنگ کر دیا اور اب وہ اپنے اہل بیت کو لے کر کسی پُر امن جگہ جا ہی نہیں سکتے، تم نے انہیں بالکل قیدی بنا رکھا ہے اور ان کے لئے فرات سے پانی لینا بھی ممنوع قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ پانی یہودیوں عیسائیوں اور مجوسیوں پر بھی بند نہیں۔ سُور اور کُتے تک اسے پیتے ہیں لیکن حسینؑ اور ان کے اھل بیت حالت تشنگی میں تڑپ رہے ہیں۔ تم نے رسولؐ اللہ کی اولاد سے اچھا سلوک کیا؟ اگر تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو یاد رکھو کہ حشر کے دن خداوند تعالیٰ تمہیں بھی پیاسہ رکھ کر تڑپائے گا۔"

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم صد ۵۴، ۵۵)

مگر حُرؒ کی اس دردانگیز اور پُرتاثیر تقریر کا بھی دشمن پر کوئی اثر نہ ہُوا وہ تو یہ تہیہ کر چکا تھا کہ یا تو ہم حسینؑ سے یزید کی بیعت لیں گے یا انہیں قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ جب حُرؒ اپنی تقریر ختم کر چکا تو عمرو بن سعد نے اپنی کمان کا چلہ چڑھایا اور کہا کہ "لوگو! گواہ رہنا کہ حسینؑ کی طرف سب سے پہلا تیر میں نے پھینکا ہے"۔ ایک تیر ہوا میں سنسناتا ہُوا آیا اور حُرؒ کے قریب گر گیا یہ تھا جواب حُرؒ کی تقریر کا جو اسے چند سکنڈ کے بعد ہی مل گیا۔

آغازِ جنگ

اس کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا مگر ابتدا میں عربوں کے عام دستور کے مطابق دونوں طرف سے ایک ایک شخص نکلتا اور اپنا مدمقابل طلب کرتا سب سے پہلے یزیدی فوج سے ابنِ حوزہ نکلا اور پکارا کہ "حسین کہاں ہیں میں ان کو دوزخ کی بشارت دیتا ہوں"۔ مگر پیشتر اس سے کہ حسینی فوج سے کوئی مدمقابل نکلتا اس کا گھوڑا بدک گیا اور اس طرح گرا کہ ابنِ حوزہ اس کی پیٹھ کے ساتھ لٹک گیا۔ پھر گھوڑا اٹھا اور بھاگنے لگا۔ ابنِ حوزہ بھی ساتھ ساتھ زمین سے رگڑتا چلا جاتا تھا۔ اسی طرح رگڑ رگڑ کر اُس کا خاتمہ ہو گیا۔

بریر کی شہادت

ابن حوزہ کے بعد یزیدی لشکر کی طرف سے یزید بن معقل نکلا اور اپنے مدمقابل کو طلب کیا۔ حضرت امام حسینؓ کی طرف سے بریر بن خضیر ہمدانی اس کے مقابلے کے لئے نکلے۔ دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ آخر حسینی مجاہد بریر کی تلوار نے یزیدی جنگ آزما کا کام تمام کر دیا۔ یزید بن معقل کے بعد یزیدی لشکر کے ایک شخص رضی بن منقذ نے آگے بڑھ کر بریر پر وار کیا مگر بریر اس کا وار روک کر اس سے لپٹ گئے اور اٹھا کر دے مارا۔ پھر اس کے سینے پر چڑھ گئے۔ یہ دیکھ کر یزید کی فوج کا ایک اور جنگ آزما کعب بن جابر نیزہ تولتا آگے بڑھا اور بریر پر پشت کی جانب سے حملہ کیا۔ نیزہ ان کی پیٹھ میں لگا اور پار ہو گیا۔ بریر اس حملے کی تاب نہ لا کر گر پڑے۔ اس کے بعد کعب نے تلوار مار کر بریر کو شہید کر دیا۔ اس طرح رضی بن منقذ کی جان بچ گئی اور اس نے اٹھ کر کعب کا شکریہ ادا کیا۔

(تاریخ طبری جلد ششم ۳۴۷)

اس کے بعد حُر بن یزید تمیمی حضرت امام حسینؓ کے لشکر سے نکلے اور اپنا مدمقابل طلب کیا۔ یزیدی لشکر سے یزید بن سفیان نکلا مگر حرؓ کے ایک ہی وار میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد نافع بن ہلال حسینی لشکر سے نکلے۔ یزیدی فوج سے مزاحم بن حریث مقابلے کیلئے آیا مگر یہ بھی نافع

کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔

عام جنگ

چونکہ انفرادی جنگ میں حسینی فوج کا پلہ بھاری تھا اور یزیدی فوج کی طرف سے جو مقابلے کے لئے نکلتا تھا ہلاک ہو جاتا تھا۔ اس لئے افواج یزید کے میمنہ کے سالار لشکر عمرو بن الحجاج نے عمرو بن سعد کو مشورہ دیا کہ اگر جنگ کا یہی انداز رہا تو تھوڑی دیر میں ہمارا صفایا ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ ابن سعد نے ابن حجاج کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور عمرو بن حجاج کو حکم دیا کہ تم اپنے دستے کو لے کر عام حملہ کر دو۔

مسلم بن عوسجہ کی شہادت

چنانچہ ابن حجاج نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ دریائے فرات کی جانب سے لشکر حسینؓ پر زبردست حملہ کیا اس جنگ میں مٹھی بھر حسینیوں نے یزید کے ٹڈی دل لشکر کے منہ پھیر دیئے اور وہ میدان سے ہٹ گیا مگر اس لڑائی میں حضرت حسینؓ کے ایک بہت بڑے جان نثار مسلم بن عوسجہ اسدی شدید زخمی ہو گئے۔ جب حضرت امام حسینؓ کو اس حادثے کی اطلاع ہوئی تو آپ بہ نفس نفیس ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت تک ان کی سانس چل رہی تھی۔ حضرت امامؓ نے ان کا سر اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

اور فرمایا کہ "اے مسلم اللہ تم پر رحم کرے جس کا وقت آ گیا ہے وہ تو جا رہا ہے اور جو باقی ہے وہ بھی وقت کا انتظار کر رہا ہے۔ تم اندیشہ نہ کرو ہم بھی عنقریب تم سے ملا چاہتے ہیں"۔ اس وقت حبیب ابن مظاہر بھی قریب ہی کھڑے تھے مسلم نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ "میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد حسینؓ پر سے اپنی جان فدا کر دینا"۔ اس کے بعد اُن کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

عبداللہ بن عمیر الکلبی کی شہادت

اس کے بعد شمر ذی الجوشن نے اپنے دستے کو لے کر بائیں جانب سے حضرت حسینؓ کی فوج پر حملہ کیا۔ اس بازو پر حسینی سواروں کی تعداد بتیس (۳۲) سے زیادہ نہ تھی۔ مگر یہ قلیل تعداد بھی جس طرف رُخ کرتی بہت سے سر تن سے اور بہت سے ہاتھ مونڈھوں سے جدا ہو جاتے، یہ دیکھ کر سوارانِ شام کے سالار عزرہ بن قیس نے عمرو بن سعد کو پیغام بھیجا کہ حسینؓ کے مٹھی بھر سواروں نے ہمارا یہ حال کر دیا اگر جلد ہی کمک نہ آئی تو سب مارے جائیں گے اس لئے جلد امداد بھیجئے۔ ابن سعد نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ عزرہ کی مدد کے لئے بھیجا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ تیر اندازوں کا دستہ آگے آگے تیروں کی بارش کرتا چلے اور پیچھے پیچھے سواروں کا دستہ بڑھے، چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور تیر اندازوں نے اس قدر

تیر مارے کہ حضرت امام حسینؓ کی فوج کے گھوڑے بیکار ہو گئے۔ مگر اس سے ان کے حوصلوں اور پامردی میں مطلق کمی نہ آئی اور وہ پیدل ہو کر لڑنے لگے دوپہر تک بڑی شدت سے جنگ جاری رہی اور یزید کی فوج کے بہت سے لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ حضرت حسینؓ کی فوج کے ایک بہادر عبداللہ بن عمیر الکلبی اسی جنگ میں شہید ہوئے مگر مرتے مرتے بھی دشمن کے دو آدمی ہلاک کر دیئے۔ (۱۔ تاریخ طبری جلد ششم صـ ۲۴۶)

جنگ نے اور زیادہ شدت اختیار کی اور حضرت حسینؓ کے ہمراہی دیوانہ وار حملے کرنے لگے۔ ان حملوں میں منجح بن سہم، عمرو بن خالد الصیداوی سعید بن حنظلہ تمیمی اور عمیر بن عبداللہ مذحجی شہید ہو گئے۔

خیمے جلانے کی کوشش

جب حضرت امام حسینؓ کے مٹھی بھر ساتھیوں نے میدان جنگ سے پسپا ہونا کسی طرح گوارا نہ کیا تو یزیدی لشکر نے آپ کے ساتھیوں میں بدنظمی پیدا کرنے اور ان کی توجہ جنگ سے ہٹانے کے لئے ایک چال چلی یعنی عمرو بن سعد اور شمر نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ حضرت حسینؓ کے خیمے نذر آتش کر دیئے جائیں۔ ان خیموں پر صرف چار آدمی متعین تھے مگر اس قلتِ تعداد کے باوجود جب شمر کی قیادت میں یزیدی فوج کا ایک دستہ حسینی خیموں میں آگ لگانے کے

لئے بڑھا تو ان چاروں نے یک جا ہو کر بڑی شدت سے حملہ کیا۔ اس اثناء میں حضرت امام حسینؑ نے زہیر بن القین کی سرکردگی میں دس آدمیوں کا ایک دستہ خیموں کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ اس دستے نے شمر اور اس کے ساتھیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ شمر کے دستہ کا ایک شخص ابو عزہ ضبانی اس جنگ میں مارا گیا اور دشمن میدان سے فرار ہو گیا۔

(تاریخ طبری جلد ششم ص۲۵۱)

اس ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے خیموں کی ترتیب کچھ اس طرح رکھی تھی کہ جب دشمن ان کی طرف بڑھتا تھا تو ان خیموں کے محافظ خود تو آڑ میں آ جاتے تھے اور حملہ آور سامنے ہو جاتے تھے۔ اس طرح انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

حبیب بن مظاہر کی شہادت

اسی دوران میں نماز ظہر کا وقت آ گیا اور حضرت امامؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ۔۔ شامیوں سے کہو کہ ہم لوگ نماز پڑھنا چاہتے ہیں اس لئے کچھ دیر تک جنگ ملتوی کر دیں۔ حبیب بن مظاہر نے حضرت امام کا یہ پیغام شامی فوج کو پہونچا دیا۔ شامی فوج کے ایک سردار حصین بن نمیر نے کہا کہ تم لوگوں کی نماز قبول نہ ہو گی۔ ابن مظاہر یہ سن کر غضبناک ہو گئے اور بولے کہ اے شرابی! تیری تو نماز قبول ہو جائے گی مگر

ابن رسول اللہ کی نماز قبول نہ ہو گی۔ ابن نمیر ان الفاظ سے مشتعل ہو گیا اور اس نے تلوار کھینچ کر ابن مظاہر پر حملہ کر دیا۔ ابن مظاہر نے اس کا وار روک کر ایسا حملہ کیا کہ اس کے گھوڑے کے منہ پر پڑا اور وہ بلبلا کر اپنے پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن نمیر زمین پر آ رہا مگر شامیوں نے دوڑ کر اسے اٹھا لیا۔ اس طرح وہ ابن مظاہر کے ہاتھ سے بچ گیا۔ اس کے بعد ابن نمیر کے ساتھیوں نے تلواریں سونت کر ابن مظاہر پر حملہ کر دیا۔ ان حملہ آوروں میں بدیل بن حریم بھی تھا جو بڑا پہلوان سمجھا جاتا تھا مگر ابن مظاہر کے ایک ہی وار میں اسکا کام تمام ہو گیا۔ یہ دیکھ کر شامی فوج کے ایک شخص نے ابن مظاہر پر وار کیا جس سے تلملا کر وہ زمین پر گر پڑے اور حصین بن نمیر نے آگے بڑھ کر ان کو شہید کر دیا اور پھر ان کے سر کو یزیدی لشکر میں گھمایا گیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم صـ۲۵۲)

حُر بن یزید کی شہادت

حبیب ابن مظاہر کی شہادت نے حضرت امام حسینؓ اور آپ کے اصحاب میں ایک عجیب جوش و خروش پیدا کر دیا۔ حر بن یزید ریاحی ضبط نہ کر سکے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں آ گئے۔

آلیت لا اقتل حتی اقتلا	"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب
ولن اصاب الیوم الا مقبلا	تک دشمنوں کو ہلاک نہ کر دوں

اضربھم بالسیف ضرباً مفصلا — قتل نہ ہوں گا اور اس وقت تک

لانا کلاعنھم ولا محصلا — قتل نہ ہوں گا جب تک کہ دشمن

کی طرف پیش قدمی نہ کر لوں. آج

میں شمشیر زنی کروں گا. ایسی شمشیر زنی جو فیصلہ کن ثابت ہو گی۔ میں پیچھے نہ ہٹوں گا اور نہ کمزوری دکھاؤں گا۔"

حرؓ بڑے بہادر اور فنونِ جنگ کے ماہر تھے۔ ان کی مہارتِ فن کا اندازہ کرنے کے لئے یہی امر کافی ہے کہ وہ افواج یزید میں ایک اونچے عہدے پر فائز تھے۔ چنانچہ جب وہ حضرت امام حسینؓ کی طرف سے میدان جنگ میں آئے تو اس موقع پر بھی انہوں نے اپنی عسکری مہارت کے حیران کن مظاہرے کئے۔ گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ جب انفرادی جنگ شروع ہوئی اور بریرؓ شہید ہو گئے تو حرؓ غضبناک ہو کر میدان میں نکلے اور اپنا مدِ مقابل طلب کیا۔ اس پر دشمن کی فوج سے یزید بن سفیان نکلا اور حرؓ کے ایک ہی وار میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد نماز ظہر سے کچھ قبل جب فریقین نے ایک دوسرے پر نہایت شدت سے حملہ کیا اور ہولناک جنگ شروع ہوئی تو اس موقع پر بھی حرؓ نے غیر معمولی شجاعت کا ثبوت دیا اور دشمن کے بہت سے افراد ان کے ہاتھوں

ہلاک و مجروح ہوئے۔ ان دونوں مواقع پر ان کے گھوڑے زخمی ہو گئے مگر خود انہیں کوئی گزند نہ پہونچا۔ اس کے بعد تیسرا اور آخری موقع جب ان کی تلوار بے نیام ہوئی وہ تھا جب ابن مظاہر شہید کر دیئے گئے۔ وہ تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور عجیب جوش و خروش سے شمشیر زنی کرنے لگے۔ کئی بار انہیں نرغے میں لے کر شہید کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ ہر بار نرغہ کرنے والوں کو ہلاک اور زخمی کرتے ہوئے نرغہ توڑ کر نکل جاتے۔ آخر ایک موقع پر وہ پیادوں کے ایک سخت نرغے میں گھر گئے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(تاریخ طبری جلد ششم صہ ۲۵۲)

حضرت امامؑ ان کی لاش پر تشریف لائے۔ آپؑ ان کے چہرے سے گرد و غبار اور خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ "لاریب تو حُر ہے۔ تیری ماں نے تیرا نام حُر نہایت صحیح تجویز کیا تھا تُو دنیا میں بھی حُر (یعنی آزاد) ہے اور عقبیٰ میں بھی حُر ہی ہو گا"۔ حُرؑ کی شہادت سے متاثر ہو کر ان کا غلام عروہ جو ابھی تک ابن سعد کے لشکر میں تھا گھوڑے کو ایڑ دے کر حضرت امام کے لشکر میں آ گیا اور اپنے آقا کے خون کا انتقام لینے کے لئے فوجِ یزید پر ٹوٹ پڑا۔ دیر تک نہایت پامردی سے جنگ کرنے کے بعد یہ بھی شہید ہو گیا۔

زہیرؓ بن القین کی شہادت

حبیب ابن مظاہر اور حرؓ بن یزید ریاحی کی طرح زہیر بن القین بھی حضرت امامؑ کے نہایت مخلص اور اولوالعزم ساتھیوں میں سے تھے۔ جس وقت حرؓ میدان میں نکلے اسی وقت زہیرؓ نے بھی اپنا گھوڑا بڑھایا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرنے لگے۔ دشمن کا زور ان کی نسبت حرؓ کی طرف زیادہ تھا اور وہ بار بار انہیں نرغے میں لے لیتا تھا۔ اس موقع پر بھی زہیر ان کی مدافعت کے لئے آتے تھے۔ باہر سے زہیر اور اندر سے حرؓ بے جگری سے حملے کرتے تھے اور دشمن کے نرغے کو توڑنے میں کامیاب ہو جاتے تھے لیکن جب حرؓ کا وقت آگیا تو زہیر کی کوشش کے باوجود وہ دشمن کے قبضے سے نہ نکل سکے اور منصب شہادت پر فائز ہوئے۔ اس واقعے کے بعد حضرت امامؑ نے زہیر اور سعید بن عبداللہ حنفی کو چند آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھایا اور خود نمازِ خوف ادا کی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد زہیر بن القین دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے قاتلوں میں دو آدمیوں کے نام ملتے ہیں۔ کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس۔ (تاریخ طبری جلد ششم صہ ۲۵۲-۲۵۳)

عمرو بن قرظہ کی شہادت

زہیر کی شہادت کے بعد دشمن کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے

اپنے حملوں کا رخ حضرت امام حسینؑ کی طرف پھیر دیا تاکہ یلغار کر کے انہیں جلد سے جلد شہید کر دیں۔ یہ دیکھ کر آپؑ کے جاں نثاروں نے آپؑ کے چاروں طرف حلقہ بنا لیا تاکہ دشمن کے حملے آپ کو کوئی گزند نہ پہونچا سکیں۔ انہیں جاں نثاروں میں عمرو بن قرظہ بھی تھے۔ یہ آپؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور دشمن کی طرف سے آنے والے تیروں کو اپنے جسم پر روکنے لگے۔ آخر شمعِ امامت کو گل ہونے سے بچانے کی کوشش میں ان کا سارا جسم تیروں سے چھلنی ہو گیا اور وہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ چند سکنڈ کے بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ (تاریخ طبری جلد ششم و ابصار العین ص۹۲)

نافع بن ہلال جملی کی شہادت

ابن قرظہؓ کی شہادت نے ان کے چھوٹے بھائی علی بن قرظہ کو مشتعل کر دیا۔ علی ابن سعد کے لشکر میں تھا اور جب عمرو شہید ہو گئے تو وہ میدان میں آیا اور حضرت امام حسینؑ کو مخاطب کر کے بولا کہ "تم نے میرے بھائی کو پہلے تو گمراہ کیا اور پھر اسے قتل کرا دیا"۔ یہ سن کر حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ "خدا نے تیرے بھائی کو گمراہی میں مبتلا نہیں کیا بلکہ اسے ہدایت عطا کی۔ البتہ تجھے گمراہی میں مبتلا کر دیا"۔ یہ سن کر علی بن قرظہ بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا کہ "اب یا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا یا خود قتل ہو جاؤں گا"۔ یہ کہہ کر اس نے

حضرت حسینؓ پر حملہ کیا مگر آپؓ کے ایک جاں نثار نافع بن ہلال درمیان میں آ گئے اور نیزے کا ایسا وار کیا کہ علی بن قرظۃ زمین پر لوٹنے لگا مگر بعد کو طبی امداد پہونچ جانے سے ہلاک ہونے سے بچ گیا۔ اس کے بعد ابن سعد کے لشکر سے مزاحم بن حریث نکلا اور نافع کے ایک ہی وار سے ہلاک ہو گیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم صفحہ ۲۴۹)

اس کے بعد جنگ نے اور زیادہ شدت اختیار کی اور یزیدی لشکر نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ ادھر سے نافع نے جو بڑے تیر انداز تھے تیر باری شروع کر دی۔ ان کے تیر زہر میں بجھے ہوئے تھے۔ اس لئے جس کے لگتے اس کے حق میں پیغام اجل ثابت ہوتے۔ نافع کے تیروں سے بارہ آدمی تو میدانِ جنگ ہی میں ہلاک ہو گئے مگر لڑتے لڑتے ان کے بھی بازو بیکار ہو گئے۔ آخر گرفتار کر کے ابن سعد کے سامنے پیش کئے گئے۔ اس موقع پر انہوں نے کمال جرأت و بیباکی کا مظاہرہ کیا۔ جب ابن سعد نے ان سے پوچھا کہ "اے نافع تم نے اپنے نفس کے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا؟" تو نافع نے بڑی مردانگی سے جواب دیا کہ "میرے دل کا حال خدا کو معلوم ہے ——— میں نے تمہارے بارہ آدمیوں کو قتل کیا ہے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ اگر میرے بازو بیکار نہ ہو جاتے تو تم ہرگز مجھے گرفتار نہ کر سکتے تھے۔" یہ سن کر شمر آپے

سے باہر ہو گیا اور انہیں شہید کرنے کے ارادے سے تلوار کھینچی۔ یہ دیکھ کر نافع نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ :۔

"خدا کی قسم! اگر تو مسلمان ہوتا تو مجھ کو یہ امر شاق ہوتا کہ اللہ تعالےٰ کے رو برو ہمارے خون کے ساتھ جاتا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہماری موت بدترینِ خلائق کے ہاتھ پر لکھی ہے"

شمر تو پہلے ہی مشتعل تھا، نافع کے ان الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس نے تلوار مار کر نافع کو شہید کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم صہ ۲۵۳)

عابس بن ابی شبیب کی شہادت

نافع کے بعد شوذب بن عبداللہ نے جام شہادت نوش کیا اور ان کے بعد عابس بن ابی شبیب شاکری نے حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اذنِ جنگ طلب کیا اور کہا کہ :۔

"خدا کی قسم دنیا میں آپ سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں ہے، اگر اپنی جان سے زیادہ کوئی اور چیز جو مجھے محبوب ہوتی تو میں اسے آپ پر سے نثار کر دیتا۔ اب میرے پاس یہی جان ہے، اسے نثار کرنے کی اجازت دیجئے"

حضرت حسینؓ سے اجازت لے کر عابس دشمن کی طرف بڑھے اور اپنے

ان الفاظ میں چیلنج کیا کہ :-

"کیا تم میں کوئی مرد ایسا ہے جو اس مرد کے مدمقابل ہو؟"

عابس بڑے بہادر اور فن حرب کے ماہر تھے اور متعدد جنگوں میں داد شجاعت دے چکے تھے۔ اس لئے افواج یزید کے لوگ ان کے مقابلے پر نکلتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ آخر انہوں نے عابس پر پتھر پھینکنا شروع کر دیئے یہ دیکھ کر عابس شیر کی طرح جھپٹے اور صفوں میں گھس گئے۔ ان کی تلوار سے بہت سے لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ خود بھی شہید ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص۲۵۴)

غفاری نوجوانوں کی شہادت

جوں جوں حضرت امامؑ کے ساتھی شہید ہوتے جا رہے تھے آپ کے جاں نثاروں کا ذوقِ شہادت اسی قدر شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اب قبیلہ غفار کے دو نوجوان عبداللہ بن عزرہ[1] اور عبدالرحمن بن عزرہ حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رخصتِ جنگ طلب کی۔ آپؑ نے اجازت عطا فرمائی اور یہ دونوں نوجوان رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آگئے ان دو نوجواں کی حیثیت انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں دو قطروں کی تھی۔ مگر انہوں نے کمال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اور

---

[1] بعض کتب میں ان نوجوانوں کی ولدیت "عروہ" درج ہے (مولف)

بڑی بے جگری سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (طبری جلد ششم ص۲۵۳)

حنظلہ کی شہادت

اب حنظلہ بن اسعد شبامی میدان میں آئے مگر حملہ آور ہونے سے پہلے انہوں نے دشمن کو سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔ یہ کوشش مندرجہ ذیل تقریر کی صورت میں تھی۔

"اے لوگو! مجھے خوف ہے کہ تم پر یوم احزاب کی طرح عذاب نہ آجائے۔ جیسے قوم نوحؑ و عاد و ثمود پر آیا تھا اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر ظلم پسند نہیں کرتا۔

اے لوگو! مجھے روز قیامت کا خوف ہے جس دن تم اللہ تعالیٰ کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔ تم کو خدا کے سوائے اور کوئی بچانے والا نہیں ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

اے لوگو! تم حسینؑ کو قتل نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ عذاب کے ذریعہ سے تمہاری بیخ کنی کر دے گا اور جو شخص اللہ تعالےٰ پر افترا کرے گا وہ خائب و خاسر ہو گا۔"

حنظلہ کی تقریر کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ :-

"اے حنظلہ! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے یہ لوگ اسی وقت سے مستحقِ عذاب ہو چکے ہیں جب میں نے ان کو حق کی طرف بلایا اور یہ لوگ اس کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر اب یہ کلمۂ حق پر کیسے عمل کریں گے جب کہ تمہارے نیک بھائیوں کو قتل کر چکے ہیں۔"

اس کے بعد حنظلہ تلوار لہراتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے اور قتال کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص۲۵۴)

بعض اور شہدا

حنظلہ کے بعد حضرت امامؑ کے جن جاں نثاروں نے جامِ شہادت نوش کیا ان میں سیف بن حارث۔ مالک بن عبد۔ ابو ثمامہ صائدی۔ انس بن حارث اسدی۔ حجاج بن مسروق۔ سالم بن عمرو بن عبداللہ سعد بن حارث۔ یزید بن ثبیط العبدی۔ رافع بن عبداللہ اور سوید بن عمرو بن ابی المطاع وغیرہم شامل ہیں۔ ان حضرات کے ساتھ ہی حضرت امامؑ کے وہ تمام جاں نثار شہید ہو گئے جنہوں نے آپ کی نصرت کے لئے اپنی جانیں پیش کرنے کا عہد کیا تھا۔ اب بنو ہاشم کی باری تھی اور خاندان بنو ہاشم میں سے جو شخص سب سے پہلے میدان میں نکلا وہ علی اکبرؑ تھے۔

علی اکبرؓ کی شہادت

علیؓ اکبر حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے اور آپ کی زوجہ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ کے بطن سے تھے۔ واقعہ کربلا کے وقت ان کی عمر پچیس سال کی تھی (عام طور سے کتابوں میں اٹھارہ سال درج ہے جو درست نہیں ہے) ان کی شکل و شباہت رسولؐ اللہ سے بہت ملتی جلتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ میدان میں جانے لگے تو حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ :۔

"اے مولا کریم آپ گواہ رہیں کہ ان لوگوں کے ظلم و ستم کا نشانہ اب وہ شخص بن رہا ہے جو شکل و صورت اور کردار و گفتار میں آپ کے نبیؐ سے مشابہت رکھتا ہے۔"

اس کے بعد آپؓ نے انہیں اپنا گھوڑا جس کا نام "لاحق" تھا عطا فرمایا اور یہ اس پر سوار ہو کر رجز پڑھتے ہوئے میدان میں گئے۔ اس ہاشمی نوجوان نے جس شجاعت سے جنگ کی اس کی نظیر کربلا کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ پہلے ہی حملے میں انہوں نے دشمن کے متعدد جنگ آزما ہلاک و زخمی کر دیئے اور پھر واپس آ گئے۔ دوسری بار پھر حملہ کیا مگر اس بار ان کی شہادت مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے جب یہ جنگ کرتے ہوئے

دشمن کی صفوں میں گھس گئے تو یزیدی فوج کے ایک شخص مرہ بن منقذ نے جو پہلے سے گھات میں تھا تاک کر نیزہ مارا جو پشت میں لگا اور پار ہو گیا حضرت علیؑ اکبر گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور دشمن نے یلغار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ آل ابی طالب میں آپ پہلے شخص تھے جو میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ (اعیان الشیعہ جلد دوم ص ۲۳۷)

محمد بن عبداللہ بن جعفر کی شہادت

حضرت علی اکبرؑ کے بعد عبداللہ بن مسلمؑ بن عقیل، پھر جعفر بن عقیل۔ ان کے بعد عبدالرحمٰن بن عقیل پھر عون بن عقیل۔ ان کے بعد علی بن عقیل۔ پھر جعفر بن محمد بن عقیل حضرت امام حسینؑ کی طرف سے میدان میں آئے اور بڑی بہادری سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جعفر بن محمد بن عقیل کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفرؑ بن ابی طالب کے فرزند محمد فرض شہادت ادا کرنے کے لئے نکلے۔ یہ وہی محمد ہیں جنہیں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے حاکم مدینہ سے حضرت امامؑ کے لئے پروانۂ امن حاصل کر کے دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ یہ حسینؑ کو پہونچا دو۔ اس وقت حضرت امامؑ مکہ سے کوفہ روانہ ہو چکے تھے اس لئے حضرت عبداللہ بن جعفر کے فرزند محمد اور عون نے راستے میں یہ پروانہ دیا مگر جب آپ نے واپس ہونے سے انکار کیا اور ان دونوں نوجوانوں نے ابن جعفر کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے عون و محمد کو ہدایت کی کہ اچھا پھر

تم بھی حسینؓ کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ دونوں آخر وقت تک حضرت امامؑ کے ساتھ رہے تاآنکہ وہ گھڑی آپہونچی جس کے لئے انہوں نے مکہ سے رختِ سفر باندھا تھا۔ سب سے پہلے محمد رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے اور دشمن کے دس آدمی ہلاک کر کے شہید ہو گئے۔ پھر عون میدان میں نکلے اور جوہر شمشیر زنی دکھانے کے بعد عبداللہ بن قطبہ طائی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ محمد جس شخص کی تلوار سے جان بحق ہوئے اس کا نام عامر بن نہشل تمیمی ہے۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص۲۵۶)

حضرت قاسمؑ کی شہادت

حضرت قاسمؑ سیدنا حضرت امام حسنؓ کے صاحبزادے اور حسن و جمال میں بے نظیر تھے۔ واقعۂ کربلا کے وقت نوجوان تھے۔ حضرت امام حسینؓ ان سے بہت محبت فرماتے تھے اور ایک روایت کے مطابق میدان جنگ کو بھیجنے میں مذبذب تھے مگر حضرت قاسمؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر اجازت عطا فرما دی۔ حضرت قاسمؓ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں گئے کہ:۔

"اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اب جان لو کہ میں حسنؓ کا بیٹا اور نواسۂ رسولؐ ہوں۔ کیا ستم ہے کہ تم نے حسینؓ کو قیدی کی طرح محصور کر لیا ہے۔ خدا اس جماعت کو ابرِ باراں سے محروم رکھے۔"

اِس کے بعد انہوں نے فوج دشمن پر حملہ کر دیا اور کچھ دیر تک خون ریز جنگ کرنے کے بعد عمرو بن سعد بن نفیل ازدی کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔

(تاریخ طبری جلد ششم ص)

محمد الاوسطؒ کی شہادت

حضرت قاسمؑ کے بعد ابو بکر بن حسنؑ حضرت امامؑ کی طرف سے جنگ کرنے نکلے اور آپؑ پر سے اپنی جان فدا کر دی۔ ان کے بعد حضرت علیؑ کے صاحبزادے اور حضرت امام حسینؑ کے بھائی محمد الاوسط جو امامہ بنت ابی العاص کے بطن سے تھے میدان میں آئے اور . . . . فوجِ دشمن کے بہت سے افراد کو قتل کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق قبیلۂ ابان بن دارم کے ایک شخص نے تیر مار کر انہیں شہید کر دیا اور ان کا سر کاٹ کر ابن سعد کے سامنے پیش کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص۲۵۷)

عبداللہ بن علیؑ کی شہادت

محمد الاوسط کے بعد حضرت علیؑ کے دوسرے فرزند عبداللہ جو ام البنین کے بطن سے تھے شہید ہوئے۔ عبداللہ اور ان کے تین دوسرے بھائی عباس بن علیؑ عثمان بن علیؑ اور جعفر بن علیؑ شمر ذی الجوشن کے بھانجے تھے۔ اس لئے جب ابن زیاد نے اسے عمر بن سعد کے نام تہدیدی فرمان دے کر روانہ ہونے کا حکم دیا تو اس نے ابن زیاد سے کہا کہ میرے بھانجے

حسینؓ کے ہمراہ میدان کربلا میں آ گئے ہیں۔ آپ ان کے لئے امان کا فرمان لکھ دیں، چنانچہ ابن زیاد نے شمر کی درخواست پر ان چاروں بھائیوں کے لئے امان نامہ لکھ دیا۔ کربلا پہونچ کر شمر نے ان چاروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ میں نے تمہارے لئے امیر سے امان حاصل کر لی ہے مگر ان غیرت دار بھائیوں نے نہایت بے باکی سے اس کی امان کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ:۔

"خدا کی لعنت ہو تجھ پر اور تیری امان پر کہ ہمیں تو امان دیتا ہے اور نواسہ رسولؐ کو ذبح کرنے کے در پے ہے۔"

(تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۳۷)

واقعہ شہادت کے وقت ان کی عمر پچیس سال تھی، بڑی شجاعت سے جنگ کی اور ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔

ان کے بعد ان کے بھائی عثمان بن علیؓ جنگ کے لئے نکلے شہادت کے وقت ان کی عمر تئیس (۲۳) سال تھی۔ خولی بن یزید اصبحی نے تیر مار کر انہیں شہید کر دیا اور قبیلہ بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے ان کا سر کاٹ لیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵۷)

حضرت عباسؓ کی شہادت

عثمان بن علیؓ کے بعد جعفر بن علیؓ نے شہادت پائی اور ان کے بعد ان کے سب سے بڑے بھائی حضرت عباسؓ جو عباسِ علم دار کے نام

سے مشہور ہیں۔ میدان میں نکلے۔ تاریخ کربلا میں حضرت عباسؓ کا کردار حضرت امام حسینؓ کے بعد سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے اور اپنی موجودگی کا احساس جتنی مرتبہ انہوں نے کرایا ہے اتنا کسی اور نے نہیں کرایا۔ جب حضرت امامؑ اور آپؑ کے ساتھیوں پر پانی بند کیا گیا تو یہی حضرت عباسؓ ایک دستہ لے کر فرات پر گئے اور دشمن کی زبردست مزاحمت کے بعد پانی لانے میں کامیاب ہو گئے۔ دشمن سے آخری اور دو ٹوک گفتگو کے بعد ایک شب کی مہلت لینے کا واقعہ بھی انہیں سے ظہور میں آیا۔ واقعۂ کربلا کی صبح کو فوج کی ترتیب کے وقت حضرت امامؑ نے انہیں کو علم عطا فرمایا۔ اور حضرت امامؑ کی طرف سے جس شخص نے سب سے آخر میں جنگ کر کے اپنی جان نثار کی وہ بھی یہی حضرت عباسؓ تھے۔ ان میں بنو ہاشم کی بہت سی خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔ حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھے۔ نہایت وجیہہ اور دراز قد تھے۔ بڑے شجاع اور فصیح و بلیغ تھے۔ دینداری اور تقویٰ کے اعتبار سے نہایت ممتاز حیثیت کے حامل تھے ان کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت امامؑ کی حفاظت کرنے والوں میں سے سوائے ان کے اور کوئی باقی نہیں رہا ہے اور پرچم حسینؓ کو بلند رکھنا ان کا فرض ہے تو یہ دیوانہ وار میدان میں نکلے اور عجیب والہانہ جوش و خروش سے جنگ کرنے لگے۔ جب حکیم بن طفیل طائی نے

تلوار مار کر ان کا دایاں ہاتھ قطع کر دیا تو انہوں نے علم کو گرنے نہ دیا اور اسے
بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر زید بن ورقاء جہنی نے آگے بڑھ کر تلوار
کی ضرب سے بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ مگر فوراً انہوں نے علم کو
سینے کے ساتھ لگا لیا۔ آخر قبیلۂ بنو تمیم کے ایک بدبخت نے سر پر
وار کر کے اس محافظِ شمعِ امامت کو گل کر دیا۔ ایک دوسری روایت
کے مطابق حضرت امام حسینؓ پیاس سے بے تاب ہو کر حضرت عباسؑ
کے ہمراہ فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر دشمن نے حضرت عباسؓ
کو نرغے میں لے لیا تاکہ حضرت امامؑ سے الگ کر لیں اور وہ اسی حالت میں
بڑی بہادری سے جنگ کرتے ہوئے زید بن ورقاء جہنی اور حکیم بن طفیل
کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ (اعیان الشیعہ جلد چہارم ص۲۴۳)

شہادتِ عظیمہ

اب خانوادۂ رسولؐ کے صرف دو نام لیوا[1] باقی رہ گئے تھے۔ ایک
تو خیمے میں علیؑ بن حسینؑ اور دوسرے میدان جنگ میں حسینؑ بن علیؑ۔
یہ تاریخ اسلام کا نازک ترین وقت تھا۔ وہ عظیم المرتبت ہستی جو رسولِ اسلام
اور پیمبرِ امن ہو کر مبعوث ہوئی تھی اور جس نے تمام عمر آزادی، انصاف
اور قیامِ امن کے لیے عظیم جد و جہد کی آج اسی نبی کی اُمّت

---

[1] نام لیوا سے مراد بالغ مرد ہیں (مؤلف)

اسی کے خانوادے کے ایک ایک فرد کو چن چن کر قتل کر چکی تھی اور اب اس کے نواسے کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور خانوادۂ رسولؐ کا یہ رکنِ اعلےٰ یہ نواسۂ رسولؐ اپنے جد کے دین کی حرمت بچانے کے لئے اپنے خاندان کو بھینٹ چڑھا کر اب خود بھی یکہ و تنہا ہونے کے باوجود موت کو مرحبا کہتا ہوا مردانہ وار بڑھ رہا تھا اور دشمن ہر طرف سے یلغار کر رہا تھا تاکہ خاندانِ نبوت کی اس نشانی کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ باوجودیکہ حضرت امام حسینؓ میدانِ جنگ میں تنہا تھے، اور آپؓ کا حامی و مددگار سوائے خدا کے اور کوئی نہ تھا مگر پھر بھی شامی لشکر آپ کے مقابلے پر آتے ہوئے ہچکچاتا تھا۔ آخر شمر اور دوسرے سردارانِ لشکر کی تنبیہ پر دشمن نے یورش شروع کر دی۔ ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور دہن مبارک پر لگا۔ سارا لباس خون سے رنگین ہو گیا۔ دشمن کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر آپ نے صرف اتنا کہا کہ "اے پروردگارِ عالم! یہ لوگ تیرے نبیؐ کے نواسے کے ساتھ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا شکوہ صرف تجھی سے کروں گا۔" بیان کیا گیا ہے کہ اسی دوران میں آپؓ کا ایک صغر سن بچہ خیمے کے باہر آگیا اور حضرت امامؓ کی طرف فرطِ محبت سے بڑھنے لگا کہ اتنے میں کسی بدبخت نے تیر مارا جو بچے کے گلے میں پیوست ہو گیا اور اس نے تڑپ تڑپ کر وہیں جان دے دی۔ اس کے بعد ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی اور حضرت امام اس تیر باری

کے باوجود گھوڑا بڑھاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ آپ کے حملوں میں بلا کی شدت تھی اور جو مقابلے پر آتا تھا وہ ہلاک یا زخمی ہو جاتا تھا۔ مالک بن بشر کندی جو دیر سے تاک میں تھا جب آپؑ اس کے قریب سے گذرے تو اس نے تلوار کا ایک ایسا وار کیا جو سر مبارک پر پڑا اور کافی دُور تک کاٹتا چلا گیا۔ مگر اس شدید زخم نے بھی آپ کے حوصلوں کو پست نہ کیا اور اس حالت میں بھی آپؑ نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر حملے کر کے اس کے کئی آدمیوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن اب سارا جسم زخموں سے چور ہو رہا تھا۔ بکثرت خون بہہ گیا تھا۔ بھوک اور پیاس کی شدت نے بھی نڈھال کر دیا تھا اور شمشیر زنی نے بھی تھکا دیا تھا اس لئے آپ گھوڑے پر قائم نہ رہ سکے۔ چالاک دشمن سمجھ گیا کہ اب ان کی قوتِ مدافعت جواب دے گئی ہے اس لئے اس نے ہر طرف سے یلغار شروع کر دی اور شمر نے یہ کہہ کر لوگوں کو غیرت دلائی کہ :۔

"تمہاری مائیں مر جائیں، تم ایک پیادے کو نہیں مار سکتے۔ تُف ہے تمہاری مردانگی پر۔ اگر تم لوگ ایک ایک کنکری پھینکو تو حسینؑ دب کر مر جائے۔ بڑھو بڑھو اپنے نام اور خاندان کو رسوا نہ کرو۔"

اس جوشیلی تقریر نے کوفیوں کی ہمت بندھا دی۔ ان کے پیادوں اور سواروں، نیزہ بازوں اور تیر اندازوں غرض سب نے مل کر حضرت امامؑ پر

یکبارگی حملہ کر دیا۔ اس حملۂ عام میں زرعہ بن شریک تمیمی نے آگے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے آپ کا بازو زخمی ہو گیا۔ دوسرا حملہ سنان بن انس نے نیزے سے کیا اور جب آپؓ زمین پر گر پڑے تو پھر اسی سنان بن انس نے آگے بڑھ کر آپؓ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

یہ وہ صلہ تھا جو رسولُ اللہ کو امت کی بے مثال خدمات انجام دینے کے عوض وصال کے پچاس سال بعد امت ہی کے ایک گروہ کے ہاتھوں مل گیا

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

شہادت کے بعد

شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے حضرت امامؑ کا سر مبارک خولی بن یزید اصبحی کو دے کر حکم دیا کہ سارے لشکر میں اس کی تشہیر کی جائے۔ چنانچہ خولی نے سرِ امامؑ کو نیزے پر چڑھا کر سارے لشکر میں گھمایا۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ سواروں کا ایک دستہ طلب کر کے اسے حکم دیا گیا کہ گھوڑوں کے سُموں سے حضرت امامؑ کی لاش کو روند ڈالو۔ چنانچہ شامی فوج کے گھوڑوں نے امامؑ کے جسم مطہر کو اپنی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ کہتے ہیں کہ لاش پر گھوڑے دوڑانے سے پہلے یزیدی فوج کے بعض سپاہیوں نے ہجوم کر کے آپؓ کی تلوار، سپر اور نیزہ لوٹ لیا اور جسم کے بعض کپڑے تک اتار لئے۔ اس لوٹ مار کے دوران میں شمر ذی الجوشن حضرت

علیؓ بن الحسینؓ (امام زین العابدین) کے خیمے کے پاس آیا اور انہیں دیکھ کر کہنے لگا "کہ یہ زندہ ہے۔ اسے کیوں قتل نہیں کیا گیا"۔ شامی فوج کے ایک سردار حمید بن مسلم نے شمر کے یہ الفاظ سن کر کہا کہ "کیا تم بیمار کو بھی قتل کرو گے"؟ اتنے میں عمرو بن سعد بھی آگیا اور اس نے بھی امام زین العابدین کے قتل کی مخالفت کی، اس طرح حضرت امام حسینؓ کا یہ فرزند جس سے اللہ تعالیٰ اس خاندان کی نسل باقی رکھنا چاہتا تھا قتل ہونے سے بچ گیا۔

سرِ حسینؓ ابن زیاد کے سامنے

حضرت امام حسینؓ اور آپؓ کے رفقاء کے قتل سے فراغت پاکر ابن سعد نے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہاتھ حضرت امام کا سرِ مبارک ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔ جس وقت آپ کا سر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے وہ آپؓ کے دندان مبارک پر مارنے لگا۔ قریب ہی رسولؐ اللہ کے محبوب صحابی حضرت انسؓ[1] تشریف رکھتے تھے جو یہ روح فرسا منظر برداشت نہ کر سکے اور غضبناک ہو کر ابن زیاد سے یوں مخاطب ہوئے

---

[1] عام طور سے حضرت انسؓ کے بجائے حضرت زیدؓ بن ارقم کی موجودگی بتائی جاتی ہے اور یہی طبری نے لکھا ہے مگر حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام ابن تیمیہؒ نے حضرت انسؓ ہی کا نام لکھا ہے اور قرائن بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ (مولف)

"اپنی چھڑی کو ان ہونٹوں پر سے ہٹالے۔ خدا کی قسم جس کے سوائے کوئی معبود نہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ حسینؓ کی اس جگہ کو بوسہ دیتے تھے۔"

یہ کہہ کر حضرت انسؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی۔ مگر ابن زیاد حضرت انسؓ کے یہ الفاظ سن کر طیش میں آگیا اور کہنے لگا کہ "اے بوڑھے! اگر تو سٹھیا نہ گیا ہوتا تو میں اسی وقت تیرا سر اڑا دیتا۔" یہ کہہ کر انہیں اپنی مجلس سے نکلوا دیا اور حضرت انسؓ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ "اے اہلِ عرب! آج کے بعد تم ذلیل ہو گئے کہ تم نے نبیؐ کے فرزند کو قتل کیا اور ایسے شخص کو اپنا حاکم بنالیا جو نیکوں کو قتل کرتا اور بدوں کی عزت افزائی کرتا ہے۔" اس کے بعد ابن زیاد کے حکم سے حضرت امامؑ کا سر مبارک کوفہ کے بازاروں میں گھمایا گیا۔

دوسرے دن ابن سعد اور اس کی فوجیں قافلہ حسینؓ کے بچے کھچے لوگوں کو لے کر کوفہ روانہ ہوئیں ان کی روانگی کے بعد ایک قریبی گاؤں کے لوگوں نے میدان کربلا میں آکر شہیدوں کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی لاشوں کو دفن کیا۔

کوفہ پہونچ کر ابن سعد نے قافلہ حسینؓ کے بقیۃ السیف کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ حضرت امام حسینؓ کی ہمشیرہ حضرت زینبؓ مردوں سے ہٹ کر ایک طرف کو بیٹھ گئیں اور خاندان کی دوسری مستورات نے

ان کے گرد حلقہ کر لیا۔ یہ شانِ امتیاز دیکھ کر ابن زیاد نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ آپ کی ایک لونڈی نے بتایا کہ یہ رسول اللہؐ کی نواسی اور فاطمہؓ کی بیٹی ہیں یہ سن ابن زیاد نے حضرت زینبؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ :۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ذلیل و خوار کیا اور تمہارے دعوؤں کو جھٹلایا۔"

حضرت زینبؓ کڑک کر بولیں کہ :۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے نبی کے گھرانے میں پیدا کر کے عزت دی اور ہر قسم کی برائی اور گندگی سے پاک کیا۔ ذلیل و خوار تو وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔"

حضرت زینبؓ کا یہ جرأت مندانہ جواب سن کر آپ کے دل پر ابن زیاد نے دوسرا چرکا اس طرح لگایا کہ :۔

"تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے اہل بیت کو کس طرح قتل کیا اور تمہاری جڑ کو کاٹ دیا۔"

حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ :۔

"ان کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔ اس لئے وہ اپنی قتل گاہ میں چلے آئے۔ جلد ہی تم اور وہ خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہو گے۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا استغاثہ پیش کریں گے

اور یقین ہے کہ خدا انصاف کرے گا۔"

حضرت زینبؓ کا یہ جواب سن کر ابن زیاد کو سخت طیش آیا اور غصہ سے بے قابو ہو کر بولا کہ "خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے سرکش اور نافرمان (حضرت امام حسینؓ) کو ہلاک کر کے میرا دل ٹھنڈا کیا۔"

یہ سن کر حضرت زینبؓ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور گریہ و زاری کے ساتھ فرمانے لگیں کہ :-

"قسم ہے میری زندگی کی کہ تم نے ہمارے مردوں کو قتل کیا، ہماری شاخوں کو قطع کیا اور ہمارے خاندان کو تباہ و برباد کیا۔ کیا اس سے تمہارا دل ٹھنڈا ہوا۔"

حضرت زینبؓ کی جرأت مندانہ اور فصیح و بلیغ گفتگو سن کر ابن زیاد نے کہا کہ "میری زندگی کی قسم تو بڑی بہادر اور شاعرہ ہے۔ تیرا باپ بھی شجاع اور شاعر تھا۔" حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ "ہم عورتوں کو اس سے کیا سروکار۔" اس دوران میں ابن زیاد کی نظر حضرت امام زین العابدینؒ پر پڑی اور ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے انہوں نے فرمایا کہ علیؒ بن حسینؓ۔ ابن زیاد بولا کہ کیا علیؓ کو خدا نے قتل نہیں کیا۔ حضرت امام زین العابدینؒ نے فرمایا کہ میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علیؓ تھا انہیں لوگوں نے قتل کر دیا۔ ابن زیاد بولا انہیں لوگوں نے نہیں

اللہ تعالےٰ نے قتل کیا۔ حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ ہی لوگوں کو ان کے وقت مقررہ پر وفات دیتا ہے اور کسی انسان کی مجال نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی منشا و حکم کے بغیر مر سکے۔" پھر آپؓ نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝

حضرت امام زین العابدینؓ کا یہ جواب سن کر ابن زیاد آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے۔ یہ دیکھ کر حضرت زینبؓ نے انہیں اپنے پیچھے چھپا لیا اور ابن زیاد سے کہا کہ کیا ہمارے خاندان کے اتنے افراد قتل کرنے کے بعد بھی تمہارا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔ خدا کی قسم یہ اس وقت تک قتل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔ آخر اللہ تعالےٰ نے اس کے دل میں کچھ رحم ڈال دیا اور وہ امام زین العابدینؓ کے ارادۂ قتل سے باز آ گیا۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو جامع مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا اور منبر پر جا کر پہلے خدا تعالیٰ کی ثناء و صفت کی اور پھر حضرت امام حسینؓ کا واقعہ شہادت بیان کر کے کہا کہ خداوند تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے امیر المومنین (یزید) کو کامیابی عطا فرمائی اور ان کے دشمن کو قتل کر کے ذلیل و خوار کیا۔ اس کے بعد اس نے حضرت علیؓ

اور حضرت امام حسینؓ کو نہایت ناشائستہ الفاظ سے یاد کیا۔ عبداللہ بن عفیف ازدی جو حضرت علیؓ کے بڑے عقیدت مند تھے اور ضعیف العمر ہونے کے علاوہ بصارت بھی کھو چکے تھے یہ اندازِ تخاطب برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے کھڑے ہو کر ابن زیاد سے کہا کہ "اے کذاب ابن کذاب! تو نبیؐ کے بیٹے کو قتل کرتا اور پھر اس کے منبر پر کھڑے ہو کر اس قسم کی باتیں کرتا ہے خدا تجھے ہلاک کرے" ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے پکڑ لو۔ لوگوں نے عبداللہ کو پکڑنا چاہا۔ لیکن ان کے قبیلے کے لوگ بھی وہاں موجود تھے وہ مزاحم ہوئے اور انہوں نے عبداللہ کو چھڑا لیا۔ مگر ابن زیاد نے رات کے وقت پولیس کا ایک مسلح دستہ بھیج کر انہیں گھر سے گرفتار کرا لیا اور پھر انہیں قتل کرا دیا۔

یزید کے دربار میں

اس کے بعد ابن زیاد نے اس لٹے پٹے اور شکستہ حال قافلے کو شام لے جانے کا حکم دیا اور حضرت امام حسینؓ کا سر بھی یزید کے پاس روانہ کر دیا۔ جب آپؓ کا کٹا ہوا سر۔ یتیم بچے اور بیوہ خواتین یزید کے سامنے پیش ہوئیں تو اس نے بڑی مکاری سے قتلِ حسینؓ کا سارا الزام ابن زیاد کے سر لگا دیا اور کہنے لگا کہ "خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے اگر وہ حسینؓ کو قتل نہ کرتا تو بھی میں اس سے راضی رہتا۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو

حسینؓ کو معاف کر دیتا۔" مگر اس کے بعد اس نے حضرت امام زین العابدین سے جو گفتگو کی اس میں اس کے دِل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔ اس نے کہا کہ " تمہارے باپؓ نے میرے ساتھ جدال و قتال کیا۔ میرے حقوق کو پامال کیا یہ اسی کا نتیجہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مجھ سے افضل اور خلافت کے مستحق ہیں۔ انہوں نے یہ بات نظر انداز کر دی کہ ملک خدا تعالےٰ کا ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔" اس کے بعد اس نے مستورات کو محل کے زنانہ حصے میں بھیج دیا۔ اس کے گھر کی عورتیں اہل بیت نبویؐ کی شکستہ حالی و بے سروسامانی کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور ڈھاڑیں مار مار کر روئیں۔ یزید نے اپنے طرزِ عمل سے اس امر کی بڑی کوشش کی کہ خاندانِ حسینؓ کے بقیۃ السیف کی دلدہی کر کے ان کے غم و غصہ کو زائل کر دے کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ جب یہ لوگ مدینہ پہونچ کر سارے واقعات سنائیں گے تو حجاز میں میرے خلاف آگ لگ جائیگی جس کا بجھانا میرے بس سے باہر ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت امام زین العابدینؓ کو اکثر کھانے پر بلاتا اور انہیں اپنے ساتھ ہی کھانا کھلاتا۔ اس کے محل کی مستورات بھی خاندانِ حسینؑ کی مستورات کے ساتھ بڑی خاطر و مدارات کا سلوک کرتیں رخصت ہوتے وقت اس نے مالی نقصان کی تلافی کی بھی پیش کش کی جسے ان غیور خواتین نے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

مدینہ کو واپسی

چند یوم اپنے محل میں مہمان رکھ کر اس ستم رسیدہ قافلے کو یزید نے مدینہ بھیج دیا اور قابلِ اعتبار افراد کا ایک دستہ ان کی حفاظت کے لئے ساتھ کر دیا۔ محافظین نے اس قافلے کو بحفاظت اور نہایت آرام کے ساتھ مدینہ پہونچایا اور راستے میں ان کی جملہ ضروریات و تکالیف کا خیال رکھا۔ خصوصیت سے مستورات کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ حضرت زینب رضؓ محافظین کے حسنِ سلوک سے بڑی خوش ہوئیں اور منزلِ مقصود پر پہونچ کر انہوں نے اپنے کنگن جو لوٹ مار سے بچ رہے تھے اتار کر محافظ دستے کے افسر کو بطور شکریہ کے بھجوائے مگر اس نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں نے یہ فرض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ادا کیا ہے۔

قافلہ حسینؑ کے مدینہ پہونچنے سے پہلے ہی اس روح فرسا واقعے کی اطلاع وہاں پہونچ چکی تھی۔ چنانچہ جب یہ مصیبت زدہ لوگ شہر میں داخل ہوئے تو مردوں اور عورتوں کے ہجوم کے ہجوم جمع ہو گئے جو انہیں دیکھتا وہ دھاڑیں مار مار کر روتا۔ ایک روایت کے مطابق یہ قافلہ مدینہ کے جس راستے سے گزرا وہاں کا کوئی مکان ایسا نہیں تھا جو اپنے مکینوں سے خالی نہ ہو گیا ہو۔ ہر طرف ایک قیامت برپا تھی اور آہ و بکا سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ یہ

قافلۂ حسینؓ کی آخری منزل تھی مگر یہیں سے ایک اور منزل شروع ہوئی۔

شہدائے کربلا کا کردار

سیدنا حضرت امام حسینؓ اور آپؓ کے ساتھیوں نے کربلا کے میدان میں جس شجاعت و استقلال کا مظاہرہ کیا، تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مٹھی بھر افراد کا دنیا کی معلوم کی سب سے بڑی طاقت کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹ جانا اور یہ جاننے کے باوجود کہ ہم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا اپنے موقف پر سختی سے قائم رہنا تاریخِ شجاعت و استقلال کا ایک ایسا روشن باب ہے جس کی چمک دمک ایک صدی سے زیادہ گذر جانے کے باوجود آج بھی اسی طرح قائم ہے اور ابدالآباد تک قائم و دائم رہے گی۔ سب سے زیادہ حیرت یہ دیکھ کر ہوتی ہے کہ حضرت امامؓ کے ساتھیوں کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا اور ان کے لئے یہ راستہ کھلا ہوا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے کنارہ کشی اختیار کر کے فوجِ دشمن سے مل جاتے۔ اس صورت میں نہ صرف ان کی جانیں بچ جاتیں بلکہ حکومت وقت کی طرف سے بیش از بیش انعام و اکرام سے بھی نوازے جاتے۔ مگر آفرین ہے ان پیکرانِ وفا پر کہ انہوں نے اپنے آقا کے ساتھ حیرت انگیز وفاداری کا مظاہرہ کیا اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنی جان بچانے یا دنیوی فائدے کی خاطر اپنے قائد سے

غلامی نہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب تک اپنے موقف کی صداقت کا حد درجہ یقین اور اپنے قائد کے ساتھ پر خلوص محبت نہ ہو اس وقت تک جاں نثاری و وفاداری کا یہ بے مثال جذبہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ جس کا عدیم النظیر نمونہ میدان کربلا میں دکھایا گیا۔ جب تک زمین اپنے محور کے گرد مقررہ رفتار سے گردش کرتی رہے گی اور سورج مقررہ سمتوں سے طلوع و غروب ہوتا رہے گا اس وقت تک آنے والی نسلوں میں سے تمام منصف مزاج۔ باوفا اور حق پسند لوگ حضرت امامؑ کے وفادار ساتھیوں پر سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کا نام عزت و عقیدت سے لیتے رہیں گے کہ انہوں نے ارض کربلا پر اپنے خون سے یہ تاریخی دستاویز رقم فرمادی کہ کسی کے ساتھ پیمانِ وفا باندھنے سے پہلے سوچ لو کہ جن امور پر عہدِ وفا کر رہے ہو ان کی بنیاد حق و صداقت پر ہے یا نہیں؟ اور جب ان امور کی صداقت کا یقین ہو جائے تو پھر جس کے ساتھ پیمان باندھا ہے۔ اس کی حمایت میں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا جاؤ خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ اس کے دائیں بھی لڑو اور بائیں بھی، آگے بھی لڑو اور پیچھے بھی۔ حتیٰ کہ اپنی جانیں اس پر سے نثار کر دو اور دشمن تمہاری لاشوں پر سے گذر کر ہی اس تک پہنچ سکے

شہدائے کربلا کی تعداد

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت امامؑ کے

ساتھ بہتّر (۷۲) افراد نے شہادت پائی۔ یہ تعداد اس تواتر سے بیان کی گئی کہ بڑے ثقہ اور محتاط مورخ بھی اسے بے تکلف درج کر دیتے ہیں۔ حالانکہ واقعات کی چھان بین اور کتبِ تاریخ دسیر کی ورق گردانی کرنے کے بعد شہدائے کربلا کی یہ تعداد کسی طرح صحیح قرار نہیں پاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے اس وقت آپ کے ساتھیوں کی تعداد بہتّر (۷۲) تھی۔ لیکن مکہ سے کوفہ تک مختلف مقامات پر لوگ آ آ کر آپ کے قافلے میں ملتے رہے۔ اور بعض لوگ جو عمر د بن سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ ابن زیاد حضرت امام حسینؑ کی کوئی شرط منظور کرنے کے لئے تیار نہیں تو پوشیدہ طور پر ابن سعد کی فوج سے الگ ہو کر حضرت امام حسینؑ کے لشکر میں آ گئے۔ اس طرح تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور کربلا پہونچ کر یہ تعداد بہت بڑھ چکی تھی مگر روانگی کے وقت آپ کے ساتھیوں کی جو تعداد تھی وہی شہرت پا گئی اور بعد کی تعداد کو بھلا دیا گیا۔ مستند کتبِ تاریخ سے واقعہ کربلا میں جن افراد کی شہادت ثابت ہوتی ہے ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

شہدائے بنو ہاشم

۱۔ حضرت علی اکبرؑ (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ (۳) جعفر بن عقیل (۴) عبدالرحمن بن

عقیلؓ (۵) عون بن مسلم بن عقیلؓ (۶) جعفر بن محمد بن عقیلؓ (۷) احمد بن محمد بن عقیلؓ (۸) محمد بن عبداللہ بن جعفرؓ (۹) عون بن عبداللہ بن جعفرؓ (۱۰) حضرت قاسمؓ بن حسنؓ (۱۱) ابوبکر بن حسنؓ (۱۲) محمد الاوسط (۱۳) عبداللہ بن علیؓ (۱۴) عثمانؓ بن علیؓ (۱۵) جعفر بن علیؓ (۱۶) عباسؓ بن علیؓ (۱۷) علی اصغر بن حسینؓ (۱۸) سیدالشہداء حضرت امام حسینؓ۔

دیگر شہداء

(۱۹) بریر بن حضیر ہمدانی (۲۰) مسلم بن عوسجہ (۲۱) عبداللہ بن عمیر الکلبی (۲۲) عمرو بن خالد (۲۳) منیح بن سہم (۲۴) عائذ بن مجمع (۲۵) مجمع بن عبداللہ (۲۶) جنادہ بن حارث سلمانی (۲۷) سعد (غلام عمرو بن خالد) (۲۸) جندب بن حجیر بن کندی (۲۹) جابر بن حجاج (۳۰) جنادہ بن کعب بن حارث خزرجی (۳۱) ادہم بن امیہ عبدی (۳۲) جبلہ بن علی شیبانی (۳۳) امیہ بن سعد طائی (۳۴) جوین بن مالک بن قیس تیمی (۳۵) حارث بن بنہان (۳۶) حلاس بن عمرو ازدی (۳۷) حارث بن امراء القیس کندی (۳۸) حجاج بن زید سعدی تمیمی (۳۹) حباب بن عامر بن کعب (۴۰) جبشتہ بن قیس النہمی (۴۱) حنظلہ بن عمر شیبانی (۴۲) سالم (غلام عامر بن مسلم) (۴۳) زاہر بن عمرو اسلمی (۴۴) سوار بن ابی عمیر (۴۵) زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی (۴۶) سبیت بن مالک نمیری (۴۷) زہیر بن بشر خثعمی (۴۸) سلیم (غلام حضرت امام حسینؓ) (۴۹) ضرغامہ بن مالک تغلبی (۵۰) شبیب بن عبداللہ

(۵۱) عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر (۵۲) شبیب بن عبداللہ نہشلی (۵۳) عامر بن مسلم عبدی (۵۴) عبدالرحمٰن بن عبدرب خزرجی (۵۵) عبداللہ بن ثبیط (۵۶) عبدالرحمٰن بن عبداللہ ارحبی (۵۷) عمار بن ابی سلامہ (۵۸) عبدالرحمٰن بن مسعود (۵۹) عبیداللہ بن یزید بن ثبیط (۶۰) عبداللہ بن بشیر خثعمی (۶۱) عقبہ بن صلت جہنی (۶۲) عمران بن کعب بن حارث (۶۳) عمار بن حسان طائی (۶۴) کردوس بن زہیر تغلبی (۶۵) عمرو بن ضبیعہ عبسی (۶۶) قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی۔

(۶۷) مسلم بن کثیر بن قلیب ازدی (۶۸) کنانہ بن عتیق تغلبی (۶۹) قارب بن عبداللہ (غلام حضرت امام حسینؑ) (۷۰) مسعود بن حجاج تیمی (۷۱) نصیر بن ابی نیزر (۷۲) مجمع بن زیاد بن عمرو جہنی (۷۳) قاسم بن حبیب بن ابی بشیر ازدی (۷۴) نعیم بن عجلان انصاری (۷۵) منیح بن رقاد (۷۶) مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی (۷۷) یزید بن حصین مشرقی (۷۸) بکر بن حی بن تیم الات تیمی۔

(۷۹) عمرو بن جنادہ بن کعب خزرجی (۸۰) حبیب ابن مظاہر (۸۱) حُر بن یزید تمیمی (۸۲) سعید بن عبداللہ حنفی (۸۳) زہیر بن القین (۸۴) عمرو بن قرظہ بن کعب الانصاری (۸۵) سلمان بن مضارب بن قیس الجبلی (۸۶) نافع بن ہلال جملی (۸۷) شوذب بن عبداللہ (۸۸) عابس بن ابی شبیب شاکری۔

(۸۹) حنظلہ بن اسعد شبامی (۹۰) عبداللہ بن عروہ بن حراق غفاری (۹۱) عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری (۹۲) سیف بن حارث بن سریع ہمدانی (۹۳)

مالک بن عبد بن سریع (۹۴) اسلم بن عمرو (ترکی النسل غلام حضرت امام حسینؑ)۔ (۹۵) ابوثمامہ صائدی (۹۶) انس بن حارث اسدی (۹۷) جون بن حوی بن قتادہ (غلام حضرت ابوذر غفاریؓ)، (۹۸) حجاج بن مسروق جعفی (۹۹) سعد بن حارث (غلام حضرت علیؑ) (۱۰۰) زیاد بن عریب ہمدانی (۱۰۱) عمر بن جندب حضرمی (۱۰۲) سالم بن عمرو بن عبداللہ (۱۰۳) قعنب بن عمرو نمری (۱۰۴) یزید بن معقل جعفی۔ (۱۰۵) یزید بن ثبیط العبدی (۱۰۶) سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی (۱۰۷) ابو الشعثا کندی (۱۰۸) ابوالحتوف الانصاری (۱۰۹) رافع بن عبداللہ۔ (۱۱۰) انیس بن معقل اصبحی (۱۱۱) سعید بن حنظلہ تمیمی (۱۱۲) بشر بن عمرو بن الاحدوث (۱۱۳) عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنی (۱۱۴) محمد بن مطاع (۱۱۵) عمر بن عبداللہ مذحجی (۱۱۶) معلی بن المعلی (۱۱۷) یحییٰ بن سلیم مازنی (۱۱۸) عمرو بن مطاع جعفی۔ (۱۱۹) قرۃ بن ابی قرۃ غفاری (۱۲۰) عبدالرحمٰن بن عبداللہ نیری (۱۲۱) یحییٰ بن سلیم مازنی (۱۲۲) قرۃ بن ابی قرۃ غفاری (۱۲۳) انیس بن معقل اصبحی (۱۲۴) معلی بن المعلی (۱۲۵) علی بن مظاہر اسدی۔

(ملاحظہ ہو ۔ تاریخ طبری جلد ششم ۔ عمدۃ الطالب، روضتہ الصفا جلد سوم اصابہ جلد دوم۔ ابصار العین۔ ناسخ التواریخ۔ جلد ششم۔ اعیان الشیعہ جلد اول و

لہ شہدائے کربلا کے نام لکھتے ہوئے اس ترتیب کا التزام نہیں رکھا گیا ہے جس کے مطابق انہوں نے شہادت پائی۔ مقصد ان کے نام اور تعداد بتانا تھا۔ (مولف)

چہارم، تنقیح المقال جلد دوم و سوم، مناقب ابن شہر آشوب جلد سوم و چہارم۔)

شہدائے کربلا کے یہ اسمائے گرامی بڑی احتیاط کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور جس نام کی پوری طرح تصدیق نہ ہو سکی یا داخلی و خارجی شہادتوں نے جس کی تائید نہ کی اسے قلم انداز کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے سیدنا حضرت امام حسین رض کے ساتھ جن افراد نے شہادت پائی ان کی تعداد ایک سو چھپن ہے۔ ورنہ اگر وہ تمام نام شمار کر لیے جائیں جو کتب تاریخ و سیر میں درج ہیں تو یہ تعداد ڈیڑھ سو افراد تک پہونچ جاتی ہے مگر ایک سو چھپن افراد کی شہادت میں تو کوئی شک ہی نہیں اور "بہتر" افراد کی شہادت کی شہرت بالکل غلط اور تاریخی حقائق کے قطعاً خلاف ہے۔

جہاں یہ غلط روایت شہرت پکڑ گئی کہ میدان کربلا میں سیدنا حضرت امام حسین رض کے ساتھ بہتر افراد تھے، وہاں بعض ناموں کا خواہ مخواہ اضافہ بھی کر دیا گیا۔ اور انہیں بعض بڑے مورخین نے بھی درج کر دیا۔ حالانکہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ یہ لوگ واقعۂ کربلا کے بعد عرصۂ دراز تک زندہ رہے۔ حضرت عمر رض بن علی رض کا نام اسی قبیل کے ناموں میں سے ہے۔ ابن شہر آشوب نے مناقب میں اور محسن عاملی نے اعیان الشیعہ میں ان کا نام شہدائے کربلا کی فہرست میں درج کیا ہے۔ مگر "ابصار العین" اور "عمدۃ الطالب" جیسی کتابیں ان کے ذکر سے خالی ہیں اور بعض کتب کے مطالعے سے معلوم ہوتا

ہے کہ وہ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ گئے ہی نہیں، صرف یہی نہیں بلکہ یہاں تک صراحت موجود ہے کہ یزید کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ بن علیؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت کر لی اور ان کے بعد دوسرے اموی خلفاء کی بیعت کی اور ۷۵ سال کی عمر پا کر فوت ہوئے (عمدۃ الطالب ص۳۲۹)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ واقعاتِ شہادت اور شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی میں کتنا اختلاف ہے۔ مندرجہ بالا امثال نمونتہً درج کی گئی ہے ورنہ اختلافات کا انبار لگا ہوا ہے اور ایک سیرت نگار یا حقیقت پسند مورخ کے لئے صحیح واقعات تک پہونچنا نہایت مشکل ہے۔

واقعۂ کربلا کا ردِ عمل

واقعہ کربلا کا ردِ عمل

حجاز کے حالات حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے قبل ہی نازک صورت اختیار کر گئے تھے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یزید کی تخت نشینی کے ساتھ ہی حجاز کی فضا میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت امام حسین بیعتِ یزید سے انکار کر کے مدینہ سے مکہّ چلے گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اطاعت یزید کا جُوا اپنے کندھے پر رکھنے سے انکار کر دیا اور وہ بھی مکّہ جا کر حرم میں پناہ گزین ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے بھی یہ عذر کیا کہ جب تک یزید پر اجماعِ امت نہیں ہو جائے گا میں بیعت نہیں کروں گا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ جیسے جیّد صحابی نے بھی یہ کہہ کر یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے سے انکار کر دیا کہ میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا

جب تک سارا عالم اسلام اس کی بیعت میں نہ آجائے۔ طبری نے ان کے انکار بیعت کے متعلق اپنی مشہور عالم تاریخ میں یہ واقعہ درج کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ولید (حاکم مدینہ) نے ابن عمرؓ کو بلا کر بیعت یزید کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب سارے لوگ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا اس پر ولید کے مصاحبین میں سے ایک شخص نے کہا کہ آخر تم بیعت کیوں نہیں کر لیتے، کیا تمہیں اس امر کا انتظار ہے کہ لوگوں کے درمیان نفاق پیدا ہو جائے۔ جدال و قتال ہو اور وہ لوگ جن کی خلافت کی توقع ہے مارے جائیں اور جب میدان صاف ہو جائے تو لوگ کہیں کہ اب تو عبداللہ بن عمرؓ کے سوا کوئی باقی ہی نہیں رہا، چلو انہیں کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ نہ تو میں کشت و خوں ریزی کا خواہشمند ہوں، نہ لوگوں کے درمیان اختلاف کا طالب ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ لوگ (جن کے متعلق خلیفہ ہونے کی امید ہے) ہلاک ہو جائیں۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ جب سارے لوگ بیعت کر لیں گے اور میں دیکھوں گا کہ اب میرے سوائے کوئی باقی نہیں رہا تو میں بھی بیعت کر لوں گا۔ حضرت ابن عمرؓ کا یہ جواب سن کر سب خاموش ہو گئے اور پھر کسی نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ لیکن ابن زبیرؓ کا معاملہ حضرت ابن عمرؓ سے مختلف تھا۔ ایک تو اس لئے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو ان سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کر دی تھی۔ دوسرے وہ بہت

بہادر، عقلمند اور باا ثر آدمی تھے۔ ان کا بغیر بیعت کئے مدینہ سے نکل جانا یزید کو نہایت شاق گذرا اور اس نے انہیں اپنے لئے بہت بڑا خطرہ تصور کیا۔ باوجودیکہ حضرت ابن زبیرؓ نے اپنی طرف سے کسی ہنگامے کی ابتدا نہیں کی بلکہ نہایت خاموشی سے حرم شریف میں بیٹھ گئے جہاں عبادت الٰہی کے سوائے انہیں اور کوئی کام نہ تھا لیکن یزید کو ان کا خاموش بیٹھنا بھی گوارا نہ ہوا اور اس نے ابن زبیرؓ کے پاس پے در پے کئی قاصد بھجوا کر بیعت کا مطالبہ کیا مگر انہوں نے ہر بار یہی جواب دیا کہ مجھے ان امور سے کوئی سروکار نہیں میں نہ تمہاری بیعت کروں گا اور نہ کسی ہنگامے کی ابتدا کروں گا یزید کو اس جواب سے اطمینان نہ ہوا اور اس نے عمرو بن سعید اشدق کو جسے ولید کو معزول کر کے مدینہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا لکھا کہ ابن زبیرؓ سے جبراً بیعت لو۔ ایک روایت میں ہے کہ یزید نے قسم کھالی کہ میں ابن زبیرؓ کی اس وقت تک کوئی بات نہ سنوں گا جب تک وہ پابہ زنجیر میرے سامنے نہ لایا جائے چنانچہ یزید کے گورنر عمرو بن سعید نے مکہ کے پولیس افسر کو لکھا کہ ابن زبیرؓ اور ان کے ہوا خواہوں پر سختی کرو۔

ابن زبیرؓ کے مکہ آتے ہی لوگوں کا ایک گروہ جسے یزید کی بیعت ناپسند تھی ان کے پاس جمع ہو گیا۔ یہ گروہ ان سے برابر کہتا رہتا تھا کہ آپ یزید کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں مگر ابن زبیرؓ نے ان لوگوں

کو بھی یہی جواب دیا کہ میں اپنی طرف سے فتنہ و فساد کی ابتدا نہ کروں گا۔ لیکن جب مکہ کے پولیس افسر نے حضرت ابن زبیرؓ کے عقیدت مندوں پر سختی شروع کی تو حالات خراب ہونے لگے۔ منذر بن زبیر۔ محمد بن منذر۔ عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث۔ عثمان بن عبداللہ بن حکیم۔ خبیب بن عبداللہ بن زبیرؓ اور محمد بن عمار بن یاسرؓ۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں مکہ کے پولیس افسر نے گرفتار کر کے دُرّے لگوائے اور انہیں ذلیل کیا۔ ان کا جرم صرف اتنا تھا کہ یہ لوگ یزید کی امارت کو پسند نہ کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ جب گورنر مدینہ نے دیکھا کہ پولیس کی سختیوں سے بھی معاملات درست نہ ہو سکے اور ابن زبیرؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی تو اس نے انیس بن عمرو اسلمی کو ایک لشکر دے کر مکہ روانہ کیا — اب ابن زبیرؓ کے پاس تلوار اٹھانے کے سوائے اور کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ انہوں نے بھی اپنے مددگاروں کو اکٹھا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی جماعت ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔ ابن زبیرؓ نے عبداللہ بن صفوان جمحی کو اس جماعت کا امیر مقرر کر کے یزیدی فوج کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا۔ ذی طویٰ کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خون ریز جنگ کے بعد یزیدی لشکر شکست کھا کر بھاگا اور ابن زبیرؓ کی فوج کے ہاتھوں اس کے بے شمار آدمی ہلاک و زخمی ہوئے۔

اس واقعہ نے نہ صرف مکہ پر بلکہ سارے حجاز پر ابن زبیرؓ کا خوف و اثر قائم کر دیا مگر چونکہ اسی دوران میں حضرت امام حسینؓ کا معاملہ پیش آ گیا۔ اس لئے یزید ابن زبیر کی طرف توجہ نہ کر سکا اور ابن زبیرؓ بھی خاموشی کے ساتھ حرم میں بیٹھے عبادت کرتے رہے حالانکہ اگر وہ چاہتے تو یزید اور اس کے عمال کو خاصہ پریشان کر سکتے تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حتی الامکان خون ریزی سے دامن بچایا اور نہ خود کسی جنگ کی ابتدا نہیں کی۔

اہل مدینہ کا نعرۂ انتقام

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد جب اس واقعہ کی خبر حجاز پہونچی تو لوگ غم و غصہ سے بے قابو ہو گئے اور ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی آنکھوں سے بھی بے تحاشہ آنسو جاری ہو گئے۔ اس واقعہ نے سارے حجاز کو یزید سے متنفر کر دیا اور لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک خونِ حسینؓ کا انتقام نہ لے لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ چنانچہ اہل مدینہ کا ایک وفد حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہماری بیعت لے لیجئے، مگر اہل بیت کے قتل عام کی وجہ سے حضرت امام زین العابدین کے سر سے ایک قیامت گذر چکی تھی، وہ سخت دل برداشتہ تھے دل دنیا سے سرد ہو چکا تھا اور ہر طرف سے قطع تعلق کر کے

گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے انہوں نے بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ادھر سے مایوس ہو کر ایک وفد حضرت ابن زبیرؓ کی خدمت میں مکہ بھیجا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ حضرت حسینؓ کے بعد آپ سے زیادہ افضل اور خلافت کا مستحق اور کوئی نہیں۔ آپ ہماری بیعت لے لیجئے تاکہ آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر ہم خون حسینؓ کا انتقام لے لیں۔ مکہ کے لوگ پہلے ہی حضرت ابن زبیرؓ کے عقیدت مند تھے مکہؓ اور مدینہ کے علاوہ دیگر دیار و امصار سے بھی ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کی درخواست کیگئی۔

ان حالات میں کہ ایک طرف حضرت امام حسینؓ کو شہید کر کے یزید اپنے ظلم و ستم کے محضر نامے پر مہر تصدیق ثبت کر چکا تھا اور خود کو نااہل خلافت ثابت کر چکا تھا۔ دوسرے عوام و خواص سب ان سے بیعت لینے کی درخواست کر رہے تھے، تیسرے یزید ان سے اپنی بیعت کا مطالبہ کر رہا تھا ورنہ بصورت دیگر قتل کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ اس لئے حضرت ابن زبیرؓ نے اپنی خلافت کی بیعت لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ مکہ، مدینہ اور عرب کے متعدد شہروں کے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ اس بیعت میں مدینہ اور مکہؓ کے اکابر بھی شامل تھے۔

یزید کو حضرت حسینؓ کے معاملے سے فراغت ہو گئی تو اس نے حجاز کی طرف رجوع کیا۔ ادھر مدینہ میں اس کے خلاف جو شورش برپا تھی اس کی

خبریں بھی اسے مل رہی تھیں ۔ چنانچہ اس نے مسلم بن عقبہ کو جو بڑا مدبر سیاستدان اور قابل جرنیل تھا ایک لشکر جرار دے کر اہل مدینہ سے نمٹنے کے لئے بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر تم وفات پا جاؤ تو حصین بن نمیر فوج کا سپہ سالار ہو گا ۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عبید اللہ بن زیاد کو ایک فرمان بھیجا کہ تمہارے پاس جس قدر فوج ہو وہ لے کر مکہ روانہ ہو جاؤ اور ابن زبیر کو مغلوب کر لو ۔ مگر ابن زیاد نے خلافت نوازی اس خدمت سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ فرزند رسولؐ کے قتل کے بعد اب میں مکہ معظمہ کی بے حرمتی کا ارتکاب جرم نہیں کروں گا ۔

ادھر یزید کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور ادھر اہل مدینہ نے عبد اللہ بن حنظلہ اور عبد اللہ بن مطیع العدوی کی قیادت میں جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ انہوں نے بنو امیہ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ایک سخت حملے کے بعد انہیں مروان کے مکان میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا ۔ اس دوران میں یزید کا لشکر مدینہ پہنچ گیا ۔ اہل مدینہ بھی حضرت عباسؓ کے صاحبزادے فضیل بن عباسؓ کی قیادت میں مسلح ہو کر مقابلے کے لئے نکلے ۔ ان لوگوں میں سیکڑوں انصار، مہاجرین، صحابہ، صحابہ کی اولاد اور حفاظ قرآن شامل تھے ۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی اور اہل مدینہ نے کمال جرأت و استقامت کا مظاہرہ کیا مگر آخر کار انہیں شکست ہوئی ۔

اور یزیدی فوج نے مدینہ میں داخل ہوکر یزید کے حکم سے تین روز تک سخت خوں ریزی کی۔ کسی کی عزت و ناموس اور جان و مال محفوظ نہ رہا۔ بعض بڑے اکابر کام آئے اور مدینۃ النبیؐ کے گلی کوچے انسانی خون سے لالہ زار ہو گئے۔ اس جنگ میں گو اہلِ مدینہ کو شکست ہوئی مگر یزیدی فوج کو بھی سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس خوں ریزی اور مدینۃ النبیؐ کی بے حرمتی کی وجہ سے لوگ یزید کے اور زیادہ دشمن ہو گئے۔

مکہؐ میں صدائے انتقام

مدینہ کی غارت گری سے فراغت پانے کے بعد یزید کا لشکر مکّہ کو روانہ ہوا مگر اثنائے راہ میں مسلم بن عقبہ کا انتقال ہو گیا اور حصین بن نمیر اس فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ یزیدی فوج کی آمد کی خبر سن کر حضرت ابن زبیرؓ اپنا لشکر لے کر شہر سے باہر نکلے اور ابن نمیر کے لشکر کے ساتھ سخت مقابلہ کیا۔ لیکن ایک خوں ریز جنگ کے بعد انہیں شکست ہوئی مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور شہر میں آکر پھر مقابلہ شروع کر دیا۔ یزیدیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور ایک بلند مقام پر منجنیقیں نصب کر کے شہر پر سنگ باری شروع کر دی اس حملے میں انہوں نے حرمتِ کعبہ کا بھی لحاظ نہ کیا اور اس پر بھی پتھر برسائے جس کے نتیجے میں کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔ مقابلہ جاری تھا کہ یزید کا انتقال ہو گیا۔ یزید کی موت نے حالات کا پانسہ ہی

پلٹ دیا اور ابن نمیر نے حضرت ابن زبیرؓ کو پیغام بھیجا کہ ہم جس کے لیے جنگ کر رہے تھے جب وہی نہ رہا تو اب جنگ جاری رکھنے سے کیا فائدہ۔ آئیے ہم دونوں باہم صلح کر لیں۔ اس کے بعد دونوں کی ملاقات ہوئی اور اس ملاقات میں ابن نمیر نے حضرت ابن زبیرؓ کو یہ پیش کش کی کہ یزید کے بعد خاندان بنوامیہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس پر لوگوں کا اجماع ہو سکے اور جو اس وسیع و عریض سلطنت کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے میں آپ کے لیے راستے کی ساری رکاوٹیں دور کر دوں گا۔ مگر حضرت ابن زبیرؓ نے ابن نمیر کی یہ پیش کش اس خیال سے رد کر دی کہ ان کا شام جانا سیاسی لحاظ سے درست نہ تھا۔ مورخین نے اس واقع کو اس رنگ میں پیش کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابن زبیرؓ کی سیاسی لغزش تھی حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ ان حالات میں کہ ہر طرف افراتفری تھی ابھی ان کی حکومت پوری طرح قائم نہ ہوئی تھی۔ نہ انہیں سیاسی استحکام حاصل ہوا تھا۔ ان کا شام جانا کسی طرح خطرات سے خالی نہ تھا وہ شام جہاں بنوامیہ کے قبیلے کے قبیلے آباد تھے اور جس سرزمین پر گذشتہ نصف صدی سے انہیں اقتدار حاصل تھا پھر ان میں اور خصوصاً شام میں بڑے مفسد اور فتنہ پرداز لوگ موجود تھے ان کے درمیان حضرت ابن زبیرؓ کا جانا اور حجاز

کو خالی چھوڑ جانا دانشمندی کے لحاظ سے بھی مناسب نہ تھا۔ اسلئے انہوں نے وہی کیا جو حالات اور سیاست کا تقاضا تھا۔ ہاں البتہ ان سے ایک بڑی سیاسی غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ مروان، اس کے بیٹے عبدالملک اور بنو امیہ کے بعض اور اکابر کو انہوں نے حجاز سے نکال دیا۔ بعد میں اسی مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک سے ان کا مقابلہ ہوا اور انہیں کے ہاتھوں شکست کھا کر انہیں جام شہادت پینا پڑا۔ حالانکہ اگر وہ اس وقت ان لوگوں کو مکہ یا مدینہ میں سے کسی شہر میں نظر بند کر دیتے تو یہ لوگ حجاز سے جا کر کسی قسم کا کوئی فتنہ نہ اٹھا سکتے اور ابن زبیرؓ کی خلافت مضبوط و مستحکم ہو جاتی۔

توّابین کا نعرۂ انتقام

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا سب سے زیادہ غم ان لوگوں کو ہوا جنہوں نے خطوط پہ خطوط لکھ کر اور وفود پر وفود بھیجکر انہیں عراق تشریف لانے کی دعوت دی تھی مگر ابن زیاد کے ظلم و ستم اور اپنی کمزوری کی بنا پر وہ حضرت حسینؓ کی کوئی امداد نہ کر سکے تھے۔ شہادتِ حسین کے بعد یہ لوگ سلیمان بن صرد کے مکان میں جمع ہوئے۔ یہ وہی مکان ہے جس میں جمع ہو کر انہیں لوگوں نے حضرت حسینؓ کو عراق تشریف لانے کی سب سے پہلے دعوت دی تھی۔ جب یہ لوگ دوبارہ اس مکان میں اکٹھا ہوئے

تو ان میں سے ہر شخص کے چہرہ سے ندامت اور غیظ و غضب کے آثار ہویدا تھے۔ اس اجتماع میں ان لوگوں نے اپنی اس غلطی پر سخت شرمساری کا اظہار کیا اور عہد کیا کہ جب تک حسینؓ کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لیں گے آرام کی نیند نہ سوئیں گے۔ بعض لوگوں نے اس اجتماع میں بڑی ولولہ انگیز تقریریں کیں۔ مسیب بن نجبہ نے کہا کہ :-

"ہم نے حضرت امام حسینؓ کو عراق آنے کی دعوت دی اور ان کی امداد کا وعدہ کیا لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو ہم نے ان کی امداد سے پہلو تہی کی۔ دامے، درمے، قدمے سخنے غرض کسی طرح اپنا عہد ایفا نہ کیا۔ جب خدا اور رسولؐ ہم سے باز پرس کریں گے تو ہم اپنی صفائی میں کیا کہیں گے۔ اب صرف یہی ممکن ہے کہ جن لوگوں نے حضرت حسینؓ کو قتل کرنے میں حصہ لیا ہے ان میں سے ایک شخص کو بھی قتل کئے بغیر باقی نہ چھوڑیں ورنہ ہم سب اپنی جانیں دے دیں۔"

(تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۴۷)

حاضرین نے مسیب کی اس تقریر سے بہ کلی اتفاق کیا اور متفقہ طور پر سلیمان بن صرد کو اپنا قائد منتخب کر لیا۔ اس کے بعد سلیمان نے ایک جوشیلی تقریر کی جس میں انہوں نے کہا کہ :-

"ہم لوگ حضرت حسینؓ کی آمد کے لیئے چشم براہ رہتے تھے لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو ہم نے ان کے ساتھ غفلت برتی۔ وہ ہمیں بلا رہے تھے اور ہم کوئی جواب نہ دیتے تھے آخر کو وہ ظالموں اور فاسقوں کے تیروں اور تبروں سے ہمارے قریب ہیں شہید ہو گئے اور شہادت کے بعد ان کے کپڑے اتار لیئے گئے۔ اب خداوند تعالیٰ کا غضب جوش ہیں آیا ہی چاہتا ہے اس لیئے عہد کر لو کہ جب تک انتقام نہیں لے لو گے اپنی بیویوں سے الگ رہو گے۔ خدا کی قسم جب تک کہ قاتلانِ حسینؓ کو ٹھکانے نہیں لگا دو گے یا اپنی جانیں نہیں دیدو گے خداوند تعالیٰ تم سے ناراض رہیگا اپنی تلواروں پر دھار رکھ لو۔ اپنے نیزے ٹھیک کر لو اور سامانِ جنگ کی پوری طرح تیاری کر لو تا کہ جب تمہیں پکارا جائے تو فی الفور میدان ہیں آجاؤ۔" (تاریخ طبری جلد ہفتم صہ۴۸)

یہ اور اس قسم کی دوسری تقریروں نے حاضرین ہیں عجیب جوش پیدا کر دیا اور وہ ایک نئے دلولے کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد بھی اکثر ان کے اجتماع ہوتے رہے اور خفیہ خفیہ انہوں نے تحریکِ انتقام جاری کر دی۔ اس سلسلے ہیں کوفہ کے علاوہ بصرہ، مدائن اور

عراق کے باہر بھی انہوں نے اپنے داعی بھیجے اور اس مقصد کے لئے متعدد خطوط لکھے جن میں سے ایک خط کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"ہم لوگوں نے ابن رسول اللہ کو دعوت دے کر بلایا لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو ان کی کوئی مدد نہ کی جا سکی۔ انہوں نے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا مگر انہیں نہ جانے دیا گیا۔ انہیں امان دینے سے انکار کر دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو مگر ان کی بات نہ سنی گئی بلکہ ان پر یلغار کر کے شہید کر دیا گیا۔ ان کا لباس تک اتار لیا گیا اور ان کے جسم کو ننگا ڈال دیا گیا۔ ان واقعات پر غور و خوض کرنے کے بعد ہماری جماعت شدت کے ساتھ محسوس کر رہی ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی امداد سے دست کش رہنے میں بہت بڑا گناہ ہوا ہے اس کے کفارے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ قاتلینِ حسینؑ کو ہلاک کر ڈالیں ورنہ خود بھی موت کے منہ میں جا پڑیں۔ ہم سب اس کے لئے تیار ہیں آپ لوگ بھی تیاری کر لیں۔ اور یکم ربیع الثانی ۶۵ھ کو نخیلہ کے مقام پر سب جمع ہو جائیں۔" (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۴۹)

ان خطوط کے جواب میں ہر جانب سے نہایت حوصلہ افزا خط موصول ہوئے

اور ہزاروں آدمیوں نے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کا عہد کیا۔ آخر یکم ربیع الثانی کی ساعتِ سعید آ پہونچی اور حسینؑ کے نام پر کٹ مرنے والے گروہ در گروہ نخیلہ میں جمع ہونے لگے۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ سب سے پہلے یہ لوگ میدانِ کربلا میں گئے اور حضرت امام حسینؑ کے مزار پر جا کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔ ایک دن اور ایک رات یہ لوگ مزار پر پڑے گریہ و زاری کرتے اور اپنی خطائیں معاف کراتے رہے۔ اسی لئے تاریخ انہیں توّابین کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے شام کا رخ کیا تاکہ قاتلینِ حسینؑ کے سب سے بڑے ذمہ دار ابن زیاد اور یزید کو سمجھیں۔ شامی حکومت کو بھی ان واقعات کی اطلاع ہو گئی اور حصین بن نمیر کو بارہ ہزار کا ایک زبردست لشکر دے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

۸ جمادی الاوّل کو توّابین اور شامی فوج کا مقابلہ ہوا۔ حالانکہ توابین کی تعداد شامی فوج کے مقابلے میں ایک تہائی سے زیادہ نہ تھی مگر جو لوگ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آ جائیں انہیں کون موت سے خوفزدہ کر سکتا ہے۔ اس قلتِ تعداد کے باوجود توّابین نے شامیوں کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے بے شمار افراد کو مار گرایا۔ جب شام ہوئی تو جنگ بند ہو گئی۔ دوسرے دن علی الصبح پھر مقابلہ شروع ہوا مگر اس روز آٹھ ہزار شامی فوج اور آ گئی تھی اس لئے شامیوں میں جوش و خروش زیادہ تھا لیکن اس کے

باوجود توابین نے بڑی بے جگری سے جنگ جاری رکھی اس جنگ میں انہیں زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا، مگر اس کے باوجود جب شام ہوئی اور جنگ بند ہوئی تو کسی کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی تھی۔ تیسرے روز پھر مقابلہ ہوا اور اس مقابلے میں پہلے امیر لشکر سلیمان بن صُرد شہید ہوئے۔ ان کے بعد عبداللہ بن سعد امیر قرار پائے وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن وال نے علم سنبھالا آخر کار وہ بھی شہید ہو گئے۔ شام کو جب لڑائی بند ہوئی تو مٹھی بھر آدمی باقی رہ گئے تھے باقی یا تو مارے جا چکے تھے یا زخمی ہو گئے تھے۔ اس طرح توابین نے جو عہد کیا تھا وہ کمال مردانگی سے پورا کر دکھایا۔ جب رات ہوئی تو بقیۃ السیف افراد نے فیصلہ کیا کہ اس قلیل تعداد کے ساتھ جنگ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اس لئے ہمیں آئندہ اقدامات کے لئے یہاں سے نکل جانا چاہیے چنانچہ رات کی تاریکی میں یہ لوگ میدان جنگ سے نکل گئے۔

مختار ثقفی کا نعرۂ انتقام

خون حسینؓ کے انتقام کی سب سے زیادہ پُرزور اور موثر کوشش مختار بن ابی عبید ثقفی کے ہاتھوں انجام پائی یہ وہی شخص ہے جس کے مکان میں حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کوفہ پہونچ کر اترے تھے۔ مختار کوفہ کے سرکردہ رئیس تھے ان کی بہن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بیاہی تھیں اور خود ان کی شادی رسولؐ اللہ

کے صحابی نعمان بن بشیرؓ گورنر کوفہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ شجاعت و مردانگی اور فراست و تدبر کے اعتبار سے بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ مورخین نے ان کے دامنِ شہرت پر بھی طرح طرح کے داغ لگائے اور عجیب عجیب طرح سے انہیں بدنام کیا۔ بعض لغزشوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو مختار عرب کے چند بڑے لوگوں میں سے تھے۔ ان کی عظمت کی یہی دلیل کیا کم ہے کہ ان کے ذریعہ سے قاتلینِ حسینؓ سے نہایت عبرتناک انتقام لیا گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہی جرم ان کی نیک نامی کو داغدار کرنے کا موجب بنا۔

شروع میں یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھے اور جب ابن نمیر نے یزید کے حکم سے مکہ پر حملہ کیا تو انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ کی طرف سے شامی فوج کا بڑا سخت مقابلہ کیا۔ جب یزید کے انتقال کی خبر آئی تو مختار حضرت امام حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہؓ کے پاس گئے اور ان سے خونِ حسینؓ کا انتقام لینے کی باقاعدہ اجازت حاصل کی۔ اس کے بعد یہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوفہ پہنچ کر انہوں نے عمائدین شہر اور مداحینِ اہل بیت سے گفتگو شروع کی ہی تھی کہ حکومت شام کے حکم سے گرفتار کر لئے گئے مگر پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سفارش سے رہائی مل گئی۔ رہا ہوتے ہی انہوں نے خونِ حسینؓ کے انتقام کی مساعی جمیلہ کا

از سرِ نو آغاز کر دیا اور بہت سے لوگوں کو جن میں بعض سربرآوردہ لوگ جیسے ابراہیم بن اشتر بھی شامل تھے اپنی امداد پر آمادہ کر لیا۔ طے یہ کیا گیا کہ جب تک شہر پر قبضہ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک قاتلینِ حسینؓ سے انتقام لینے کی قدرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ربیع الاوّل ۶۶ھ کی ایک تاریخ مقررہ کو مختار اور ابراہیم نے مل کر انقلاب برپا کر دیا اور کوفہ پر قابض ہو گئے۔ جب یہ خبر شام پہونچی تو وہاں سے ایک لشکرِ جرار مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ اس لشکر کا امیر ابن زیاد تھا۔ مختار نے یزید بن انس کو ایک مختصر سی فوج دے کر ابن زیاد کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ موصل میں ان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جس میں ابن زیاد کو شکست ہوئی۔ اسی دوران میں یزید بن انس انتقال کر گئے اور ان کے نائب ورقاء بن عازب نے اس خیال سے کہ ایک تو امیرِ لشکر فوت ہو گیا ہے دوسرے ہماری فوج کی تعداد کم ہے۔ مختار کو مزید امداد کے لئے لکھا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو ایک جمعیت دے کر ورقاء کی مدد کے لئے روانہ کر دیا۔ ابراہیم کے کوفہ سے نکلتے ہی قاتلینِ حسینؓ نے مختار کے خلاف سازش کی اور یہ سمجھ کر کہ مختار تنہا ہیں بغاوت کر دی۔ ان بغاوت کرنے والوں میں بیشتر لوگ وہی تھے جو قتلِ حسینؓ میں پیش پیش تھے مثلاً شمر ذی الجوشن، عمرو بن حجاج زبیری، محمد بن اشعث اور یزید بن حارث شیبانی وغیرہ۔

مختار نے بڑی سرعت سے ابراہیم کو پیغام بھیجا کہ اپنی جمعیت کے ساتھ فوراً واپس آجاؤ۔ تیسرے یا چوتھے روز ابراہیم کوفہ پہونچ گئے اور پھر مختار اور ابراہیم نے مل کر قاتلین حسینؓ سے ایسا عبرتناک انتقام لیا کہ اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ابراہیم کے کوفہ پہنچتے ہی قاتلین حسینؓ اپنے اپنے گھروں میں چھپ رہے مگر مختار نے پولیس کی ایک جمعیت مقرر کی جس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں نکالا اور مختار کے سامنے پیش کیا۔ عمر بن سعد کا بیٹا گرفتار ہو کر آیا۔ مختار نے پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ تو خانہ نشین ہو گئے ہیں۔ مختار نے کہا کہ جس روز فرزندِ رسولؐ میدانِ کربلا میں امان طلب کرتے تھے اور ان پر تیروں کی بارش کی جارہی تھی اس روز کیوں خانہ نشین نہ ہوئے۔ یہ کہہ کر ایک دستہ کو حکم دیا کہ ابن سعد کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ چنانچہ یہ شخص رسیوں میں جکڑا ہوا مختار کے سامنے پیش ہوا۔ مختار نے حکم دیا کہ پہلے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹے جائیں پھر کان اور ناک اس کے بعد تو کمرے میں بند کر کے نذرِ آتش کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ جابر شخص جو کل تک کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور جس نے نواسۂ رسولؐ کو بھوکا پیاسا شہید کیا تھا تڑپ تڑپ کر مرا۔ اس کے بعد شمر ذی الجوشن۔ خولی بن یزید اصبحی۔ سنان بن انس۔ قیس بن اشعث عبداللہ بن قیس خولانی اور عمران بن خالد غرض ایک ایک قاتلِ حسینؓ کشاں کشاں مختار کے سامنے لایا گیا اور سب کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا گیا۔

ان میں سے شمر ذی الجوشن کو تو بہت ہی عبرت ناک طریقے سے ہلاک کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر زمین پر ڈال دیا گیا اور پھر جنگی گھوڑے اس پر دوڑا دیئے گئے جنہوں نے اپنی ٹاپوں سے روند روند کر اسے مار ڈالا۔ اسی طرح خولی بن یزید کو جو حضرت امام حسینؓ کا سر لے کر کوفہ گیا تھا پکڑ کر پہلے روز ہاتھ کاٹے گئے، پھر دونوں پیر اس کے بعد اسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ بعد ازاں مختار نے کوفہ کے پولیس افسر کو حکم دیا کہ پولیس کی ایک جمعیت کے ہمراہ مزدور لے کر جاؤ اور جن جن لوگوں نے واقعۂ کربلا میں شرکت کی تھی ان کے مکان کھدوا ڈالو۔ چنانچہ ایک دن میں قاتلین حسینؓ کے سینکڑوں مکان بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دیئے گئے۔ (ان واقعات کے لئے ملاحظہ ہو طبری جلد ہفتم صـ۱۲۲ تا صـ۱۳۹ اور اخبار الطوال صـ۲۸۶ تا صـ۲۹۴)

ابن زیاد ابھی تک بچا ہوا تھا اور واقعہ کربلا کا سب سے بڑا مجرم یہی تھا۔ چنانچہ مختار نے اس کی سرکوبی کے لئے ابراہیم بن مالک اشتر کو مقرر کیا اور انہیں لشکر دے کر روانہ کیا۔ اس وقت ابن زیاد موصل کے قریب اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ چنانچہ خازر کے مقام پر دونوں میں خوں ریز جنگ ہوئی مگر ابن زیاد کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا لیکن گرفتار ہوا اور ابراہیم نے اس کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیج دیا۔ مختار نے اسے محمد بن الحنفیہؒ کی خدمت میں

روانہ کر دیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۹۸)

عباسی تحریک

حضرت امام حسینؓ کے عقیدت مندوں نے نواسۂ رسولؐ اور اہل بیتِ رسولؐ کے سفاکانہ قتل اور ان پر کئے جانے والے بہیمانہ مظالم کا دل کھول کر انتقام لے لیا اور قاتلانِ حسینؓ میں سے ایک ایک کو چن چن کر قتل کر دیا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے جھنڈے کے نیچے متحد ہونے والوں نے بھی اس تحریک کو تقویت پہنچائی اور بنوامیہ کے اقتدار کو شدید ضعف پہنچایا مگر یہ کوششیں یہیں تک رہیں اور بنوامیہ کی سلطنت بیخ و بن سے نہ اُکھڑ سکی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھیوں نے بنوامیہ کے شدید محاصرے سے مجبور ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ نہایت بیدردی سے شہید کر دیئے گئے اس طرح بنوامیہ کی سلطنت پھر قائم ہو گئی اور اس کے خلاف جاری ہونے والی تحریکوں کو نہایت سختی سے دبایا جاتا رہا مگر یہ تحریکیں بنوامیہ کے شدید مظالم کے باوجود بھی نہ دب سکیں اور عقیدت مندانِ حسینؓ اس غاصبانہ سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے برابر اٹھتے رہے۔ ان تحریکوں میں سب سے زیادہ مضبوط تحریک عباسیوں کی تھی۔ محمد بن الحنفیہؒ کے فرزند ابو ہاشم اس تحریک کے سربراہِ اول تھے۔ ابو ہاشم صاحبِ علم و فضل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے مدبر اور اولوالعزم رہنما تھے

اور شہادت حسینؓ کے المناک واقع سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ انہیں اہل حجاز میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اور لوگ انہیں اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ ابو ہاشم نے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا انتقام لینے اور بنو امیہ کی حکومت کے خاتمے کے لئے ایک تحریک کی ابتدا کی مگر اس تحریک کے آغاز ہی میں اموی خلیفہ سلیمان ابو ہاشم سے بدظن ہو گیا اور ایک موقع پر جب وہ اس سے ملنے گئے ہوئے تھے اس نے انہیں زہر دلوایا جس سے واپسی کے وقت راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ابو ہاشم کے انتقال کے بعد مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی نے امامت کا دعویٰ کیا اور جنوبی فلسطین کے ایک گاؤں حمیمہ میں ان کی بیعت کی گئی۔ اس بیعت میں بہت سے عقیدتمندانِ حسینؓ بھی شامل تھے میسرہ بن العبدی۔ حیان العطار، ابو عکرمہ السراج اور محمد بن حبیش، جنہوں نے امام محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی عقیدتمندانِ حسینؓ میں سے نمایاں حیثیت کے لوگ تھے۔ (ابن خلدون جلد سوم ص ۱۰۰)

یہ چاروں بڑے ذہین آدمی تھے اور محمد بن علی نے ان کی ذہانت سے متاثر ہو کر انہیں عراق اور خراسان میں متعین کر دیا۔ ان علاقوں میں عباسی تحریک کے یہ اولین داعی تھے۔ ان چاروں داعیوں نے اس تحریک کو بڑی احتیاط کے ساتھ چلایا اور اپنی امداد کے لئے بیاسی آدمی

مقرر کئے۔ یہ لوگ تاجروں کے بھیس میں عراق اور خراسان کے شہروں اور قصبوں میں پھیل گئے۔ امام محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو ہدایت کردی کہ لوگوں کے سامنے شہادت حسینؓ کے المناک واقعات بیان کر کے انہیں انتقام پر آمادہ کرو اور اس کے ساتھ ساتھ اموی حکمرانوں کی بدعمالیوں کی اچھی طرح تشہیر کرو نیز لوگوں کو بتاؤ کہ خلافت اہلِ بیت نبویؐ کا حق ہے۔ اس تحریک کے بھی تین بڑے بڑے ماٹو (Moto.) تھے۔ امام محمد بن علی کی ہدایت کے مطابق یہ ساری تحریک پوشیدہ رکھی گئی اور ذہین داعیوں نے جن میں بیشتر لوگ فصاحت و بلاغت اور طلاقتِ لسانی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ ایران اور عراق کے علاقوں میں شہادت حسینؓ کے واقعات سنا سنا کر آگ لگا دی لوگ ان واقعات کو سنتے اور دھاڑیں مار مار کر روتے۔ اموی حکمرانوں اور گورنروں کی بدکرداری اس تحریک کو مزید تقویت دینے کا باعث ہوئی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد حکومت کو بھی اس تحریک کی سرگرمیوں کا علم ہوگیا اور حاکم خراسان نے دو عباسی داعیوں ابی عکرمہ اور حیان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ان کے قتل کے بعد امام محمد بن علی نے پانچ نئے داعی سلیمان بن کثیر۔ طلحہ بن رزیف موسیٰ بن کثیر۔ مالک بن الہیثم اور خالد بن الہیثم مقرر کر کے خراسان بھیجے۔ (الدینوری ص۳۳۲)

ان لوگوں کی کوشش سے عباسی تحریک میں نئی زندگی پیدا ہو گئی اور انہوں نے ہزاروں افراد سے امام محمد بن علی کی بیعت لے کر ایک گراں قدر رقم بھی فراہم کر لی۔ ایک روایت کے مطابق اس رقم کا تخمینہ بیس ہزار دینار اور دو لاکھ درہم لگایا گیا ہے ۷۴۳ء مطابق ۱۲۴ھ میں امام محمد بن علی کا انتقال ہو گیا اور انتقال سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹوں ابراہیم ابوالعباس، عبداللہ اور ابوجعفر منصور کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین نامزد کیا۔ امام محمد بن علی کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے امام ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور یہی زمانہ اس تحریک کی مقبولیت کے لئے سازگار ثابت ہوا۔ کیونکہ اس دور میں عباسی تحریک کو دو عظیم دماغوں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ ابومسلم خراسانی اور ابوسلمہ خلال دو ایرانی النسل نوجوانوں نے اس تحریک میں شامل ہو کر انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ امام ابراہیم بھی ان دونوں نوجوانوں کی ذہانت و فراست کے معترف تھے اور انہوں نے ابومسلم خراسانی کو تمام داعیوں کا سرگروہ بنا دیا۔ اور اسے عباسیوں کا سیاہ علم جس کا نام "سحاب" تھا اپنے دستِ خاص سے عطا کیا۔

قبائلی کشمکش

ابومسلم خراسان میں بیٹھ کر اس تحریک کی تنظیم کرنے لگا۔ اسی دوران میں عربوں کے دو مشہور قبیلوں مضریوں اور یمنیوں کی کشیدگی کی وجہ سے

خراسان کے حالات خراب ہونے لگے۔ خراسان کا اموی حاکم نصر بن سیار یمانیوں کا دشمن تھا اور یمانیوں کا سردار جدیع بن علی الکرمانی نصر بن سیار کے تعصب کی بنا پر اسے تباہ کرنے کے درپے تھا۔ اس کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ نصر نے یمانیوں کے سردار کرمانی کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا مگر جلد ہی یمانیوں نے اسے رہا کرالیا اور پھر دونوں میں جنگ شروع ہوگئی۔ ابومسلم خراسانی نے ان حالات سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور بنوامیّہ کو شہادتِ حسینؓ کے المناک واقعہ کا ذمہ دار قرار دیکر یمانیوں کو اموی حکومت سے اور زیادہ بدظن کر دیا۔ حالات کو اپنے حق میں سازگار دیکھ کر اس نے لوگوں کو خلافتِ اہل بیت کی طرف کھلم کھلا دعوت دینا شروع کر دی مگر چونکہ حاکم خراسان یمانیوں کے ساتھ جنگ و جدل میں الجھا ہوا تھا۔ اس لئے وہ اس تحریک کے سدّباب کے لئے کوئی موثر قدم نہ اٹھا سکا رفتہ رفتہ ابومسلم کے پاس دو لاکھ افراد جمع ہوگئے (الدینوری صہ ۳۵۶)

اس زمانے میں مروان بن محمد اموی حکومت کی مسند پر فائز تھا۔ جب اُسے اس تحریک کو قوت کی اطلاع ہوئی تو اس نے امام ابراہیم کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیئے۔ ابراہیم گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیئے گئے اور وہیں ان کی وفات ہوگئی۔ امام ابراہیم کی وفات کے بعد ان کے بھائی ابوالعباس کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی گئی۔ ابوالعباس کی امامت

عباسیوں کے لئے بڑی مبارک ثابت ہوئی کیونکہ اس امامت کے معاً بعد
ابومسلم خراسانی یمانیوں کے سردار کرمانی کو اس وعدے پر اپنے ساتھ ملانے
میں کامیاب ہوگیا کہ وہ حاکم خراسان نصر بن سیار کے مقابلے میں اس کی پوری
طرح امداد کرے گا۔ مگر اسی دوران میں نصر نے کرمانی کو دھوکے سے قتل
کرادیا۔ اس واقعہ نے یمانیوں کو نصر کے خلاف پھر مشتعل کردیا اور کرمانی کا بیٹا
علی، ابومسلم کے پاس امداد کی درخواست لے کر آیا۔ ابومسلم نے نہایت
ہوشیاری سے کام لے کر علی کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح ہزاروں افراد کی
ایک طاقتور اور بہادر جماعت ابومسلم کے ساتھ ہوگئی۔ اس کے بعد اس
نے سارے خراسان کے داعیوں کو بغاوت کی تیاری مکمل کرنے کی ہدایت
کی اور جب یہ تیاریاں مکمل ہوگئیں تو اس نے ۹ جون ۷۴۷ء مطابق رمضان
۱۲۹ھ کا دن عام بغاوت کے لئے مقرر کیا اور جب اس مقررہ دن کی
صبح طلوع ہوئی تو ہر طرف سیاہ علم بلند ہوگئے اور عباسی رضاکار سیاہ کپڑے
پہنے مسلح ہوکر گھروں سے نکل آئے۔ ابومسلم خراسانی کی سرکردگی میں عباسی
تحریک کے افراد اور یمانیوں نے مل کر خراسان کے گورنر نصر پر ایک
بھرپور حملہ کیا۔ اس جنگ میں نصر کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ
اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل بھاگا۔ اس طرح خراسان کے اہم ترین شہر
مرو پر عباسیوں کا علم لہرانے لگا۔ اس کے بعد عباسی فتوحات کا سیلاب

طوس - مسوقان - نیشاپور - جرجان اور رے کی طرف بڑھا اور ہر مقام پر اموی فوجوں کو شکست دی۔ اسی اثنا میں ربیع الاول ۱۳۱ھ مطابق نومبر ۷۴۸ء میں اموی خلیفہ مروان کی موت واقع ہو گئی اور مروان ثانی خلیفہ ہوا۔ اب ابو مسلم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ نئے خلیفہ کو استحکام حاصل ہونے سے پہلے ہی اموی حکومت کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے جرنیل قحطبہ ابن شبیب کو مغرب کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا اور اس کے بیٹے ابن قحطبہ نے نہاوند کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ جاری تھا کہ ایک زبردست اموی فوج عبداللہ ابن معاویہ کی سرکردگی میں نہاوند پہونچ گئی۔ باوجودیکہ اس فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی مگر جب اس کا عباسیوں سے مقابلہ ہوا تو اس نے بڑی بزدلی کا مظاہرہ کیا اور میدان سے اس طرح بھاگنے لگی جیسے چوہے بلوں میں گھستے ہیں۔ حالانکہ عباسیوں کے ساتھ صرف بیس ہزار افراد تھے۔ اس کے بعد عباسیوں کا لشکر عراق کی طرف بڑھا اور امیر لشکر قحطبہ اور اموی جرنیل ابن ہبیرہ کے درمیان ۸ محرم ۱۳۲ھ مطابق ۲۷ اگست ۷۴۹ء کو کربلا کے قریب زبردست جنگ ہوئی جس میں امویوں کو پھر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس جنگ میں ہزاروں اموی قتل کئے گئے۔ اس طرح عباسیوں کے ہاتھوں کربلا کا انتقام کربلا کے میدان کے قریب ہی لے لیا گیا اور وہ بھی محرم کے پہلے عشرے میں۔ ادھر کوفہ میں بھی بغاوت

ہو گئی اور یمانیوں کے سردار محمد بن خالد بن عبد اللہ القسری نے کوفہ پر قبضہ کرلیا۔ امام ابو العباس جو ابھی تک کوفہ کے ایک عباسی داعی کے گھر میں روپوش تھے پہلی بار ظاہر ہوئے اور ۲۸ نومبر ۷۴۹ء مطابق ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲ھ کو کوفہ کی جامع مسجد میں کھلم کھلا بیعت لی۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور ابو سلمہ خلال کو اپنا وزیر مقرر کیا۔

جنگِ زاب

ہر طرف سے شکست کھا کر بقیۃ السیف اموی مروان ثانی کے پاس جمع ہونے لگے اور ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں یہ جنگ تاریخ میں جنگِ زاب کے نام سے مشہور ہے ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۲ھ مطابق ۲۱ جنوری ۷۵۰ء کو دریائے زاب کے کنارے اموی حکمران مروان ثانی ایک لشکر جرار کے ساتھ صف آرا ہوا۔ اس لشکر میں ایک لاکھ سے زیادہ جنگ آزما تھے۔ عباسیوں کی طرف سے امام ابو العباس کا چچا عبد اللہ مقابلے کے لئے نکلا مگر یہاں بھی امویوں کے قدم نہ جم سکے اور وہ اپنے خلیفہ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مروان بھی بھاگا اور شام پہونچ کر پھر مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔ عبد اللہ نے بھی اپنے لشکر کو شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور دمشق پہونچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ شام بنو امیہ کا مستقر تھا اور یہاں وہ طویل عرصے سے

حکمرانی کر رہے تھے ان کی ایک بڑی تعداد یہیں آباد تھی۔ اس لئے خیال تھا کہ عباسی شام میں کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ یہاں مروان کے جھنڈے کے نیچے سوا لاکھ کی جمعیت تھی جس میں سے پچاس ہزار تو صرف اموی تھے مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو امویوں نے بڑی بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ ہزاروں آدمی گاجر مولی کی طرح کاٹ دیئے گئے اور باقی نامردوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح اموی حکومت کا دارالخلافہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مروان یہاں سے بھاگ کر مصر پہونچا۔ عباسیوں نے یہاں بھی اسے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور مصر پہونچ کر اسے ایک گرجا کی عمارت سے جہاں وہ عباسیوں کے ڈر سے روپوش تھا گرفتار کر کے ۱۳۶ھ مطابق ۵ا اگست ۷۵۰ء کو قتل کر دیا اور اس کا سر عباسی خلیفہ ابوالعباس کے پاس بھیج دیا۔

عبرتناک انتقام

اس ہنگامہ دار و گیر میں چھ لاکھ اموی تو صرف ابومسلم خراسانی اور اس کی فوج کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔ اموی خاندانوں کے سرداروں اور خصوصاً شاہی خاندان کے ایک ایک فرد کا چن چن کر کام تمام کیا گیا۔ عراق اور شام میں سینکڑوں جاسوس یہ معلوم کرنے کے لئے متعین کئے گئے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت میں حصہ لینے والوں میں سے کوئی باقی تو نہیں رہا ہے

جس پر ذرا بھی شبہ ہُوا اسے بڑے اذیت ناک طریقے سے ہلاک کیا گیا۔ بنوامیہ کے بہتر (۷۲) سرکردہ افراد کو ابوالعباس نے ایک دعوت میں مدعو کیا مگر پیشتر اس سے کہ وہ دستر خوان پر بیٹھتے ابوالعباس کے اشارے سے سب کی گردن ماردی گئی اور پھر ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر چٹائیاں بچھا کر ابوالعباس نے اپنے ہم جلیسوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ (الفخری ص۱۳۵)

اس پر بھی آتشِ انتقام فرو نہ ہوئی تو عباسیوں نے حکم دیا کہ اموی بادشاہوں کی قبریں کھود کر ان کی لاشیں نکال لی جائیں چنانچہ یزید بن معاویہؓ اور ہشام بن عبدالملک کی لاشیں نکال کر انہیں نذرِ آتش کیا گیا اور پھر ان کی خاک ہتھیلی پر رکھی اور پھونک مار کر ہوا میں منتشر کر دی تاکہ ان کا نشان تک باقی نہ رہے۔ بلاشبہ یہ بڑا سخت انتقام تھا کہ زندہ تو زندہ مردوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ لیکن بنوامیہ کا جرم بھی کچھ کم نہ تھا۔ خاندانِ رسالتؐ کے افراد پر جو مظالم کئے گئے اور میدانِ کربلا میں نواسۂ رسولؐ اور آپؑ کے رفقاء کو جس بے دردی سے ذبح کیا گیا اس کا انتقام اگر اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا تو تعجب نہ تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بنوامیہ کے خلاف جو تحریک جاری کی گئی تھی اس نے جلد ہی خواہش اقتدار کی صورت اختیار کر لی اور یہ موقع اس تفصیل کا نہیں کہ اہلِ بیت کی خلافت وامارت کی دعوت دینے کے باوجود عباسی مسندِ حکومت پر کیسے فائز ہو گئے؟ مگر اس حقیقت

سے انکار ممکن نہیں کہ بنو امیہ کی تباہی میں خونِ حسینؓ کے نعرۂ انتقام کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہی نعرہ شروع سے آخر تک اس تحریک میں کارفرما رہا۔ اس طرح وہ حکومت جس کی بنیاد اس کے بانی نے نسلی عصبیت پر رکھی تھی عصبیت ہی کے ہاتھوں نہایت دردناک طریقے سے نیست و نابود ہو گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

امارتِ معاویہؓ و یزید

امارتِ معاویہؓ و یزید

کچھ عرصہ ہوا کراچی سے ایک کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ جس کے مولف جناب محمود احمد صاحب عباسی ہیں۔ کتاب دراصل ان لوگوں کے رد میں لکھی گئی ہے جو خلفائے ثلاثہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اس لیے اس میں مناظرانہ رنگ پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات تھی لیکن اگر بات یہیں تک رہتی تو غنیمت ہوتا افسوس تو اس بات کا ہے کہ مولف نے ان بزرگ شخصیتوں پر بھی ہاتھ ڈال دیا جن کی عزت و حرمت کرنا ہمارے مذہب ہی کا جزو نہیں ہے بلکہ ان بزرگوں کی پاکیزہ زندگیاں بلند کردار اور عظیم الشان خدمات بھی اس کی متقاضی ہیں اور جن کی عظمت کے اعتراف پر امتِ مسلمہ گذشتہ

چودہ سو سال سے متفق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں جو گستاخیاں کی جا رہی ہیں یہ اسی کا ردِ عمل ہے لیکن اگر ایک عیسائی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا کلمات استعمال کرے تو کیا ہم اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں دینا شروع کر دیں گے؟ قصور تو ان کا ہے جنہوں نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر بہتان باندھنا اپنی زندگی کا شعار بنا لیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے تو کبھی ان بزرگوں کی ہتک نہیں کی بلکہ ساری عمر ان کے ہمدرد اور بہی خواہ رہے۔ پھر ہم ان پاکیزہ شخصیتوں کو ہدفِ ملامت بنا کر اپنے انتقام کی آگ کیسے ٹھنڈی کر سکتے ہیں؟ اگر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ گھٹانے والے خطاکار ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنے والے بھی اسی قدر مجرم ہیں۔ آخر دونوں میں فرق کیا ہوا؟ لیکن مؤلف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر جو الزامات لگائے ہیں اور یزید کی جس طرح مدح سرائی کی ہے اگر وہ اس کے ثبوت میں تاریخ سے دلائل بھی پیش کر دیتا تو شاید اس کے اس اقدام سے چشم پوشی بھی کر لی جاتی لیکن افسوس تو اس کا ہے کہ مؤلف نے بغضِ اہل بیت میں دیانت و امانت کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا اور تاریخ کو جس قدر بگاڑ سکتے تھے بگاڑا۔ حوالوں میں تحریف

کرنے اور سیاق و سباق کو دانستہ نظر انداز کر کے اپنے مطلب کی بات اُڑا لینے کا کوئی موقع انہوں نے ہاتھ سے نہیں جانے دیا. شاید اس لئے کہ اس کے بغیر وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہتے. یہی نہیں انہوں نے اس کتاب کے ذریعہ سے امت کے دو فرقوں میں آتشِ بغض و حسد مشتعل کرنے کی بھی سر توڑ کوشش کی اور ایک کتاب کے حوالے سے ایک مخصوص فرقے کے متعلق یہاں تک لکھ دیا کہ :-

"تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ . . . . . میں کذب بیانی اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ ہے۔

(خلافت معاویہ و یزید ص۱۰۳)

ایک فرد یا چند افراد کو نہیں بلکہ ایک پورے فرقے کو کاذب کہنا نہ صرف یہ کہ واقعات کے خلاف ہے بلکہ ملی استحکام کو سخت ضعف پہونچانے کا باعث ہے. کوئی فرقہ کوئی مذہب اور کوئی ملک ایسا نہیں جس میں سچے اور جھوٹے، اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ نہ ہوں۔ صرف ان چند فقروں سے مولف کی ذہنیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سخت قسم کا متعصب شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مصنف یا مولف سے جو غیر جانبدار نہ ہو اور کتاب لکھنے سے پہلے ہی کسی فرقے کے متعلق متعصبانہ نظریہ

قائم کرلے کسی صحیح بات کی توقع کیونکر کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر منصف مزاج قاری محسوس کرے گا کہ ساری کتاب ایک خاص نقطۂ نگاہ سے لکھی گئی ہے جس کی تہہ میں گہرا فرقہ وارانہ تعصب کارفرما ہے۔

ان سطور میں اتنی گنجائش تو نہیں ہے کہ مولف کی ہر بات کا جواب دیا جائے اس کے لیے ایک علیحدہ تالیف کی ضرورت ہے اس لیے آئندہ صفحات میں ہم اس کتاب کے مندرجات کے صرف ان حصوں سے بحث کریں گے جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور صرف ان ہی ماخذوں پر انحصار کریں گے جنہیں خلافتِ معاویہؓ و یزید کا مولف معتبر و مستند قرار دیتا ہے ورنہ ہمارے پاس ایسے حوالوں کا انبار لگا ہوا ہے جو ہیں تو مستند مگر مولفِ "خلافت معاویہؓ و یزید" انہیں اپنی مخصوص مصلحتوں کی بنا پر مستند قرار دینے سے انکار کریں گے۔

طبری کا مسلک

اس کتاب کی ابتدا ہی غلط بیانی سے ہوتی ہے چنانچہ آغاز کتاب میں جو مقدمہ شامل کیا گیا ہے اس میں مشہور مورخ محمد ابن جریر طبری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا (ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب ص ۳۲) خود مولفِ کتاب نے بھی طبری کو شیعہ لکھا ہے اور اس پر بار بار اصرار

کیا ہے (ملاحظہ ہو ص۲۷، ص۳، ص۹۳، ص۱۲۱، ص۳۳۳)

عام حالات میں اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی کہ مؤلف کس مورخ کو کون سے فرقے سے وابستہ کر رہا ہے لیکن اس موقع پر اس کا طبری کے مسلک کا تعین ایک گہری چال ہے۔ اسے معلوم تھا کہ سیدنا حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے واقعات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ طبری ہی نے بیان کئے ہیں اور بعد کے مورخوں نے بھی ان واقعات کے بیان میں طبری ہی پر انحصار کیا ہے چونکہ یہ واقعات مولف کے مقاصد کے خلاف جا رہے تھے، اس لئے اسے ایک ہی راستہ نظر آیا کہ طبری کو شیعہ قرار دے دیا جائے تاکہ یہ ساری عمارت ہی منہدم ہو جائے اور لوگ اسے غیر معتبر سمجھ کر اس کی بیان کردہ روایات کی طرف التفات ہی نہ کریں پیشتر اس سے کہ ہم داخلی اور خارجی شہادتوں سے طبری کا مسلک ثابت کریں، خود مؤلف کے ایک معتبر اور ثقہ گواہ سے شہادت دلا دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ مولف ابن خلدون کی تاریخ دانی کے بے حد معترف ہیں چنانچہ "عرض مولف" کے تحت لکھتے ہیں کہ

..... "سچ کو جھوٹ سے تمیز" کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتبِ تاریخ میں مذکور ہیں نقد و درایت سے جانچنے کی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور

نے نہیں کی۔" (صٓ)

اسی طرح صٓ۳ پر ابن خلدون کو" امام المورخین" کے نام سے یاد کیا ہے اب دیکھئے یہ امام المورخین اور" روایات کو نقد و درایت سے جانچنے والے" تنہا مورخ طبری کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

"میں نے جو حالات کلی یا جزوی طور پر قلم بند کئے ہیں وہ اکثر و بیشتر محمد بن جریر الطبری کی تاریخ کبیر کی تلخیص ہیں کیونکہ فن تاریخ پر جس قدر کتابیں میری نظر سے گذری ہیں ان سب میں سے مجھے صرف یہی کتاب اعتماد کے قابل معلوم ہوئی اور میں نے دیکھا کہ اس کتاب میں اکابر امت صحابہ اور تابعین کو دشنام دہی سے احتراز کیا گیا ہے۔ بیشتر مورخین کے یہاں ایسی روایات ملتی ہیں جن سے ان برگزیدہ شخصیتوں کے متعلق خیالات فاسد پیدا ہوتے ہیں اس لئے ایسی کتابیں لائق اعتنا نہیں۔ (تاریخ ابن خلدون جزء ثانی حصہ دوم صٓ۱۸۶ مطبوعہ مصر)

آپ نے دیکھا کہ مؤلف کا محبوب اور معتبر ترین مورخ بلکہ" امام المورخین" کس طرح طبری کی تاریخ دانی کا معترف ہے اور اس کی کتاب کو ساری کتابوں میں قابل اعتماد قرار دیتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ اس کی کتاب در اصل تاریخ طبری کا خلاصہ ہے۔

بھی نہیں بلکہ یہ بھی کہنا ہے کہ یہ کتاب صحابہ کے متعلق دشنام طرازی سے پاک ہے وہ دوسرے مورخوں کو بھی مشورہ دیتا ہے کہ اسی کتاب سے استفادہ کرو کیونکہ اس کے علاوہ بیشتر کتابوں کی روایات سے تاریخ کی بزرگ شخصیتوں کے متعلق خیالاتِ فاسد پیدا ہوتے ہیں اس لئے وہ قابل اعتبار نہیں ہیں مگر "خلافت معاویہؓ ویزید" کے مولف فرماتے ہیں کہ طبری شیعہ تھا اس لئے اس کی روایات ناقابل اعتبار ہیں اور اس نے واقعات کی چھان بین نہیں کی۔ اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں کہ مولفِ "خلافتِ معاویہؓ ویزید" بڑا مورخ ہے یا "امام المورخین" ابن خلدون؟ اور دونوں میں سے کس کی بات تسلیم کی جائے۔ مولف کا گواہ خود ان کے خلاف جا رہا ہے۔ اب ہم ایک اور مورخ ابن کثیر کی گواہی پیش کرتے ہیں اور اتفاق سے یہ مورخ بھی مؤلف کو بے حد محبوب ہے اور انہوں نے اپنی کتاب میں جس مورخ کے سب سے زیادہ حوالے درج کئے ہیں وہ بھی "خوش قسمت" ابن کثیر ہے۔ وہ طبری کے متعلق لکھتا ہے کہ۔

"ابن جریر طبری روایات کے حفاظ اور ائمہ میں سے تھے"

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صـ۲۰۲)

لیکن ابھی ایک باریک سا پردہ درمیان میں باقی ہے یعنی طبری

کی شیعت کے متعلق تصریح نہیں ہوئی۔ اب وہ پردہ بھی اٹھتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے مایہ ناز مورخ علامہ شبلیؒ نعمانی فرماتے ہیں کہ:۔

"ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ۔ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہد کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے ایک نہایت بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور انتظام کے ساتھ چھپی ہے" (الفاروق حصہ اول ص۵ مطبوعہ تجلی پریس دہلی)

گویا طبری بلند پایہ مورخ ہی نہیں تھے بلکہ حدیث و فقہ کے امام بھی تھے اور ہمارے چاراماموں کے ہم پایہ بلکہ انہیں کے زمرے میں سے تھے مگر "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف کو اصرار ہے کہ نہیں طبری شیعہ تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ طبری کو اہل سنت کا امام کہنے والے اور ثقہ مورخ جاننے والے علامہ ابن خلدون۔ علامہ ابن کثیر اور علامہ شبلی ہی شیعہ ہوں؟ اب مولف کو ایک کتاب اس موضوع پر لکھنی چاہیئے۔ ہم نے "بے لاگ تحقیق و ریسرچ" کا ایک نیا میدان انہیں دیدیا ہے۔

یہاں تک تو ہم نے طبری کے مسلک کے متعلق خارجی شہادتوں سے بحث کی۔ اب ہم داخلی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ یعنی طبری کی کتاب سے

ایسی عبارتیں نقل کرتے ہیں جو ان کے حنفی المسلک ہونے کی بیّن دلیل ہیں۔ اسلام اور تاریخ اسلام کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں رسول اللہؐ کے بعد سب سے پہلے مسلمان حضرت علیؓ ہیں اور جن امور میں دونوں ایک دوسرے سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں ان میں سے حضرت علیؓ کا سابق فی الاسلام ہونا سرفہرست ہے۔ گذشتہ سینکڑوں سال سے یہ مسئلہ دونوں فرقوں میں نزاع کا موضوع بنا ہوا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا یا حضرت ابوبکرؓ نے۔ اہل سنت کے نظریے کے مطابق حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اب اگر طبری بھی حضرت ابوبکرؓ کے سابق فی الاسلام ہونے کی روایات درج کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شیعہ نہیں تھا۔ ملاحظہ فرمائیے وہ کہتا ہے کہ :-

"زید بن ارقم راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سب سے پہلے حضرت علیؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب میں نے یہ بات نخعی سے کہی تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ نہیں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے"

(تاریخ طبری صنہ ۱۱۶ جلد اول حصہ سوم مطبوعہ ۱۸۸۱ء-۱۸۹۲ء بریل)

پھر ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ :-

"واقدی کا بیان ہے کہ ہمارے دوست اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت علیؓ بعثت نبوی کے ایک سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے"۔ (تاریخ طبری ص۱۱۶۵ جلد اول حصہ سوم مطبوعہ ۱۸۸۱-۸۲ء بریل)

اس روایت کی رو سے گویا حضرت علیؓ کا نمبر دوسرا، تیسرا یا چوتھا بھی نہیں آتا۔ ایک سال کے بعد جب پوری جماعت کی جماعت اسلام لا چکی تھی طبری کے خیال کے مطابق اس کے بعد حضرت علیؓ ایمان لائے۔ کیا یہ شیعی عقیدہ ہے؟

طبری اس پر بس نہیں کرتے اور سنیئے۔

"شعبی روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ اس پر انہوں نے کہا کہ کیا تم نے حسانؓ بن ثابت کے یہ شعر نہیں سنے؟ (پھر شعر درج کئے ہیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے) جب کسی معتمد کا اچھے رنگ میں ذکر کرو تو ابوبکرؓ کو ان کی خدمات کی وجہ سے ضرور یاد کرو۔

رسول اللہؐ کے بعد خلق اللہ میں وہ سب سے زیادہ خدا سے خوف کرنے والا عدل قائم کرنے والا اور اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح ادا کرنے والا تھا۔

وہ رسول اللہ کا دوسرا منبع تھا جس کی خدمتِ رسولؐ میں حاضری ہمیشہ تحسین کی مستحق قرار پائی اور وہ پہلا شخص تھا جس نے رسولِ خدا کی تصدیق کی (یعنی ایمان لایا)

(تاریخ طبری ص۱۱۶۵ حصہ اوّل جلد سوم مطبوعہ ۱۸۸۲-۱۸۸۱ء بریل)

کیا حضرت ابوبکرؓ کی اس شان سے ثناؤ صفت کوئی شیعہ کر سکتا ہے؟ اور سنیئے :۔

عمرو بن علبتہ نے بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا کہ رسولِ خدا عکاظ میں مقیم تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ دعوتِ اسلام میں سب سے پہلے کس نے آپ کی تصدیق کی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دو آدمیوں نے۔ ان دونوں میں سے ایک آزاد شخص ہے اور دوسرا غلام۔ ابوبکرؓ اور بلالؓ۔

(تاریخ طبری ص۱۱۶۶ حصہ اوّل جلد سوم مطبوعہ ۱۸۸۲-۱۸۸۱ء بریل)

اہل تشیع اور اہل سنت میں دوسرا اختلافی مسئلہ حضرت علیؓ کی بیعت کا ہے۔ شیعہ حضرات کے عقیدے اور نظریئے کے مطابق حضرت علیؓ منصوص من اللہ امام تھے خلافت ان کا حق تھا۔ انہوں نے کسی کی بیعت نہیں کی اور نہ وہ ایسا کر سکتے تھے کیونکہ یہ امر (بقول شیعہ حضرات)

حکم خداوندی کے خلاف تھا۔ شیعہ دنیا کی ہر بات تسلیم کر سکتا ہے مگر یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ یا دوسرے خلفاءؓ کی بیعت کر لی تھی۔ اگر طبری ایسی روایت پیش کرتا ہے جس میں حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرنا بیان کیا گیا ہے تو وہ کبھی شیعہ نہیں ہو سکتا۔ اب اس کی روایت دیکھئے۔ وہ لکھتا ہے کہ :۔

"حبیب ابن ثابت راوی ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے مکان میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت ابوبکرؓ لوگوں سے مسجد میں بیعت لے رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ اسی وقت صرف قمیص پہنے اور بغیر چادر و ازار کے اٹھ کھڑے ہوئے اس خیال سے کہ وہ بیعت کرنے میں دوسروں سے پیچھے نہ رہ جائیں مسجد میں جا کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان ہی کے قریب بیٹھ گئے پھر ایک شخص کو اپنے گھر بھیج کر باقی کپڑے منگوائے اور پہن کر وہیں بیٹھے رہے۔" (تاریخ طبری صـ ۱۸۲۵ مطبوعہ ۱۸۹۰ء بریل)

صرف یہی نہیں کہ طبری نے حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرنا بیان کر دیا بلکہ یہ بھی دکھا دیا کہ یہ بیعت انہوں نے کسی خوف، لالچ یا تقیہ کی وجہ سے نہیں کی تھی بلکہ بیعت میں جلدی اس وجہ سے تھی کہ

وہ اس نیک کام میں دوسروں سے پیچھے نہ رہ جائیں (خط کشیدہ الفاظ پھر پڑھ لیجئے) یہ چند روایات ہیں جو ہم نے طبری کی کتاب سے پیش کی ہیں ورنہ اس قسم کی روایات کا اس کے ہاں بڑا ذخیرہ ہے ہم حیران ہیں کہ "خلافتِ معاویہؓ ویزید" کے مؤلف کو کیا ہو گیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو شیعہ قرار دیتا ہے (صرف اپنے مطلب کے لئے) جو حضرات خلفائے ثلاثہ کی اسلامی خدمات کا معترف ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا سابق فی الاسلام ہونا بیان کرتا ہے۔ حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرتا دکھاتا ہے۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کو رسولؐ اللہ کا جان نثار ثابت کرتا ہے۔ ان بزرگوں کے عدل و انصاف کے قصیدے پڑھتا ہے ان کے تقویٰ، نیکی اور پرہیزگاری کی روایتیں بیان کرتا ہے۔ رسولؐ اللہ کی زبانی ان کو جنت کی بشارت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ نے (ابوبکرؓ سے) فرمایا کہ "انت عتیق من النار" (تم دوزخ کے عذاب سے آزاد ہو) (ملاحظہ ہو تاریخ طبری صہ ۲۱۳ مطبوعہ ۱۸۹۰ء بریل)

اگر شیعوں کے عقائد و نظریات یہی ہیں تو ان میں اور حنفیوں میں فرق ہی کیا ہے؟ کاش مؤلف طبری کو شیعہ لکھنے سے پہلے تاریخ طبری کے ان حصوں پر بھی ایک نظر ڈال لیتا جو سطورِ بالا میں ہم نے پیش کئے ہیں۔

حضرت علیؓ کی خلافت

مولف نے اپنی کتاب کا آغاز حضرت علیؓ کی خلافت سے کیا ہے اور سب سے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہیں ہوئی تھی۔ پھر یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کی بیعت اکابرِ امت نے نہیں کی تھی بلکہ مفسدین اور سبائیوں کے اثر سے انہیں خلیفہ بنایا گیا تھا ان پر سبائی مسلط تھے اور ان سے جو چاہتے تھے کرا لیتے تھے۔ گویا وہ ایک بے بس خلیفہ تھے وہ امرِ خلافت کے اہل نہیں تھے اور ان کا زمانہ ایک ناکام خلافت کا زمانہ تھا (ملاحظہ ہو صد۲، صد۳، صد۴، صد۵، صد۶، صد۷) اس طرح اس نے امیر المومنین سیدنا حضرت علیؓ کو بدنام کرنے، ان کی حیثیت کو سبک کرکے دکھانے اور انہیں حقیر کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ مؤلف نے اپنی تائید میں "ازالۃ الخفا" اور "منہاج السنتہ" کے حوالے پیش کئے ہیں اور اس طرح قارئین پر یہ تاثر قائم کرنا چاہا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور حضرت امام ابن تیمیہؒ جیسے اکابرِ امت حضرت علیؓ کو خلافت کے لئے نااہل اور ناکام سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کو اس دور کے صحابہؓ نے خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا لیکن افسوس کہ یہاں بھی مولف نے صریح بددیانتی اور فریب کاری سے کام لیا اور قارئین کو صحیح صورتِ حال

سے باخبر نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ازالۃ الخفا اور منہاج السنۃ دونوں کتابیں ان لوگوں کے رد میں لکھی گئی ہیں جو خلفائے ثلاثہ کے مخالف ہیں اگر زید بکر کی فضیلت کا تو قائل ہو مگر عمرؓ کے حق میں زبانِ طعن دراز کرے تو اس کے سامنے بکر کی نہیں بلکہ عمر کی فضیلت سے تعلق رکھنے والی روایات پیش کی جائیں گی کیونکہ ثبوت اسی چیز کا دیا جاتا ہے جس کا انکار کیا جائے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں خلفائے ثلاثہ کی فضیلت اور استحقاقِ خلافت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے کیونکہ مخاطب انہیں حضرات کے مخالف اور انہیں کی فضیلت کے منکر ہیں۔ حضرت علیؓ کو تو وہ پہلے ہی افضل اور مستحقِ خلافت مانتے ہیں مگر چونکہ یہ دونوں بزرگ (حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی اور حضرت امام ابن تیمیہ) صحیح العقیدہ اور تاریخ سے باخبر تھے اور ان کے دلوں میں اہل بیت کا احترام تھا اس لئے انہوں نے خلفائے ثلاثہ کے اثباتِ خلافت کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور نہایت واضح الفاظ میں ان کی خلافت کو خلافتِ حقہ قرار دیا مگر "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف نے ہر جگہ ان دونوں بزرگوں کی کتابوں کے وہ حصے تو پیش کر دیئے جن میں انہوں نے مخالفین کے اعتراضات کا الزامی جواب

دیا تھا یا دوسروں کے خیالات بیان کئے تھے لیکن وہ حصے دانستہ نظر انداز کر دیئے جن سے حضرت علیؓ کی عظمت ظاہر ہوتی تھی اور ان کی خلافت کا اثبات ہوتا تھا۔ صرف ایک مثال سے حقیقت واضح ہو جائے گی مولف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ :۔

"خلافت حضرت مرتضیٰ کے لئے قائم نہیں ہوئی کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے ان کی بیعت نہیں کی" (خلافت معاویہؓ و یزید ص۲)

مولف کے یہ الفاظ پڑھ کر ہر شخص یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ یہ خیالات حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ہیں حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے دراصل شاہ صاحب جنگ جمل کے واقعات بیان کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے مقابلے میں کیوں صف آرا ہوئے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ "ان حضرات نے دو شبہات کی وجہ سے حضرت علیؓ کی مخالفت کی یعنی ان کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت ابھی قائم نہیں ہوئی ہے اور ارباب حل و عقد نے ان کی بیعت نہیں کی ہے"۔

(ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء حصہ دوم ص۲۷۹ مطبوعہ مطبع صدیقی)

یعنی یہ شبہ حضرات عائشہؓ و زبیرؓ کو پیش آیا حضرت شاہ ولی اللہؒ کو نہیں۔ مگر مولف ان کی عبارت کو اس رنگ میں پیش کرتا ہے کہ یہ خیالات شاہ صاحبؒ کے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر آگے چل کر شاہ صاحبؒ اس شبہ کا ازالہ بھی فرما دیتے ہیں اور صاف الفاظ میں کہہ دیتے ہیں کہ اس شبہ کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"حالانکہ اس سے زیادہ قوی دلیل (خلافت مرتضیٰؓ کے قیام کیلئے) موجود تھی"۔ (ازالۃ الخفا حصہ دوم ص ۲۷۹) یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت زبیرؓ کا شبہ صحیح نہ تھا۔ صرف اس ایک مثال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولف کی نیت میں کس قدر فتور ہے اور وہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت کی تصویر مسخ کرنے پر کس طرح تلا بیٹھا ہے۔ ایسے مولف کے باقی حوالوں کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اب ہم حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب کے وہ مقامات پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کو خلافت علیٰ منہاج نبوت سمجھتے تھے اور ان کے خیال میں رسول اللہ نے حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ فرما دیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ان (چاروں بزرگوں) کے ساتھ ولی عہدوں کا سا طریقہ

اختیار فرمایا تھا جیسے کہ قبیلۂ عمرو بن عوف کی طرف بھیجتے وقت حضرت ابوبکرؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر کر جانا جنگ تبوک میں اسلامی فوجوں کے شہر سے باہر آتے وقت حضرت ابوبکرؓ کو لشکر کے معائنے کے لئے بھیجنا اور نماز پڑھانے کے لئے متعین فرمانا اپنے مرض الموت میں بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کو امام الصلوٰۃ مقرر کرنا۔ ہجرت کے نویں سال انہیں کو امیر الحج بنانا اور انہیں کو متعدد غزوات میں بھیجنا اور مدینہ میں عامل صدقات مقرر فرمانا حضرت عثمانؓ کو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اہل مکہ کے پاس (اپنا نمائندہ بنا کر) بھیجنا اور حضرت علیؓ کو یمن کا گورنر مقرر فرمانا اور آپ کے لئے یہ دعا کرنا کہ خدا تعالیٰ ان کے لئے فیصلہ کرنا آسان کر دے" (یعنی سب امور اس امر پر شاہد ہیں کہ ان چاروں کے ساتھ رسول اللہ کا سلوک ولی عہدوں اور اپنے جانشینوں کا سا تھا)

(ازالۃ الخفا حصہ اول ص۱۳ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی)

پھر ایک جگہ حضرت علیؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے زیادہ خلافت کا کوئی حقدار نہیں ہے جن سے رسول اللہ اپنے وصال کے وقت تک

خوش رہے پھر (حضرت عمرؓ نے) علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ اور عبدالرحمٰنؓ (بن عوف) کے نام لئے" (خیال رہے کہ حضرت علیؓ کا نام سب سے پہلے لیا ہے) (ازالۃ الخفاء حصہ اول صـ۱۶۷ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی)

پھر ایک اور موقع پر اس سے زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں کہ:-

"خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ) کے لئے خلافت خاصہ کا اثبات ایک کھلی ہوئی بات ہے کیونکہ جب ہم خلافت کے مفہوم اور اس کی شرائط پر غور کرتے ہیں اور خلفائے اربعہ کے جو حالات باسناد ہم تک پہونچے ہیں ان پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کی ساری شرطیں ان میں موجود تھیں اور خلافت کے مقاصد ان سے پورے ہوئے اور اس میں کسی قسم کا اخفا باقی نہیں رہا" (ازالۃ الخفا حصہ اول صـ۸)

آپ نے دیکھا کہ شاہ صاحبؒ خلفائے اربعہ (جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں) کی خلافت کو خلافتِ خاصہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں انہوں نے مقاصد خلافت پورے کر دیئے مگر "خلافت معاویہ ویزید" کا مولف کہتا ہے کہ حضرت علیؓ فرائضِ خلافت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے اور نہ ان کی خلافت قائم ہوئی کیونکہ ارباب شوریٰ نے ان کی بیعت

نہیں کی۔ ارباب شوریٰ نے ان کی بیعت کی یا نہیں ؟ اس کے متعلق بھی ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی کی رائے پیش کرتے ہیں۔ وہ انعقادِ خلافت کی مختلف صورتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے طریق انتخاب کا ذکر کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ:۔

"یا پھر شوریٰ کے ذریعہ سے خلیفہ منتخب کیا جائے جس طرح حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا گیا بلکہ میں تو کہوں گا کہ حضرت علیؓ کی خلافت بھی اسی طریقے سے قائم ہوئی"۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۱۳۸)

شاید مولف یہ کہے کہ صرف مرکز کے اکابر کا بیعت کر لینا انعقادِ خلافت کیلئے کیسے کافی ہو سکتا ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ ہی اس خیالِ فاسد کی بھی تردید فرما دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"انتخاب خلیفہ کے لئے علماء، قضاۃ اور سرداروں کا بیعت کر لینا کافی ہے جو بآسانی میسر آسکیں تمام ممالکِ اسلامی کے ارباب حل و عقد کا متفق ہونا شرطِ خلافت نہیں ہے کیونکہ یہ مشکل ہے"۔ (ازالۃ الخفا حصہ اول ص ۵ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی)

کیا "مولفِ خلافتِ معاویہؓ و یزید" کو اب بھی حضرت علیؓ کی خلافت قائم ہونے میں کوئی شک ہے، اب ایک حوالہ ایک ایسی شخصیت کا

پیش کر دینا مناسب ہوگا جسے خود مولف "پیرانِ پیر" کے لقب سے یاد کرتا ہے اور اپنی کتاب میں ان کی تصنیف کا حوالہ بھی درج کرتا ہے گویا ان کی ثقاہت بزرگی اور اصابت رائے کا معترف ہے یہ بزرگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں :-

(حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد) لوگ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ حضرت عثمانؓ کو تو شہید کر دیا گیا ہے، ہم بغیر خلیفہ کے نہیں رہ سکتے اور ہمیں سوائے آپ کے اور کوئی خلافت کا اہل نظر نہیں آتا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے خلیفہ نہ بناؤ میں خلیفہ ہونے سے مشیر ہونے کو بہتر سمجھتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ سے زیادہ مستحق خلافت اور کوئی نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم سوائے میرے اور کسی کو خلیفہ بنانے پر رضامند نہیں ہو تو میری بیعت چھپ کر (یعنی گھر میں) نہ کرو۔ میں مسجد میں آؤں گا جسے بیعت کرنی ہو وہاں کرے۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی، اس لئے آپ امام برحق تھے اور شہادت کے وقت تک سچے امام رہے۔ خدا خارجیوں کو تباہ کرے جو کہتے ہیں

ہیں کہ حضرت علیؓ امام برحق نہ تھے"۔ (غنیۃ الطالبین ص۱۹ مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی)
"خدا خارجیوں کو برباد کرے"۔ اگر ان الفاظ سے "خلافت معاویہؓ ویزید" کے مولف کو صدمہ پہنچا ہو تو ہم ان سے معذرت خواہ ہیں مگر یہ الفاظ ہمارے نہیں ہیں بلکہ پیرانِ پیر حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے ہیں۔

"ازالۃ الخفا" کے بعد مولف نے حضرت امام ابن تیمیہؒ کی کتاب "منہاج السنۃ" سے مطلب برآری کی کوشش کی ہے اور ان کی کتاب کا بھی وہی حشر کیا ہے جو شاہ ولی اللہ کی "ازالۃ الخفا" کا کیا تھا یعنی ان کی عبارتوں کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے اپنے مطلب کی عبارتوں کے ٹکڑے لئے ہیں اور ان پر حاشیے چڑھا چڑھا کر پیش کر دیا ہے حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی طرح حضرت امام ابن تیمیہؒ بھی حضرت علیؓ کی خلافت کے قائل تھے چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

"حضرت علیؓ کی خلافت اہلِ شوکت کی بیعت سے قائم ہوئی تھی گو سارے عالم اسلام کے مسلمانوں نے ان کی بیعت نہیں کی جیسے ان سے پہلے خلفاء کی بیعت کی تھی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اہل شوکت کی بیعت نے ان کی خلافت کو طاقت عطا کی تھی اور نص ظاہر کرتی ہے کہ اُن کی خلافت خلافتِ نبوت تھی"۔

(منہاج السنۃ جلد دوم ص۲۰۴)

اس کے بعد حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے انکی بیعت نہیں کی ان کے اختلاف کے پیش نظر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہیں ہوئی کیونکہ ان سے پہلے ایک صحابی حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بھی بیعت نہیں کی تھی یعنی اگر حضرت سعدؓ بن عبادہ کے بیعت نہ کرسکنے باوجود حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قائم ہو سکتی ہے تو کچھ لوگوں کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت علیؓ کی خلافت کیوں قائم نہیں ہو سکتی۔ حضرت امام ابن تیمیہ کی اصل عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اور جن لوگوں نے ان (حضرت علیؓ) کی بیعت نہیں کی ان کا بیعت نہ کرنا ایسا ہے جیسے سعدؓ بن عبادہ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے دستکش رہنا" (منہاج السنتہ جلد دوم صہ۲۰۴)

لہ حضرت سعدؓ بن عبادہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور اکابر مدینہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ رسول اللہ کے جاں نثار صحابہ میں سے تھے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا مسئلہ پیش ہوا تو انصار نے انہیں کو خلیفہ بنانیکی کوشش تھی مگر جب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیگئی تو حضرت سعدؓ بن عبادہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ بغیر بیعت کیئے واپس چلے گئے اور آخر تک بیعت نہیں کی حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان سے تعرض نہ کیا اور حضرت سعدؓ نے بھی خاموشی سے بقیہ زندگی گذار دی۔ امام ابن تیمیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (مولف)

پھر فرماتے ہیں کہ :-

"اہل سنت اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت علیؓ کا مرتبہ بلند ہے اور وہ (بمقابلہ دوسروں کے) خلافت کے زیادہ مستحق ہیں اور خدا تعالیٰ رسولؐ اور عامۃ المسلمین کی نظر میں افضل ہیں" (منہاج السنۃ جلد دوم صفحہ ۲۰۶)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ :-

"اگر کوئی کہے کہ حضرت علیؓ نے معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں طلحہؓ و زبیرؓ سے جنگ کیوں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ ان لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے اور قیام عدل اور علم و فضل میں ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے جو آپ کے مقابلے میں جنگ کرنے آئے تھے یہ مناسب نہیں کہ جن لوگوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی انہیں عادل قرار دیا جائے" (منہاج السنۃ جلد سوم صفحہ ۱۹۵)

زمانہ حال کے نامور مورخ ڈاکٹر طہٰ حسین (جن کا شیعت سے کوئی واسطہ نہیں) حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد" مہاجرین اور انصار دونوں نے غور و فکر کیا اور صحابہ سے ملاقاتیں کیں انہوں نے دیکھا کہ سارے صحابہؓ حضرت علیؓ کی خلافت کو پسند کرتے ہیں اور ان کے ساتھیوں

(حضرت طلحہؓ و زبیرؓ) کے مقابلے میں حضرت علیؓ کو خلافت کا اہل سمجھتے ہیں، چنانچہ صحابہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی اور اس پر مصر ہوئے مفسدوں (جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا) نے بھی صحابہؓ کی تائید کی، حضرت علیؓ نے امر خلافت سے علیحدہ رہنا چاہا مگر کوئی صورت نظر نہ آئی، جب (صرف) مفسدین نے ان سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی تھی تو انہوں نے یہ درخواست رد کردی تھی مگر چونکہ اب مہاجرین و انصار یہ درخواست لے کر آئے تھے اس لئے انہوں نے قبول کر لی۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد علیؓ و بنوہ ص۹)

اب آخری حوالہ ایک اور بڑی اور مستند کتاب کا پیش کیا جاتا ہے۔

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاً بعد ذی الحج کے آغاز میں حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کی گئی اس بیعت میں مدینہ کا ہر وہ شخص شریک ہوا جو اس وقت شہر میں موجود تھا تمام اسلامی مملکتوں میں اس بیعت کی اطلاع بھیجی گئی اور ہر شہر کے مسلمانوں نے برضا و رغبت حضرت علیؓ کی اطاعت اختیار کی صرف معاویہؓ اور اہل شام نے انکار کیا"

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۵۷۶)

آپ نے دیکھا کہ مولف کا یہ دعویٰ کس قدر بودا ہے اور کس طرح اس کی قلعی کھل گئی کہ حضرت علیؓ مفسدوں کی تائید سے خلیفہ بنے تھے یا صحابہ نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔

ہمارا خیال ہے کہ حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت قیام خلافت اور استحقاقِ خلافت کے متعلق ہم نے ان کتابوں سے جو "خلافتِ معاویہؓ و یزید" کے مولف کے نزدیک معتبر و مستند ہیں۔ بہت کافی حوالے دے دیئے ہیں گو ہمارے پاس حوالہ جات اور دلائل کا انبار موجود ہے مگر طوالت کے خوف سے ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی حدودِ سلطنت

مولف نے اپنی کتاب میں ایک اور عجیب بات لکھی ہے اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ قارئین کو حضرت علیؓ کی قوت، تدبر اور ملکی انتظام کے اعتبار سے نا اہل ہونے کا یقین دلایا جائے۔ چنانچہ ایک کتاب کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:۔

"یعنی ان کی سلطنت کا دائرہ ہر روز خاص کر ثالثی کے بعد زیادہ تنگ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر میں سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس کے اور کچھ ان کے لئے باقی نہ رہا"

(خلافت معاویہؓ و یزید ص۴۹)

اگر مصنف کی نیت نیک ہوتی تو وہ قدیم تاریخیں کھول کر دیکھتا اور جستجو کرتا کہ یہ روایت کہاں تک درست ہے لیکن وہ تو حضرت علیؓ کو بدنام کرنے کی قسم کھا چکا تھا اس لئے اس سے وہ کام کرنے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے جس کے نتیجے میں حضرت علیؓ کی عظمت قائم ہوتی۔ دور جانے کی بھی ضرورت نہ تھی خود مولف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ :-

"وہ تو (عبید اللہ) اس باپ (زیاد) کا بیٹا تھا جو حضرت علیؓ کے معتمدِ خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصے تک ان کے نام لیوا رہے۔"

(خلافت معاویہؓ و یزید صہ ۲۰۷)

اور تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ زیاد کو حضرت علیؓ نے فارس کا گورنر مقرر کیا تھا۔ فارس کا علاقہ ایران اور اس کے ملحقات سے لے کر افغانستان اور سابق سندھ کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا یہ بات مولف کو خوب معلوم تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب میں زیاد کو حضرت علیؓ کا وفادار لکھ چکا ہے لیکن غلط بیانی ملاحظہ ہو کہ پھر بھی کہتا ہے کہ "آخر میں حضرت علیؓ کی حکومت کوفہ اور اس کے آس پاس تک محدود ہو گئی تھی۔" کوئی اس عقلمند سے پوچھے کہ کیا ایران اور

افغانستان کوفہ کے آس پاس کے مواضعات ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ مولف کے طرز تحریر کا راز کھل جانے کی وجہ سے لوگ اس کی اس تحریر پر اعتماد نہ کریں جو ہم نے سطور بالا میں پیش کی ہے جس میں زیاد کو حضرت علیؓ کا وفادار لکھا گیا ہے اس لئے ذیل میں "امام المورخین" علامہ ابن خلدونؒ کی تاریخ کا ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ مولف بھی ابن خلدون کو عظیم مورخ مانتا ہے اور امام المورخین کا خطاب بھی اس کا دیا ہوا ہے اور بقول اس کے ابن خلدون پہلا مورخ ہے جسے روایات کی چھان بین اور ان پر نقد و تبصرہ کرنے کی سعادت پہلی بار نصیب ہوئی، وہ حضرت علیؓ کے گورنروں کی فہرست پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :۔

"علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کے علاقوں پر یہ لوگ گورنر تھے۔ بصرہ پر عبداللہ بن عباسؓ اور بصرہ کے چیف جسٹس ابوالاسود الدولی، فارس پر زیاد بن سمیہ یمن پر عبیداللہ بن عباسؓ جب تک بسرؔ بن ارطاۃ نے حملہ نہیں کیا۔

لہ حضرت معاویہؓ نے تحکیم کے بعد بسر بن ارطاۃ کو لشکر دے کر حضرت علیؓ کے علاقوں کو تاراج کرنے پر مامور کیا تھا اور اس نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا مگر جلد ہی حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار فوج دے کر یمن بھیجا جس نے بسر کو مار کر یمن سے نکال دیا اور یمن پر پھر حضرت علی کا تسلط ہو گیا جو آخر تک قائم رہا۔ (مصنف)

تھا) مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ، مدینہ پر ابو ایوب انصاریؓ یا سہیل بن حنیف" (تاریخ ابن خلدون جلد ثانی حصہ دوم صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ مصر)

امام المورخین علامہ ابن خلدون کے بیان کے مطابق گویا حضرت علیؓ کی شہادت تک مندرجہ ذیل علاقے آپ کے زیر نگیں تھے اور یہ کہنا مبالغے سے قطعاً خالی ہے کہ اس وقت روئے زمین پر اتنی بڑی سلطنت کسی ایک شخص کے زیر نگیں نہیں تھی۔

کوفہ، بصرہ (سارا عراق)، فارس (ایران، افغانستان اور سندھ کے مضافاتی علاقے) مکہ، طائف، یمن اور مدینہ (سارا حجاز) صرف شام اور مصر حضرت معاویہؓ کے پاس تھا۔

مولفِ "خلافت معاویہؓ و یزید" نے حضرت علیؓ کے عہد کی تصویر اس طرح کھینچی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے عہد میں سوائے کشت و خون ریزی کے اور کچھ نہیں ہوا ہر طرف بدامنی اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ راستے غیر محفوظ تھے۔ یہودی اور مجوسی مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت علیؓ بے بس بیٹھے تماشہ دیکھ رہے تھے اور جہاد تو ان کے زمانے میں بالکل ہوا ہی نہیں۔ ان کے عہد کے لوگوں بلکہ ان کے بھائی بندوں کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں ملت اسلام کا بیڑا غرق ہو کر رہے گا اور آخر کار روتے پیٹتے وہ

ایک ناکام و نامراد شخص کی حیثیت سے اپنی ہی پارٹی کے ایک شخص کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ (ملاحظہ ہو صہ ۴ صہ ۵ صہ ۸ صہ ۱۲)

حضرت علیؓ کی عسکری صلاحیت

حضرت علیؓ کے عہد کی یہ تصویر کچھ تو مصنف کے ذہن کی اختراع ہے اور کچھ کذابین بنوامیہ کی غلط اور بے سروپا روایتوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے ورنہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں جنگیں ہوئیں۔ یہ فرمانرواؤں کے لئے کوئی عجیب بات نہیں ہے انہیں مخالفین کی سرکوبی کے لئے تلوار اٹھانا ہی پڑتی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے بھی اپنے مخالفوں سے جنگیں لڑیں اور تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ ہر جنگ میں کامیاب ہوئے۔ سب کو معلوم ہے اور اس کے لئے کسی حوالے کی ضرورت نہیں کہ حضرت علیؓ کا پہلا مقابلہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ سے ہوا اور اس میں حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہوئی۔ ان کا دوسرا مقابلہ حضرت معاویہؓ سے ہوا۔ اس جنگ میں جو واقعات "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف کے محبوب مورخ "امام المورخین" علامہ ابن خلدون نے بیان کئے ہیں۔ ان کے بعض اقتباسات سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس جنگ میں کس کا پلہ بھاری تھا وہ لکھتے ہیں:۔

"تیسرے دن عمارؓ بن یاسر (حضرت علیؓ کی طرف سے) اور عمرؓو بن العاص (حضرت معاویہؓ کی طرف سے) میدان میں نکلے۔ یہ معرکہ گذشتہ معرکوں کے مقابلے میں بڑا سخت تھا۔ آخر عمارؓ بن یاسر نے اس شدت سے حملہ کیا کہ (حضرت معاویہؓ کے کمانڈر) عمرؓو بن العاص کو پسپا ہونا پڑا۔ (تاریخ ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ مصر)

پھر فرماتے ہیں:۔

"معاویہؓ ایک شاندار خیمے میں بیٹھے لوگوں سے مارنے مرنے کی بیعت لے رہے تھے کہ حضرت علیؓ کے کمانڈر عبداللہ بن بدیل نے شام کے کمانڈر لشکر حبیب بن مسلمہ پر حملہ کیا۔ دوپہر تک بڑی شدید جنگ ہوتی رہی۔ ظہر کے بعد (حضرت علیؓ کے کمانڈر) عبداللہ بن بدیل نے اپنی فوج کو جوش دلا کر متحدہ حملہ کیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ حبیب بن مسلم مع اپنے لشکر کے میدان سے نکل بھاگا اور معاویہؓ کے پاس جا کر دم لیا۔" (ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ مصر)

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے اُن لوگوں کا ایک لشکر حضرت علیؓ کے لشکر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا جو ان کے ہاتھ پر مارنے مرنے کی قسم کھا چکے تھے۔ اس لشکر نے حضرت علیؓ کی فوج کے دائیں بازو پر حملہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میمنہ کی ترتیب بگڑ گئی مگر عبداللہ بن بدیل کے ساتھ

دو تین سو آدمی (پھر بھی) ثابت قدم رہے، البتہ بائیں بازو کے کمانڈر مفر کو پسپا ہونا پڑا۔

حضرت علیؓ کے ایک کمانڈر "اشتر نے فوج کے ایک گروہ کے ساتھ قسم کھائی کہ جب تک فتح مند نہ ہوجائیں میدان سے نہیں ہٹیں گے۔ اس کے بعد اشتر نے لشکر شام کے دائیں بازو پر اور ان کے بعد حضرت علیؓ کی باقی فوج نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ آخر عصر اور مغرب کے درمیان شام کے لشکر کی ترتیب بگڑ گئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اشتر نے شکست خوردہ سپاہیوں کا پیچھا کیا اور انہیں مارتے مارتے معاویہؓ کے پاس پہونچا دیا۔" (ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم ص۱۷۳ مطبوعہ مصر)

اس کے بعد حضرت علیؓ کے لشکر نے پھر ایک حملہ کیا اور لڑتا ہوا حضرت معاویہؓ تک پہونچ گیا۔ اس لشکر نے بڑی بے جگری سے جنگ کی اور اس کے بہت سے افراد قتل ہوئے باقی زخمی ہو کر لوٹ آئے۔

"پھر اشتر (حضرت علیؓ کا کمانڈر) قبیلہ ہمدان اور بعض دوسرے قبائل کو لے کر شامی فوج کی طرف بڑھا اور اس قوت سے حملہ کیا کہ اہل شام کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگ کر ان لوگوں کے پاس چلے گئے جنہوں نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر مارنے مرنے کی قسم

کھائی تھی، یہ لوگ اپنے آپ کو عماموں کے ساتھ باندھے ہوئے معاویہؓ کے ارد گرد حلقہ کیئے ہوئے تھے اشترؓ نے آگے بڑھ کر ان پر بھی حملہ کیا اور ان کی چار صفیں کاٹ کر پھینک دیں۔"

(تاریخ ابن خلدون جزء ثانی حصہ دوم ص۲۷ امطبوعہ مصر)

اس کے بعد متعدد جنگیں ہوئیں جن میں سے اکثر میں شامی فوجوں کو پے در پے شکستیں اٹھانی پڑیں، اس کے بعد ایک جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے "امام المورخین" علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ :-

"حضرت علی نے قبائل ربیعہ، مضر اور ہمدان کو ساتھ لے کر شامی فوج پر شدید حملہ کیا جس سے اہل شام کی صفیں کی صفیں تتر بتر ہو گئیں اور ان کے مقتولوں کے ڈھیر لگ گئے، حضرت علیؓ جنگ کرتے اور شامیوں کو قتل کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ تک پہونچ گئے اور جوش میں آکر انہیں للکارا کہ "اے معاویہؓ! خلق خدا کا بلا وجہ خون بہانے سے کیا حاصل؟ آؤ ہم دونوں آپس میں نبٹ لیں اور جو دوسرے پر غالب آجائے وہی امیر ہو" یہ سن کر حضرت عمروؓ بن العاص نے (جو قریب ہی کھڑے تھے) حضرت معاویہؓ سے کہا کہ "اے معاویہؓ! یہ تو فیصلے کا بڑا اچھا طریقہ ہے (یعنی اسے قبول کر لو) حضرت معاویہؓ نے

کہا کہ "اگر یہ فیصلہ اتنا ہی اچھا ہے تو" اسے تم اپنے لئے کیوں پسند نہیں کر لیتے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جو علیؓ کے مقابلے پر آئے یہ اسے ہلاک کئے بغیر نہیں چھوڑتے"۔

(تاریخ ابن خلدون خبر ثانی حصہ دوم ص۱۷۴ مطبوعہ مصر)

"خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف یا ان کے ہم خیال لوگوں کو ہم پر ناراض نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ بیان ہمارا نہیں ہے نہ غریب طبری کا جو "شیعہ" تھا اور نہ ابو مخنف وغیرہ کا۔ یہ بیان "امام المورخین" علامہ ابن خلدون کا ہے جنہیں بقول مولف گذشتہ ساڑھے تیرہ یا پورے چودہ سو سال میں پہلی مرتبہ روایات کو نقد و درایت کی کسوٹی پر پرکھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ ان کے بیان سے ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ اور ان کی فوجوں نے حضرت معاویہؓ اور ان کی فوجوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور خود حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی شجاعت اور عسکری صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں وہ سرٹیفکیٹ عطا فرمایا جسے دیکھ کر مولفِ "خلافت معاویہ و یزید" کا سر شرم سے جھک جانا چاہیئے۔ اب آخر میں اس جنگ کے انجام کے متعلق بھی انہیں "امام المورخین" کا بیان سن لیجئے

"ساری رات جنگ ہوتی رہی۔ یہ جمعہ کی شب تھی اور لیلۃ الہریر کہلاتی ہے۔ حضرت علیؓ رات بھر اپنی فوجوں میں پھرتے اور انہیں

جوش دلا دلا کر آگے بڑھاتے رہے، صبح تک جنگ اسی صورت سے جاری رہی۔ اشتر دائیں بازو پر (کمانڈر) تھے اور ابن عباسؓ بائیں بازو پر۔ حضرت علیؓ کی فوج یک جا ہو کر متحدہ طاقت سے حملے کر رہی تھی۔ یہ جمعہ کے دن کا واقعہ ہے۔ دوپہر کے بعد اشتر نے فوج کا علم حیان بن ہوذہ نخعی کو دیا اور خود گھوڑے پر بیٹھ کر سواروں کے لشکر کی طرف گئے اور شامیوں پر حملہ آور ہونے کی تلقین کی۔ ایک بڑی جماعت سر فروشی پر کمر بستہ ہو کر اشتر کے ساتھ حملہ کرنے بڑھی، اشتر اور ان کے ہمراہیوں نے نعرۂ تکبیر لگا کر اس شدت سے حملہ کیا کہ شامی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اشتر لڑتے ہوئے شامیوں کی لشکر گاہ تک جا پہنچے اور ان کے علمبردار کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اشتر کو کامیاب ہوتے دیکھ کر پے در پے کمک روانہ کرنا شروع کر دی، عمروؓ بن العاص اشتر کی شدتِ جنگ سے گھبرا گئے اور اپنے ساتھیوں کی ہلاکت کے خوف سے انہوں نے حضرت معاویہؓ[1] کو مشورہ دیا کہ "کیا کرتے ہو؟ تم کامیاب نہیں ہو سکتے اپنے لشکریوں کو ہدایت

---

[1] ایک روایت یہ ہے کہ اپنی شکست ہوتی دیکھ کر حضرت معاویہؓ میدان سے فرار ہونے کے لئے گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھ چکے تھے۔ (مولف)

کرو کہ وہ نیزوں پر قرآن حکیم بلند کر کے (علیؓ کی فوجوں سے) کہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کا کلام حکم ہے آؤ اس کا فیصلہ تسلیم کریں اگر وہ قبول کر لیں تو فی الحال جنگ رُک جائیگی (اور ہم شکست کی بدنامی سے بچ جائیں گے) اور اگر انہوں نے نہ مانا تو بھی فائدہ ہمیں کو پہونچے گا۔"

(تاریخ ابن خلدون جزثانی حصہ دوم صہ۱۷۲ مطبوعہ مصر)

اس کے بعد جو کچھ ہوا سب کو معلوم ہے اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ بند ہوگئی۔ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس جنگ میں بھی جہاں تک تلوار کی لڑائی کا سوال ہے حضرت علیؓ کو کامیابی ہوئی اور حضرت معاویہؓ نے اپنی شکست اور بے بسی کا اعتراف کر لیا۔ کیونکہ صلح کی پیش کش اسی فریق کی طرف سے کی جاتی ہے جسے اپنی شکست اور ہلاکت کا خطرہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے مسلمانوں کے قتل عام کے ڈر سے صلح کی پیش کش کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی مسلمانوں کی خوں ریزی کا خوف تھا تو جنگ کی طرح ہی کیوں ڈالی اور اتنے دن جنگ کر کے ہزاروں مسلمانوں کے قتل عام کا تماشہ کیوں دیکھا۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ صلح کی یہ پیش کش عاجز آجانے کی وجہ سے تھی۔

جنگ جمل (جو حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان ہوئی)، اور جنگ صفین (جو حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہوئی) کا حال بیان ہو چکا اور ان دونوں میں حضرت علیؓ کی واضح کامیابی بھی ثابت ہو گئی حضرت علیؓ کی تیسری جنگ خارجیوں سے نہروان کے مقام پر ہوئی اور دنیا جانتی ہے کہ اس میں بھی حضرت علیؓ کو عظیم الشان فتح ہوئی۔ حضرت علیؓ کی ان فتوحات کو دیکھ کر حضرت معاویہؓ کو خیال گذرا کہ اب علیؓ کو استحکام حاصل ہو رہا ہے اور اگر ان کی قوت اسی طرح بڑھتی گئی تو وہ مجھے شام پر برقرار نہیں رہنے دیں گے چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ کے علاقوں کو تاراج کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے جرنیلوں کو فوجیں دے کر بصرہ۔ یمن۔ مدینہ اور مکہ کی طرف بھیجا۔ ان میں سے عبداللہ بن الحضرمی نے بصرہ پہونچ کر پہلے تو سازشیں کر کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا اور پھر بصرہ کے بیت المال پر قابض ہو گیا رفتہ رفتہ سارے بصرہ پر اس کا تسلط قائم ہو گیا۔ جب حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے فوراً امدادی فوج بھیجی اور ایک یا دو دن کی جنگ کے بعد عبداللہ بن الحضرمی کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس طرح بصرہ پھر حضرت علیؓ کے قبضے میں آگیا۔ (تاریخ ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم صفحہ ۳۱۸۲ مطبوعہ مصر)

پھر حضرت معاویہؓ نے نعمان بن بشیر کو عین التمر پر۔ سفیان بن عوف کو مدائن پر

اور بسر بن ارطاط کو مکہ مدینہ اور یمن پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا مگر حضرت علیؓ کے جرنیلوں نے نعمان بن بشیر اور سفیان بن عوف کو شکست دے کر ان علاقوں سے نکال دیا۔ البتہ بسر بن ارطاط نے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے لوگوں سے جبراً حضرت معاویہؓ کی بیعت لی اور یمن جا کر وہاں کے گورنر ابن عباسؓ کے دو فرزندوں کو قتل کر دیا۔ جب حضرت علیؓ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے فوراً جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کا لشکر دے کر ابن ارطاط کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے ان دونوں جرنیلوں نے ابن ارطاط کو ہر جگہ شکست دی اور حجاز سے نکال دیا۔ اس طرح عراق اور حجاز دونوں میں جہاں حضرت معاویہؓ کے فوجی دستوں نے قتل و غارت برپا کر رکھی تھی پوری طرح امن قائم ہو گیا جو آخر تک برقرار رہا۔

حضرت علیؓ کی انتظامی صلاحیتیں

مولف "خلافت معاویہؓ و یزید" فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے عہد میں جہاد کلیتہً بند ہو گیا اور حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ ساتھ اس طرح الجھے کہ بیرونی امور کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔ جن لوگوں کو تاریخ سے کچھ بھی بہرہ ہے وہ مولف کا یہ دعویٰ سن کر ہنس دیں گے۔

اوّل تو یہ اعتراض ہی مضحکہ خیز ہے جہاد کوئی ایسا فرض نہیں ہے

جیسے حالات خواہ کچھ ہوں بہر صورت ادا کیا جائے۔ پہلی شرط داخلی امن کی ہے جب صورت یہ ہو کہ اپنے ہی اہل ملک خلیفۂ وقت سے باغی ہو کر اس کی حکومت کو ناکام بنانے کی تدبیریں کر رہے ہوں تو پہلے تو ان سے جنگ کرنا فرض ہے تاکہ اسلامی اسٹیٹ تباہ ہونے سے بچ جائے اور یہ خدمت کافروں سے جہاد کرنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ باعث ثواب آخرت اور عظیم الشان ہے۔ عقل بھی اسی خیال کی تائید کرے گی کہ پہلے اپنے گھر کو بچانا چاہیئے چنانچہ حضرت علیؓ نے یہی کیا کہ پہلے مسلمان باغیوں کی گوشمالی کی اور ادھر سے فراغت پاکر پھر غیر مسلموں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ اس کے بعد جہاد کا فریضہ بھی ادا فرمایا۔ اگر مولفِ "خلافت معاویۃؓ و یزید" نے تاریخ کا بغور مطالعہ نہیں کیا تو اس میں ہمارا یا حضرت علیؓ کا قصور نہیں ہے قصور اُن کی عدم واقفیت کا ہے۔" امام المورخین" فرماتے ہیں۔

(حضرت علیؓ کو خانہ جنگی میں الجھا ہوا دیکھ کر) فارس کے لوگوں نے اپنے عامل سہیل بن حنیف کو نکال دیا۔ حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ کے مشورے سے زیاد کو فارس کا گورنر مقرر کیا۔ چنانچہ زیاد ایک زبردست لشکر لے کر فارس پہونچا اور جنگ کر کے سب کو شکست دی۔ پھر کرمان جا کر وہاں کے

لوگوں کو بھی مغلوب کیا اور اصطخر کے قلعہ میں آکر فروکش ہوا؛

(تاریخ ابن خلدون جزء ثانی حصہ دوم صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ مصر)

ایک روایت کے مطابق زیاد نے سارے فارس کو مطیع و فرمانبردار کر کے ایسا امن و امان قائم کیا اور اس کے ذریعہ سے عدل و انصاف کا ایسا دور دورہ ہوا کہ اہلِ فارس بے ساختہ پکار اُٹھے کہ واللہ اس عربی نے نوشیروانِ عادل کی یاد تازہ کر دی۔ ایک اور بڑا مورخ لکھتا ہے کہ

"کابل اور سجستان کے علاقے میں امیر بن احمر الیشکری (حضرت عثمانؓ کے زمانے میں) قائم مقام گورنر تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ جنگ جمل سے (کامیاب ہو کر) واپس آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ امیر کو خارج البلد کر دیا گیا ہے چنانچہ آپ حسکہ بن عتاب الحبطی اور عمران بن الفضیل البرجمی کو لے کر روانہ ہوئے اور زالق (سجستان و کابل کے درمیان میں ایک مقام جہاں بڑا مستحکم قلعہ تھا) میں خیمہ زن ہوئے۔ اس علاقے کے (غیر مسلم) لوگ باغی ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان سب کو شکست دے کر مغلوب کیا۔ یہاں سے کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔"

(فتوح البلدان البلاذری صفحہ ۳۹۵ مرتبہ M. J. DE GOEJE مطبوعہ ۱۸۶۵ء بریل)

اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ہدایت فرمائی کہ سجستان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے کسی شخص کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کر دو. چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ربعی بن الکاس العنبری کو چار ہزار کا لشکر دے کر سجستان بھیجا. ربعی نے باغیوں سے جنگ کر کے انہیں مطیع کیا اور ہر طرف امن وامان قائم کر دیا.

(فتوح البلدان. البلاذری ص ۳۹۵ مطبوعہ ۱۸۶۵ء بریل)

اب جہاد کی داستان بھی سن لیجئے. حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر بن کریز کو عراق پر گورنر مقرر کیا اور حکم دیا کہ ہندوستان کی طرف ایک سمندری مہم بھیجی جائے. ابن عامر نے حکیم بن جبلۃ العبدودی کی قیادت میں ایک دستہ بحری راستے سے ہندوستان روانہ کیا. وہ (سندھ کے مشرقی علاقے میں) گھوم پھر کر واپس آئے اور جو کچھ دیکھا تھا کہہ سنایا. ابن عامر نے انہیں ہدایت کی کہ تم حضرت عثمانؓ کے پاس جاؤ اور یہ سارے حالات انہیں سنا دو. چنانچہ حکیم بن جبلۃ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سندھ کے چشم دید حالات سناتے ہوئے کہا کہ "امیرالمومنین! میں نے اس علاقے کو گھوم پھر کر دیکھا وہاں پانی کی کمی ہے. پھل ناقص ہیں. رہزنوں کا زور ہے اگر فوج قلیل ہو تو تباہی کا اندیشہ ہے اور زیادہ ہو تو فاقوں سے مر جانے کا خطرہ ہے." یہ

سُن کر حضرت عثمانؓ نے اس علاقے پر حملہ کا خیال ترک کر دیا، مگر جب حضرت علیؓ امیر المومنین ہوئے تو ان کی حسب ہدایت ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے شروع میں حارث بن مرۃ العبدی نے ہندوستان (علاقۂ سندھ) پر حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔ اس جنگ میں اس قدر مالِ غنیمت ملا کہ صرف ایک دن میں ایک ہزار لونڈی غلام مجاہدین میں تقسیم کئے گئے۔ (فتوح البلدان ص۴۳۲ البلاذری مطبوعہ ۱۸۶۵ء بریل)

یہ اس علاقے میں پہلا جہاد اور اس میں پہلی فتح تھی جو حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں حاصل ہوئی۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت علیؓ کے حکم سے ایک اور بحری مہم ہندوستان روانہ ہوئی جس نے کوکن علاقہ بمبئی پر حملہ کر کے زبردست کامیابی حاصل کی۔ اسی طرح ایران اور آرمینیا کے بعض نو مسلم عیسائی سردار مرتد ہو کر باغی ہو گئے تھے (جس طرح حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں قبیلے کے قبیلے مرتد ہو گئے تھے) حضرت علیؓ نے لشکر بھیج کر ان پر پے در پے حملے کرائے اور سب کو مطیع و فرماں بردار بنایا۔

جن لوگوں نے تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ کا بیشتر وقت نظم و نسق کی اصلاح میں گذرا۔ سب سے پہلے آپ نے سرحدوں کی طرف توجہ فرمائی۔

اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مضبوط سرحدی چوکیاں قائم کیں جن میں اسلحۂ جنگ سے لیس فوجیں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ نے فارس کے علاقے میں بہت سے مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ ان میں سے اصطخر کا قلعہ خاص طور سے مشہور ہے (تاریخ کبیر صفحہ ۴۴۳) اس کے علاوہ آپ کے زمانے میں اور بھی بہت سی تعمیرات ہوئیں جن میں سے فرات کا پل فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھا۔

حضرت علیؓ نے ملکی انتظامات میں بعض جدید اصلاحات بھی کیں مثلاً آپؓ سے پہلے کسی خلیفہ کے زمانے میں جنگلات پر محصول عاید نہیں کیا گیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرمایا کہ جنگلات بھی آمدنی کا ایک ذریعہ ہیں اس لئے ان پر بھی محصول لگایا جائے۔ اس طرح اسلامی اسٹیٹ کی آمدنی میں بڑا اضافہ ہوا۔ مورخین نے اس سلسلے میں "برس" کے جنگل کا ذکر کیا ہے جس سے چار ہزار درہم مالگذاری بیت المال میں داخل ہوا کرتی تھی۔ (کتاب الخراج صفحہ)

حضرت علیؓ سے پہلے گھوڑوں پر زکوٰۃ لی جاتی تھی مگر آپ نے فرمایا کہ چونکہ گھوڑے سواری، بار برداری اور جنگی ضروریات کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اس لئے انہیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے تاکہ ان

کی افزائش نسل میں کمی نہ ہو۔ چنانچہ آپ کے حکم کے تحت گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیئے گئے (کتاب الخراج صفحہ ۴۶)

اسی طرح آپ نے جرم و سزا کے باب میں بھی بعض اصلاحات فرمائیں مثلاً آپ سے پہلے شرابی کو سزا تو دی جاتی تھی مگر اس کی حد مقرر نہیں تھی ہر حاکم یا قاضی حسب ضرورت کوڑوں کی تعداد مقرر کر دیتا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس جرم کی سزا کے طور پر اسی (۸۰) کوڑوں کی حد مقرر فرما دی۔

(کتاب الخراج صفحہ ۹۹)

حضرت علیؓ اس نکتے کو بخوبی سمجھتے تھے کہ جب تک گورنر اور اعلیٰ حکام کی اصلاح نہیں ہو گی۔ عوام کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور نہ حسنِ انتظام پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر آپ اپنے عمال کا بڑی سختی سے محاسبہ فرماتے اور انہیں جلد جلد فرمان بھیجتے رہتے۔ یہی نہیں بلکہ نیک صالح اور انتظامی امور کا تجربہ رکھنے والوں کو مختلف علاقوں میں متعین فرماتے اور انہیں ہدایت دیتے کہ لوگوں کے پاس پہونچ کر حالات کا جائزہ لو اور تفتیش و تحقیق کر کے مجھے رپورٹ کرو کہ ان علاقوں میں انتظامی صورت کیسی ہے اور عمال اپنے فرائض منصبی کو دیانت داری سے ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ تاریخ میں درج ہے کہ ایک دفعہ آپ نے مشہور صحابی حضرت کعبؓ ابن مالک کو حکم دیا کہ :-

"آپ قابل اعتبار لوگوں کی ایک جماعت لے کر عراق جائیے اور ہر ضلع میں جا کر عمال کے حالات اور طریق کار کی تحقیق کیجئے۔" (کتاب الخراج صکا ۱۶)

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف کے ممدوح اور ان کی نظر میں معتبر ترین مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ایک بیان بھی نقل کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حضرت شاہ صاحب کی نظر میں حضرت علیؓ کی حیثیت کیا تھی خصوصاً ان کے عہد خلافت کے متعلق وہ کیا رائے رکھتے تھے فرماتے ہیں کہ:۔

"معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھے علیؓ کی صفات بتاؤ۔ انہوں نے معذرت کی کہ مجھے اس خدمت سے معاف رکھئے۔ معاویہؓ بولے کہ تمہیں علیؓ کی صفات بیان کرنا پڑیں گی۔ اس پر ضرار نے بیان کیا کہ "خدا کی قسم وہ (حضرت علیؓ) بڑے صاحبِ قوت تھے۔ فیصلہ کرتے وقت عدل و انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے تھے ان کی زبان سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے۔ ان کے ہر عضو سے حکمت کا ظہور ہوتا تھا۔ وہ دنیا اور اس کی آسائشوں سے پرہیز کرتے تھے رات اور اس کی وحشت سے انہیں انس تھا (خوفِ خدا سے

بے حد روتے اور متفکر رہتے تھے۔ معمولی لباس اور معمولی کھانا
انہیں مرغوب تھا وہ ہم لوگوں کے ساتھ اس طرح زندگی گذارتے
تھے جیسے ایک معمولی آدمی دوسرے معمولی آدمی کے ساتھ وقت
گذارتا ہے۔ جب ہم ان سے کوئی بات دریافت کرتے تو وہ اس
کا جواب دینے میں تامل نہ فرماتے اور جب ہم چاہتے کہ وہ ہمارا
انتظار کریں تو انتظار کرتے۔ باوجودیکہ ہمیں ان کا اس قدر قرب
حاصل تھا مگر (ان کے رعب ودبدبہ کی وجہ سے) ہمیں ان
سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ وہ دینی لوگوں کا احترام کرتے
اور مساکین کو اپنا قرب عطا کرتے۔ زبردست (یہاں مراد ظالم ہے)
ان سے کسی اعانت کی امید نہ رکھتا اور کمزور ان کے انصاف
سے ناامید نہ ہوتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے کبھی کبھی ایسا بھی
دیکھا ہے کہ ہر طرف رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے ستارے جھلملا رہے
ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے اس طرح بے چین ہیں جیسے کسی کو
سانپ نے کاٹ لیا ہو اور گریہ وزاری کرتے ہوئے کہہ رہے
ہیں کہ اے دنیا کسی اور کو فریب دے .... میں تجھ کو تین طلاقیں
دے چکا اب رجعت ممکن نہیں، تیری عمر کم اور تو حقیر ہے۔ ہائے
زادِ راہ کم ہے، سفر طویل ہے۔ راستہ دہشتناک ہے۔" یہ سن کر

معاویہؓ رو پڑے اور کہا کہ خدا ابو الحسنؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے بخدا وہ ایسے ہی تھے۔ پھر معاویہؓ نے ضرار سے پوچھا کہ تمہیں ان کی وفات کا کس قدر غم ہے۔ ضرار نے کہا جتنا غم اس عورت کو ہوتا ہے جس کا پہلوٹھی کا بیٹا اس کی گود میں قتل کر دیا گیا ہو۔ (ازالۃ الخفا جلد دوم صـ۲۶۶)

یہ حضرت علیؓ کی شخصیت اور ان کے عہد کی صحیح تصویر یا ایک اجمالی خاکہ ہے جسے ہم نے نہایت اختصار سے پیش کیا ہے ورنہ اگر حضرت علیؓ کے سارے کارناموں ملکی انتظامات اور انتظامی اصلاحات کا تفصیلی بیان کیا جائے تو شاید کئی جلدوں میں بھی بمشکل ختم ہو۔ اس اجمالی بیان سے بھی چند باتیں پورے طور پر واضح ہو جاتی ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے معاصرین سے جتنی جنگیں لڑیں آپ نے سب میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی اور آپ کے تمام مخالف مقابلے سے عاجز آ گئے۔ آپ نے جملہ بغاوتوں کو فرو کیا، مرتدین سے جہاد کیا، سرحدوں کو محفوظ کیا۔ حملہ آوروں کو شکست دے کر خارج البلد کیا اور ساری سلطنت میں مکمل طور سے امن و امان قائم کر دیا۔ ملکی انتظامات میں متعدد اصلاحات فرمائیں۔ آپ کے عہد خلافت میں تجارت، زراعت، عدالت، تعلیم اور دیگر سارے شعبے حسب معمول کام کرتے رہے۔ ملازمین کو تنخواہیں باقاعدگی سے ادا ہوتی رہیں حتیٰ کہ شیر خوار بچوں کو بھی ان کے وظائف ملتے رہے لوگ ان سے

محبت کرنے مگران کے نام سے کانپتے بھی تھے گویا ایک کامیاب حکمراں میں جتنی صفات ہونی چاہئیں وہ سب حضرت علیؓ میں موجود تھیں حضرت علیؓ کی انہیں صفات اور آپ کے انہیں عظیم الشان کارناموں کو دیکھ کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ "حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں مقاصدِ خلافت پورے ہوگئے اور کوئی اخفا باقی نہیں رہا۔" (ازالۃ الخفا حصہ اول صفحہ) مگر "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف کو حضرت علیؓ کی ان صفات میں سے ایک صفت نظر نہیں آتی اور وہ اس خلیفۂ راشدؓ کے عہد کو بھیانک بنا کر دکھانے پر مصر ہیں کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ ان کتابوں سے بے خبر ہیں جن کے حوالوں سے ہم نے حضرت علیؓ کے عہد کی تصویر کھینچی ہے یقیناً ایسا نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر کتاب سے انہوں نے اپنی تالیف میں استفادہ کیا اور یہ کتابیں ایسی نہیں ہیں جن سے تاریخ کا کوئی طالب علم بے نیاز رہ سکے خصوصاً جب کہ ان میں سے کسی کتاب کا مولف یا مصنف "شیعہ" بھی نہیں ہے ان کی روایات کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اگر کوئی وجہ ہے تو صرف یہ کہ حضرت علیؓ کے عہد کی یہ تصویر دکھانے سے مولف کا مقصد فوت ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے امانت و دیانت کا خون کر دیا اور کذابینِ بنو امیہ کی وضع کردہ روایات یا خارجیوں کی مشہور کردہ حکایت قبول کر کے ایک طلسماتی محل تیار کر دیا جس کا حشر قارئین کے سامنے ہے۔

اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا بے محل نہ ہوگا اور وہ یہ کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت اور آپ کے اقدامات پر بحث و گفتگو کرتے ہوئے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ عام سیاست دانوں کی طرح موقع پرست نہ تھے کہ جو حصولِ مقصد کیلئے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ حضرت علیؓ کا مطمح نظر ہمیشہ یہ رہا کہ نظامِ حکومت کو خالصتہً اسلامی خطوط پر چلایا جائے خواہ اس میں کامیابی ہو یا ناکامی۔ انہوں نے امیر معاویہؓ کی طرح مسلمانوں کے خزانے کو نہ تو پانی کی طرح بہایا اور نہ کسی کو ایک درہم رشوت دی جب کہ امیر معاویہؓ سرداران قبائل کو رام کرنے کے لئے درہم و دینار بے دریغ لٹا رہے تھے۔ حضرت علیؓ کی کیفیت تو یہ تھی کہ وہ اپنے گورنروں اور تحصیل داروں سے ایک ایک درہم کا حساب لیتے تھے انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی عقیلؓ اور چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ تک کو معاف نہ کیا اور سختی سے باز پرس کی یہی وجہ ہے کہ دنیا پرست لوگ ان سے کتراتے اور دور بھاگتے تھے حضرت علیؓ نے اپنے دوستوں کے بعض ایسے مشوروں کو بھی ٹھکرا دیا جو دنیوی نقطۂ نگاہ سے بڑے قیمتی تھے مگر دینی نقطۂ نگاہ سے ان کا قبول کرنا سراسر غلط تھا کبھی کبھی اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ انہیں اپنے بعض دوستوں کی رفاقت سے محروم ہونا پڑا مگر انہوں نے یہ نقصان گوارا کر لیا لیکن اسلامی نظریۂ حکومت کی تقدیس پر آنچ نہ آنے دی۔

سب جانتے ہیں کہ عرب کے مشہور مدبر مغیرہؓ بن شعبہ ابتدا میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے مگر جب حضرت علیؓ نے ان کا ایک مشورہ قبول نہ کیا تو وہ انہیں چھوڑ کر امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے اور ابن خلدون کے مقدمے کے متعلق "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف نے بڑی اچھی رائے ظاہر کی ہے اور اس پر غیر معمولی اعتماد کا اظہار کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمۂ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار پر کھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے لتھیڑ ڈالا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اور نا اہل وخود ساختہ (مورخین) نے اس کو (تاریخ کو) باطل اور من گھڑت خرافات سے خلط ملط کر دیا۔ لغو اور بیہودہ باتیں اس میں بھر ڈالیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روائتیں ادھر ادھر سے لے کر اس میں شامل کر دیں۔" (خلافت معاویہ و یزید ص۳۷)

ظاہر ہے کہ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ کو خرافات اور لغو و بیہودہ باتوں سے پاک رکھا ہوگا اب دیکھئے وہ مغیرہ بن شعبہ والے واقعے کے متعلق کیا لکھتے ہیں:۔

"جب حضرت علیؓ کی بیعت خلافت ہوگئی اور آپ نے گورنروں کے

تقرر و برطرفی کے متعلق مغیرہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے رائے دی کہ جب تک سارا عالم اسلام آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرلے (یعنی آپ کی حکومت خوب مضبوط نہ ہو جائے) اس وقت تک معاویہؓ وغیرہ کو ان کے عہدوں سے برطرف نہ کیجئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک دنیوی سیاست کا تعلق ہے مغیرہ کی یہ رائے اس قابل تھی کہ اسے تسلیم کر لیا جاتا لیکن چونکہ یہ طریقہ کار دغابازی کا تھا جو اسلامی روح کے خلاف ہے اس لیے حضرت علیؓ نے یہ رائے تسلیم نہ کی دو ایک روز کے بعد مغیرہ پھر حضرت علیؓ سے ملنے آئے اور عرض کیا کل میں نے آپ کو جو رائے دی تھی جب بعد میں میں نے اس پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہونچا کہ خیر خواہی کے نقطۂ نگاہ سے وہ رائے درست نہ تھی وہی درست ہے جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم تم غلط کہہ رہے ہو میری خیر خواہی تو اسی میں تھی جو رائے تم نے کل دی تھی اور جو بات آج کہہ رہے ہو اس میں کھوٹ کی آمیزش ہے مگر مشکل یہ ہے کہ حق پسندی مجھے تمہاری (پہلی) رائے قبول کرنے سے منع کرتی ہے"۔ (مقدمہ ابن خلدون صـ۱۷۳)

اس سے حضرت علیؓ کی مراد یہ تھی کہ اگر میں معاویہؓ کو ان کے عہدے پر برقرار رکھتا ہوں تو گویا ان پر یہ ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے گورنر ہونے پر کوئی

اعتراض نہیں اور تمہارے طریق کار سے پورا اتفاق ہے اطمینان سے اپنے فرائض انجام دیتے رہو حالانکہ یہ باطن میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ انہیں معزول کر دوں گا اس میں دغابازی وحیلہ سازی ہے اور یہ پالیسی دورخی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص سیاسی معاملات میں اس قدر محتاط ہو اور جس کی روحانیت کا یہ عالم ہو مغیرہؓ یا معاویہؓ جیسے دنیا دار سیاست داں اس کا ساتھ کیسے دے سکتے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس اپنی دال گلتی نہ دیکھ کر مغیرہؓ ان سے الگ ہو کر معاویہؓ سے مل گئے اور معاویہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی مخالفت اسی لئے کی کہ وہ حضرت علیؓ کے طور طریقوں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ میری سیاسی بے اعتدالیوں کے لئے ان کے پاس کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کر کے سخت غلطی کی یا وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے کیوں معزول کر دیا؟ انہیں ابن خلدون کا مندرجہ بالا بیان آنکھیں کھول کر پڑھنا چاہیئے۔

قصہ امیر معاویہؓ کا

حضرت علیؓ کو آپ کے بلند ترین مرتبہ سے گرانے کی مذموم کوشش کے بعد مولف "خلافت معاویہ و یزید" نے جو دوسرا کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو ان کے مرتبے سے اتنا بڑھایا ہے کہ خلفائے

راشدین سے جاملایا ہے بلکہ ان سے بھی بڑھادیا ہے چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے کہ

"حضرت معاویہؓ سرداری میں حضرت عمرؓ سے بھی بڑھ کر تھے" (استغفر اللہ استغفر اللہ) ملاحظہ ہو ص ۳۳۹

پھر ص ۳۳۴ پر لکھتے ہیں کہ "حضرت معاویہؓ کی خلافت کو خلافت راشدہ کیوں نہ کہا جائے"

ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہیں تعصب بصارت اور بصیرت دونوں سے محروم کر دیتا ہے۔ ہمیں نہایت فراخ دلی سے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ حضرت معاویہؓ بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ وہ تدبر و سیاست کے اعتبار سے عرب کے گنتی کے افراد میں سے ایک ممتاز فرد تھے۔ وہ نہایت خلیق متواضع حلیم اور بردبار بھی تھے۔ ان کی جود و سخا کا مینہ بھی خوب برستا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ تمام اخلاقی عیوب یعنی کبیرہ گناہوں سے بھی پاک تھے۔ انہوں نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت تک اسلام کی قابل قدر خدمت انجام دی۔ یہ تاریخ کی ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی جاہل شخص کر سکتا ہے یا متعصب۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں بھی مطلق باک نہیں کہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو رول PLAY کیا وہ انکے شایانِ شان نہ تھا اور اس سے ملت اسلام کو سخت ضعف پہونچا۔ انہوں نے ایک ایسی شخصیت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جو اپنی فضیلتِ اسلام عظیم الشان کارناموں، زہد و تقویٰ علم و فضل اور مومنانہ

تدبر و فراست کے لحاظ سے ان سے بدرجہا اونچی اور ہر لحاظ سے خلافت کی مستحق تھی جس کی خلافت قائم ہو چکی تھی اور جس کے ہاتھ پر بقول حضرت سید عبدالقادر جیلانی مدینہ کے اکابر نے جن میں صحابہ بھی شامل تھے۔ بیعت کی تھی بلکہ سب سے پہلے ان صحابہؓ ہی نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت لینے کی درخواست کی تھی۔

حضرت معاویہؓ نے ایسے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی جو امام برحق تھا۔ اور شہادت تک سچا امام رہا" (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین صنہ ۱۹)

انہوں نے ایسے شخص کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس کی خلافت اہلِ شوکت کی بیعت سے قائم ہوئی تھی اور حضرت امام ابن تیمیہ کے بقول جس کی خلافت خلافتِ نبوت تھی۔ (ملاحظہ ہو منہاج السنتہ جلد دوم صنہ ۲۰۲)

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت معاویہؓ کے اس اقدام کے لئے کون سا جواز پیش کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہیں حضرت علیؓ سے خونِ عثمانؓ کے معاملے میں اختلاف تھا لیکن کیا یہ خون حضرت علیؓ نے کیا تھا؟ ایسا دعویٰ کبھی خود حضرت معاویہؓ نے بھی نہیں کیا وہ یہی کہتے تھے کہ پہلے آپ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لیجئے پھر ہم بیعت کریں گے لیکن قاتلوں سے انتقام لینے کا جو طریقہ حضرت معاویہؓ نے اختیار فرمایا تھا کیا اسے صحیح اسلامی اسپرٹ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ خلیفۂ وقت بلکہ خلیفۂ راشد

کے مقابلے میں فوجیں لیکر صف آرا ہونا. اس سے جنگ کرنا. ہزاروں مسلمانوں کا
خون بہانا. سیکڑوں عورتوں کو بیوہ اور ہزاروں بچوں کو یتیم کردینا. واقعہ تحکیم کے
بعد بھی خلیفہ کے مقبوضات پر حملے کرا کر خلقِ خدا کو تہ تیغ کرنا اور اس کی اسلامی
حکومت کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا کیا انتقام لینے کا یہی طریقہ ہے ؟ اگر
حضرت معاویہؓ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؓ مفسدوں کے تسلط میں ہیں تو
کیا اپنی پوری طاقت کے ساتھ جو انہیں حاصل تھی حضرت علیؓ کے
ساتھ مل کر وہ قاتلوں سے انتقام نہیں لے سکتے تھے ؟ کیا اس میں
ساری امت کی بہتری نہ تھی کہ وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان
کی بیعت کرتے اور پھر ان سے کہتے کہ امیر المومنین! عثمانؓ بے گناہ اور
مظلومانہ طور پر شہید کئے گئے ہیں میں آپ کے ساتھ ہوں چلئے ہم دونوں
مل کر ان کے قاتلوں کو ان کے کیفر کردار تک پہونچائیں. یقیناً اس متحدہ قوت
کے مقابلے میں مفسدوں اور قاتلوں کی حیثیت ہی کیا تھی. چند دنوں میں
سارے معاملات درست ہو جاتے اور امت اس نفاق و افتراق سے بھی
بچ جاتی جس کا آج تک شکار ہے اور وہ خون ریزیاں بھی نہ ہوتیں جو اسی
واقعہ کا ردِ عمل تھیں لیکن یہ تو اسی صورت میں ممکن تھا جب حضرت معاویہؓ کے
پیش نظر خونِ عثمانؓ ہوتا. وہ تو اس پردے میں سلطنت و امارت حاصل کرنا
چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے ہر چیز داؤ پر لگا دی. تاریخ سے

پوری طرح ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ میں نسلی عصبیت موجود تھی اور وہ بنوامیہ و بنوہاشم کی پرانی رقابت کو فراموش نہ کر سکے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف ہمارے اس دعوے پر یقین نہیں کریں گے لیکن ہم طے کر چکے ہیں کہ انہیں یقین دلا کر رہیں گے اور بطور گواہ اس بزرگ شخصیت کو پیش کریں گے جس کی بات رد کرنا ان کے بس سے باہر ہے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ جن کی کتاب کی عبارتوں کو کتر بیونت کر کے انہوں نے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا ہے اور اس کتاب پر غیر معمولی اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک روز کا ذکر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے مدینہ کی ایک گلی میں سے گذر رہے تھے آبادی سے نکل کر ہم ایک باغ میں پہونچے (اس باغ کو دیکھ کر) میں نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا اچھا باغ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں جنت میں اس سے اچھا باغ ملے گا۔ اس کے بعد ہم دوسرے باغ میں پہونچے (اسے دیکھ کر بھی) میں نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ یہ باغ کیسا اچھا ہے۔ حضورؐ نے (پھر) فرمایا کہ تمہیں جنت میں اس سے بھی اچھا باغ ملے گا۔ اس کے بعد ہم دونوں تیسرے باغ میں گئے۔ میں نے کہا کہ یارسول اللہ یہ باغ کیسا اچھا ہے

(پھر) حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں جنت میں اس سے بھی اچھا باغ ملے گا۔
حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم سات باغوں میں گئے اور
ان سب کو دیکھ کر میں یہی کہتا رہا کہ یہ کیسا اچھا باغ ہے اور حضور
(ہر بار) یہی فرماتے رہے کہ جنت میں تمہیں اس سے بھی اچھا باغ
ملے گا۔ یہاں تک کہ راستہ میں ایک جگہ ہم دونوں تنہا رہ گئے
تب آپ مجھ سے بغلگیر ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے۔ میں
نے کہا یا رسول اللہ آپ گریہ کیوں فرما رہے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ
اُن عداوتوں کے باعث جو بعض لوگ اپنے دلوں میں چھپائے
ہوئے ہیں اور میری وفات کے بعد ان عداوتوں کو تم سے نکالیں گے
میں نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ کیا اس میں میرے دین کے لئے
سلامتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں سلامتی رہے گی۔"

(ازالۃ الخفا حصہ اول ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع صدیقی)

ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجے پر پہونچے گا کہ رسول اللہ کے
اس ارشاد میں اشارہ تھا ان ہنگاموں کی طرف جو حضرت علیؓ کی خلافت کو
درہم برہم کرنے کے لئے حضرت معاویہؓ نے برپا کئے۔ صرف اس ایک
حدیث سے حضرت معاویہؓ کے اس کردار پر پوری طرح روشنی پڑ جاتی ہے
جو انہوں نے حضرت علیؓ کے زمانے میں ادا کیا اور اسی حدیث سے ہمارے

اس دعوے کی تائید ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے خونِ عثمانؓ کا نعرہ صرف اور صرف حضرت علیؓ کی خلافت کو ناکام بنانے کے لئے لگایا تھا، مقصد یہ تھا کہ خلافت بنو ہاشم سے نکل کر بنو امیہ کے پاس آجائے اور پھر اسے وہ اپنے خاندان کے لئے محفوظ کر جائیں۔ یزید کو جانشین بنانا اسی سلسلے کی کڑی تھی یہ امر کہ حضرت معاویہ نے خون عثمانؓ کا نعرہ محض حصولِ اقتدار کے لئے لگایا تھا ان کی ایک تقریر سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے اور یہ تقریر بھی ایک بڑے مورخ نے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف بھی اس مورخ کی ثقاہت کے معترف ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب میں پانچ جگہ اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں اور کسی ایک جگہ بھی اس کتاب کی مذمت یا تنقیص میں ایک لفظ نہیں لکھا اس کتاب کے مصنف حضرت امام ابن عبدربہ الاندلسیؒ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"جب حضرت معاویہؓ تمام عالم اسلام کے حکمران بن گئے تو وہ ایک بار مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ کے دورانِ قیام میں وہ حضرت عثمانؓ کے گھر بھی گئے انہیں دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی صاحبزادی عائشہؓ "ہائے اباجان! ہائے اباجان" کہہ کر رونے لگیں انہیں روتا دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اے میری بھتیجی لوگ ہمارے مطیع ہو گئے ہیں اور ہم نے انہیں امان دے دی ہے۔ ہم

نے ان پر اپنا حلم ظاہر کیا ہے جس کے نیچے غصہ بھی پوشیدہ ہے اور انہوں نے ہماری اعانت کی ہے لیکن اس کے نیچے آگ چھپی ہوئی ہے ہر آدمی کے پاس تلوار ہے اگر ہم نے عہد شکنی کی تو وہ بھی عہد شکنی کریں گے۔" (یعنی تلوار لے کر مقابلے میں آجائیں گے)

(العقد الفرید جزء ثالث ص ۱۲۶ مطبوعہ مصر)

اس تقریر سے دو امر ثابت ہو جاتے ہیں ایک تو یہ کہ مسلمانوں نے حضرت معاویہؓ کی بیعت خوش دلی سے نہیں کی تھی بلکہ مجبوراً کی تھی ان کی تقریر کے یہ الفاظ اس کا ثبوت ہیں کہ "لوگوں نے ہماری اعانت کی ہے لیکن اس کے نیچے آگ چھپی ہوئی ہے۔" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی خلافت کی حیثیت کیا تھی؟ اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ خون عثمانؓ کا انتقام لینے پر ملک کے امن و امان کو ترجیح دیتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے قاتلین عثمانؓ کی گرفت کی تو وہ بھی تلواریں لے کر میدان میں آجائیں گے خط کشیدہ الفاظ اس کا ثبوت ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر انہوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کیوں کی اور کیوں ان کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ حضرت علیؓ بھی تو یہی کہتے تھے کہ اصل مسئلہ قیام امن کا ہے اور ایک شخص کے انتقام کے لئے ہزاروں آدمیوں کو قتل کر کے ملک میں خوں ریزی کی دعوت عام دینا عقل مندی کے خلاف ہے مگر حضرت معاویہؓ ان کی

اس دلیل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے لیکن جب وہ خود حکمراں ہوئے تو انہوں نے بھی وہی کیا جو حضرت علیؓ کہتے تھے ۔کیا اس سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ خونِ عثمانؓ کا نعرہ تو محض بہانہ تھا حضرت معاویہؓ کا مطلب حصولِ اقتدار کے سوائے اور کچھ نہ تھا کیونکہ اگر وہ اپنے دعوے میں مخلص ہوتے تو حضرت عثمانؓ کی بیٹی کو وہ جواب نہ دیتے جو سطور بالا میں درج کیا گیا ہے بلکہ پھر تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ " اے میری بھتیجی اطمینان رکھو جب تک ایک ایک قاتل عثمانؓ کو ٹھکانے نہیں لگا دوں گا چین نہیں لوں گا" اور اگر کوئی کہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے تو ایک ایک کو چن چن کر قتل کیا جا چکا تھا ۔باقی ہی کوئی نہیں رہا تھا تو انتقام کس سے لیا جاتا تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت معاویہؓ ضرور اس کا ذکر کرتے اور حضرت عثمانؓ کی بیٹی سے کہتے کہ " اے میری بھتیجی ! میں نے تو تمہارے باپ کے ایک ایک قاتل کو ٹھکانے لگا دیا" مگر انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ اگر ہم نے انتقام لیا تو لوگ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ قاتلین عثمانؓ موجود تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی گرفت کرنے سے قاصر تھے اور قاصر اس لئے تھے کہ لوگوں کے باغی ہو جانے کا خوف تھا ۔افسوس کہ بعض مصلحتوں کی بنا پر ہم حضرت معاویہؓ کے کردار کے اس حصے پر جو انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف ادا کیا اس سے زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں

کر سکتے اور چند ضروری باتیں عرض کر کے اس قصے کو تمام کرتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کی زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلا دور ان کے قبولِ اسلام کے زمانے سے شروع ہو کر شہادتِ عثمانؓ تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا شہادت عثمانؓ سے حضرت امام حسنؓ کی دست برداری تک اور تیسرا دور حضرت امام حسنؓ کی دست برداری سے لے کر حضرت معاویہؓ کی وفات تک۔ ان ادوار میں سے پہلے دور میں حضرت امیر معاویہؓ نے اسلام کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ دوسرے دور میں انہوں نے خلیفۃ الرسول اللہ کے خلاف بغاوت کر کے اسلام کو شدید ضعف پہونچایا۔ تیسرے دور میں انہوں نے جو کچھ کیا اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ان امور سے تعلق رکھتا ہے جو انہوں نے سلطنت کے استحکام کے سلسلے میں انجام دیئے اور اس لحاظ سے ان کا شمار ذیل کے چند اونچے درجے کے سیاست دانوں، مدبروں اور منتظموں میں ہوتا ہے لیکن اس کا دوسرا حصہ بے حد قابلِ اعتراض ہے۔ حضرت امام حسنؓ جیسی امن پسند اور بزرگ شخصیت پر لشکر کشی کر کے انہیں خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کرنا اور یزید جیسے اوباش شخص کو قطعاً غیر اسلامی طریقے سے امت کے سر پر مسلط کرنا یہ دونوں امور حضرت معاویہؓ کے دامنِ سیاست کو داغدار کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

حضرت امام حسنؓ کی دست برداری کے سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں جو خیال ظاہر کیا ہے وہ ذیل میں ہم بغیر کسی تبصرے کے درج کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

"معاویہؓ اور امام حسنؓ کے مابین جو صلح ہوئی وہ مکر و فساد پر مبنی تھی"

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۶ جز ثانی مطبوعہ مصر)

حضرت شاہ صاحب کے خط کشیدہ الفاظ نے وہ پردہ بھی چاک کر دیا جو امیر معاویہؓ کی "خطائے اجتہادی" کہہ کر آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ اب صاف معلوم ہو گیا کہ یہ خطا تھی مگر خطائے اجتہادی نہ تھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو خلافت کا استحقاق تو حاصل نہیں تھا مگر ان میں خلافت کی ساری خصوصیات پائی جاتی تھیں اور ان سے مقصدِ خلافت بھی پورے ہوئے اس لئے ان کی خلافت بھی اسلامی خلافت ہی کی ایک قسم ہے یہ دلیل ان لوگوں کے دماغ کی اختراع ہے جو امیر معاویہؓ کے غلط اقدامات کے لیے جواز تک تلاش کرنے اور ان کے دامن کے داغوں کو دھونے کا ٹھیکہ لے چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کے بے انصاف مخالفوں نے انہیں طرح طرح سے بدنام کرنے اور ان کے کردار کو داغدار کرنے کے لئے بے سروپا روایات اور اختراعات کا انبار لگا دیا اسی طرح ان کے بعض مداحوں نے ان کی تعریف میں جھوٹی حدیثیں وضع کیں ان وضعی حدیثوں کو دیکھ کر اہل سنت کے مشہور امام حضرت مولانا جلال الدین سیوطی

رحمۃ اللہ علیہ کو لکھنا پڑا کہ:-

"ان (امیر معاویہؓ) کے فضائل میں بہت سی حدیثیں بیان کی گئی ہیں مگر ان میں سے بہت کم ثابت ہوتی ہیں" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ ...)

اور امام سیوطیؒ کے بعد کے مورخوں نے ان "بہت کم حدیثوں" کو بھی نقد و درایت کی کسوٹی پر پرکھ کر باطل ثابت کر دیا۔

بہرحال جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امیر معاویہؓ کو استحقاق خلافت تو نہ تھا مگر ان میں خلافت کی ساری خصوصیات و شرائط پائی جاتی تھیں۔ اس لئے ان کی خلافت بھی اسلامی خلافت کی ایک قسم ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ کی ذات میں وہ تمام خصوصیات موجود نہیں تھیں جو کہ ایک خلیفہ میں ہونی چاہئیں اور کیا اگر وہ حضرت ابوبکرؓ کے خلاف (معاذ اللہ) بغاوت کر کے مسند خلافت پر قابض ہو جاتے تو مقاصد خلافت کو کمال خوش اسلوبی سے پورا نہ کر دیتے؟ پھر کیا صرف اس لئے کہ حضرت عمرؓ کی ذات میں خصوصیات و شرائط خلافت موجود تھیں وہ نظم و نسق کو چلا سکتے تھے اور کافروں سے جہاد کر کے دین کی سطوت و شوکت قائم کر سکتے تھے انہیں حضرت ابوبکرؓ کے خلاف بغاوت کرنے کا حق حاصل تھا؟ اور کیا ان کے اس اقدام کو مستحسن قرار دیا جا سکتا تھا؟ ہم حیران ہیں کہ اس قسم کے

پوچ اور لچر دلائل دینے والوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ایسی طفلانہ باتیں سن کر لوگ ان کا مضحکہ اڑائیں گے۔

بہرحال ہمارے مندرجہ بالا بیان سے جس میں ہم نے اختصار اور مصلحت دونوں کو مدنظر رکھا ہے چند باتیں ثابت ہو جاتی ہیں۔

(۱) حضرت معاویہؓ خلافت کے حریص تھے۔

(۲) انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت حصولِ اقتدار کے لئے کی تھی۔

(۳) خونِ عثمان کا نعرہ محض مطلب برآری کے لئے تھا۔

(۴) انہوں نے خلیفہ رسولؐ کے خلاف بغاوت کر کے اسلام کو شدید ضعف پہونچایا۔

(۵) ان کے دل میں بنو ہاشم کے خلاف کینہ موجود تھا۔

(۶) انہوں نے حضرت امام حسنؓ پر لشکر کشی کر کے خلافت راشدہ کی برکات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

(۷) یزید کو خلیفہ بنا کر انہوں نے اسلامی جمہوریت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھول دیا جو آج تک بند نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال زار پر رحم فرمائے اس سے زیادہ ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

فتنۂ یزید

"خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف نے اپنی کتاب میں سب سے زیادہ زور یزید کے متعلق ابواب سپرد قلم کرتے ہوئے صرف کیا ہے اور دنیا کی بزرگ ترین شخصیتوں میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ سب اس مردود و مقہور شخص کی ذات سے وابستہ کر دی ہیں۔ کردار خلیفہ کے عنوان سے صـ۴۰ سے صـ۶۰ تک سارا بیان یزید کے زہد و تقویٰ، اس کی دین داری اور خوف خدا سے متعلق ہے۔ اسی طرح "امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی و ذاتی حالات" کے عنوان سے ایک علیحدہ باب جو صـ۲۷۳ سے صـ۳۳۰ تک پھیلا ہوا ہے تاریخ اسلام کے اسی بدترین حکمران کے "فضائل و مناقب" پر مشتمل ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے جب کسی شخص پر سیکڑوں سال تک لعنت بھیجی جائے اور ہر طرف سے اس پر پھٹکار پڑے تو اس کے کچھ نہ کچھ ہمدرد پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ یورپ میں بھی اس قسم کی کوششیں ہو چکی ہیں اور ایک مغربی مورخ لامنس نے یزید کے نام سے پوری کتاب لکھ ماری ہے جو اسی قسم کی خرافات و لغویات کا مجموعہ ہے جن سے "خلافت معاویہ و یزید" بھری پڑی ہے۔ مولف نے یزید کی شخصیت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اوّل اس کی بیعت خلافت۔ دوم اس کا کردار۔ یزید کی بیعت کے سلسلے میں اس نے بڑے اصرار کے ساتھ لکھا ہے کہ ساری

امت نے لسے برضا و رغبت جانشین معاویؓہ تسلیم کیا تھا اور اس فیصلے کو صحابہ کرام کی پوری تائید حاصل تھی۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۰)

ہم نے بھی اسی کتاب میں جہاں واقعہ کربلا کا پس منظر بیان کیا ہے خاصی تفصیل سے بتایا ہے کہ یزید کو سوائے بنو امیہ کے اور کسی نے برضا و رغبت خلیفہ یا امیر تسلیم نہیں کیا اور اہل حجاز نے اس کے تقرر کی سخت مخالفت کی۔ اس کی بیعت جبر و تشدد سے کرائی گئی یا لالچ اور رشوت کے بل بوتے پر۔ اس لئے ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے اس امر کا خیال رکھیں گے کہ گفتگو میں تکرار نہ ہونے پائے اور حوالے شیعی کتب کے نہیں بلکہ حنفی العقیدہ مورخوں کی تاریخوں سے پیش کریں گے۔

بیعت یزید کی حقیقت

مشہور مورخ ابن اثیر یزید کی ولی عہدی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"زیاد نے عبید بن کعب نمیری کو بلایا اور اس سے کہا کہ ہر مشورہ لینے والے کا کوئی نہ کوئی قابل اعتماد ساتھی ہوتا ہے اور ہر راز کا ایک امین۔ لوگوں میں دو عادتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو راز کا فاش کر دینا اور دوسرے ایسے شخص کو نصیحت کرنا جو اس کا اہل نہ ہو۔

محرم راز ہونے کے اہل دو شخص ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو صرف آخرت پر نگاہ رکھتا ہو اور دوسرا وہ جو دنیوی شرف، وجاہت ظاہری اور عقل و فہم سے بہرہ مند ہو۔ تم میں یہ سب خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ میں تم سے ایک ایسے راز میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں جو ابھی تک سربستہ ہے اور وہ یہ کہ امیر (معاویہؓ) نے مجھے خط لکھ کر یزید کی ولی عہدی کے بارے میں مشورہ طلب کیا ہے (ان کی کیفیت یہ ہے کہ) وہ (ایک طرف تو) اس امر سے خوفزدہ ہیں کہ لوگ یزید سے نفرت کرتے ہیں۔ اور (دوسری طرف) یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگ اس معاملے (یزید کی جانشینی تسلیم کرنے میں) ان کے احکام کی تعمیل کریں لیکن مجھے مسلمانوں کا اس فیصلے سے اتفاق کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ یزید ایک آوارہ منش اور بے ہودہ بدزبانت اور نااہل شخص ہے۔ میرے خیال میں تم امیر المومنین (معاویہؓ) کے پاس جاؤ اور انہیں یزید کی ان حرکات سے مطلع کرنے کے بعد صاف الفاظ میں کہدو کہ یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔" (الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۲۵۲)

حنفی المسلک مورخ کے اس بیان سے کئی باتیں ثابت ہوگئیں۔

اول یہ کہ امیر معاویہؓ کے رفقا اور ان کے گورنروں میں سے بھی بعض لوگ یزید کو جانشین بنانے کے معاملے میں ان سے کھلا کھلا اختلاف رکھتے تھے۔

دوم یہ کہ لوگ یزید سے متنفر تھے اور اسے نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے۔

سوم یہ کہ یزید میں آوارگی، بے ہودگی، بدزبانی اور نااہلی کی صفات پائی جاتی تھیں۔

ابن اثیر ہی کا بیان ہے کہ اس گفتگو کے بعد زیاد نے حضرت معاویہؓ کو ایک خط لکھ کر انہیں ان کے ارادے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ معاویہؓ بھی ہوشیار آدمی تھے اور زیاد کی طاقت سے خوب واقف تھے۔ جانتے تھے کہ جب اتنی بڑی شخصیت اس معاملے میں مجھ سے اختلاف رکھتی ہے تو یہ کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکتا۔ چنانچہ جب تک زیاد زندہ رہا معاویہؓ نے یزید کو جانشین بنانے کا نام بھی نہ لیا مگر کچھ عرصے بعد جب زیاد کا انتقال ہوگیا تو امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا جانشین بنانے کی مہم بھی شروع کر دی۔ (ملاحظہ ہو الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۲۵۲)

اس ولی عہدی کے لئے امیر معاویہؓ نے کیا کیا پاپڑ بیلے اور کس کس طرح لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوششیں کیں، اس کا بیان بھی ابن اثیر

ہی کی زبانی سنیئے :-

(امیر معاویہؓ نے) پہلے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس نذر کے طور پر ایک ہزار درہم بھیجے جنہیں ابن عمرؓ نے قبول کر لیا اسکے بعد انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ یزید کے ہاتھ پر جانشینی کی بیعت کر لیجئے۔ یہ سن کر ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں اپنا دین دنیا کے بدلے میں کبھی فروخت نہ کروں گا۔ کیا معاویہؓ ایک ہزار درہم کے عوض میرا دین خریدنا چاہتے ہیں؟ یہ کہا اور درہم امیر معاویہؓ کو واپس بھیج دیئے اور بیعت یزید سے انکار کر دیا۔

(الکامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۲۵۲)

پھر یہی ابن اثیر لکھتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے گورنروں کے نام فرمان بھیجا کہ تم اپنے اپنے علاقوں میں یزید کی مدح و توصیف بیان کرو اور لوگوں کے وفود میرے پاس بھیجو جو یزید کی جانشینی کی درخواستیں میرے سامنے پیش کریں۔ (الکامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۲۵۲)

امیر معاویہؓ کے اس فرمان کی تعمیل میں اطراف و جوانب سے وفود پر وفود آنا شروع ہو گئے۔ امیر معاویہؓ نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں ان وفود نے پہلے سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق یزید کو جانشین بنائے جانے کے متعلق تقریریں کیں لیکن اس اجتماع میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کا

ضمیر مردہ نہیں ہوا تھا۔ احنف بن قیس ایسے ہی با ضمیر لوگوں میں سے تھے چنانچہ جب اراکینِ وفود تقریریں کر چکے تو امیر معاویہؓ نے احنف بن قیس سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ بھی اپنی رائے ظاہر کیجئے۔ احنف نے ٹھیٹ نپے تلے الفاظ میں امیر معاویہؓ کے اس اقدام سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ :-

اگر میں تمہاری بات کی تردید کروں تو تم سے خوف آتا ہے اور اگر اس کی تائید کروں تو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہوں۔ اے امیر المومنین تم یزید کے افعال و کردار کو خوب جانتے ہو اگر تمہارے خیال میں یزید کو جانشین بنانے میں امتِ محمدیہؐ کی بہتری ہے تو لوگوں سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت اور اگر تم اس کے خلاف رائے رکھتے ہو تو دنیا کے مقابلے میں عقبیٰ کی فکر کرو کیوں کہ اب تمہارے کوچ کا وقت قریب آچکا ہے۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے ہم تو اپنا فرض یہی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ تم کہو اس کی تائید کئے جائیں۔ (الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۲۵۳)

ان اقتباسات سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں :-

(۱) امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا جانشین بنانے کے سلسلے میں ہر قسم کی ترغیب و تحریص کو روا رکھا حتیٰ کہ رسول اللہ کے بزرگ صحابہ کو رشوتیں دینے

تک سے گریز نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

(۲) اس دور کے اکابر جن میں صحابہ اور غیر صحابہ حتیٰ کہ امیر معاویہؓ کے بعض دست راست بھی شامل تھے یزید کی جانشینی کو امت کے لیے بہت بڑا فتنہ سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ زیاد، عبید بن کعب نمیری اور احنف بن قیس وغیرہم ایسے ہی لوگوں میں سے تھے[1]

(۳) یزید کی جانشینی کے لیے امیر معاویہؓ نے اپنے گورنروں سے سازش کی تھی اور انہیں پوشیدہ طور پر خطوط لکھ کر خواہش ظاہر کی تھی کہ تم اپنے اپنے علاقوں کے لوگوں کو تحریک کر کے وفود بھیجو جو میرے سامنے حاضر ہو کر یزید کو جانشین مقرر کرنے کی درخواستیں پیش کریں۔

"ہم خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف سے سوال کرتے ہیں کہ جس شخص کو ان ہتھکنڈوں سے امیر بنایا گیا ہو اس کی خلافت، خلافت اسلامیہ ہو سکتی

---

[1] یہ نام ابن اثیر کے ان اقتباسات سے تعلق رکھتے ہیں جن کا حوالہ سطور بالا میں دیا جا چکا ہے چونکہ اس وقت ابن اثیر کے اقتباسات زیر بحث ہیں اس لئے انہیں ناموں پر اکتفا کی گئی ہے ورنہ ہم اسی کتاب کے باب "واقعہ کربلا کا پس منظر اور یزید بن معاویہ" میں ان تمام اکابر کا تذکرہ کر چکے ہیں جنہوں نے امیر معاویہؓ کے اس اقدام کی صریحاً مخالفت کی تھی۔ (مولف)

ہے ؟ اور کیا امیر معاویہؓ نے یہ سارے پاپڑ خلافت کو موروثی بنانے کے لئے نہیں بیلے ؟ کیا خلفائے راشدین کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے یا پوتے کو خلیفہ بنانے کے لئے درہم و دینار کی بارش کی ہو یا ان میں سے کسی نے گورنروں کو لکھا ہو کہ تم میرے بیٹے کے لئے اپنے اپنے علاقوں میں پروپیگنڈا کرو ؟ حقیقی خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جس پر از خود لوگوں کی نگاہ انتخاب پڑے اور وہ اسے اپنا امیر بنانے کے لئے بے چین ہوں نہ کہ وہ جس کے لئے باقاعدہ مہم چلائی جائے اور لوگوں کو رشوتیں دی جائیں یا تلواروں کے سائے میں اس کی بیعت کرائی جائے ۔ لیکن "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف کو ان باتوں سے کوئی غرض نہیں انہیں تو اپنے کام سے کام ہے اور اس کے لئے انہوں نے جگہ جگہ امانت و دیانت تک کا خون کر دیا ۔ ان کی بد دیانتی کی بعض مثالیں گذشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں بیعت یزید کے معاملے میں انہوں نے جو بد دیانتیاں کی ہیں ان کی بھی ایک مثال دیکھتے چلیے :۔

دھاندلی کی بدترین مثال

مولف نے اپنی کتاب میں ابن کثیر کی تاریخ "البدایہ والنہایۃ" پر غیر معمولی انحصار و اعتماد کیا ہے اور ان کی کتاب اسی کتاب کے حوالوں سے بھری پڑی ہے چنانچہ بیعت یزید کے سلسلے میں بھی انہوں نے سب سے زیادہ

فائدہ اسی کتاب سے اٹھایا ہے لیکن کمال یہ کیا ہے کہ ابن کثیر کی کتاب کی عبارتوں میں حسب مطلب کتر بیونت کر کے اس کا مفہوم ہی بدل دیا ہے اور اس طرح قارئین کو گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :۔

"عالم اسلامی کے ہر ہر علاقے میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود تاکیدِ بیعت کے لئے امیر یزید کے پاس حاضر ہوئے تھے"

(ص۸۰ جلد۸ البدایہ والنہایہ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید ص۴۸)

اس عبارت کے ذریعہ مؤلف قارئین کو یقین دلاتا ہے کہ ابن کثیر کے بقول سارے عالم اسلام سے وفود آئے اور انہوں نے بلا کسی جبر و اکراہ کے بہ طیبِ خاطر یزید کی بیعت کی۔ لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کے مولف نے ابن کثیر کی عبارت کا ایک حصہ چھوڑ دیا جو اس کے مقصد کے خلاف جا رہا تھا اور دوسرا حصہ لے لیا جس سے اس کی مطلب برآری ہو رہی تھی۔ اب ابن کثیر کی پوری روایت ملاحظہ فرمائیے۔

وہ لکھتا ہے کہ :۔

"اس کے بعد امیر معاویہؓ نے تقریر کی اور یہ افراد موجود تھے عوام

نے یزید کی بیعت کر لی اور یہ لوگ بیٹھے رہے انہوں نے نہ مخالفت میں آواز بلند کی اور نہ اس کی تائید کی کیونکہ ان کو دھمکی دی گئی تھی اس طرح یزید کی بیعت ہو گئی "۔ (البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صنن)

یہ تھی پوری روایت جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس اجتماع میں بعض برگزیدہ لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ مگر اس کے خلاف آواز بھی نہیں اٹھائی کیونکہ انہیں دھمکی دی گئی تھی اور انہیں اپنی جان کا خوف تھا لیکن اگر مولف یہ ساری روایت نقل کر دیتا تو یزید کی خلافت خلافتِ حقہ کیسے ثابت ہوتی اور امیر معاویہؓ کے اس اقدام کے لئے جواز کیسے نکلتا۔

یزید کا کردار

جہاں تک یزید کے کردار کا تعلق ہے ہم اپنی کتاب کے باب "یزید بن معاویہؓ" میں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں اور صرف اسی باب کے مندرجات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ "خلافتِ معاویہؓ ویزید" کے مؤلف نے یزید کو زہادِ امت میں شمار کر کے کس طرح تاریخ کا منہ چڑایا ہے۔ ذیل میں چند ایسے حوالے پیش کئے جاتے ہیں جنہیں ہم نے مذکرہ باب میں درج نہیں کیا لیکن قبل اس سے کہ ہم وہ حوالے درج کریں "خلافتِ معاویہؓ ویزید" سے بعض ایسے اقتباسات نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں

جن میں مولف نے یزید کو امت کا بزرگ، نیک دل، کریم النفس اور جانے کیا کیا کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد بن الحنفیہؓ کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ:-

"میں اُن کے (یزید کے) پاس گیا ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں ان کو نماز کی پابندی کرنے والا نیک کاموں میں سرگرم۔ مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والا پایا ہے"

(خلافت معاویہ و یزید صہ۳۴)

پھر لکھتے ہیں کہ:-

"امیر یزید کبار تابعین میں تھے۔ اپنے والد ماجد کے علاوہ بعض اجلہ صحابہ سے فیض صحبت اٹھایا یعنی حضرت وحیہ الکلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی ہونے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بھی رہے تھے اور ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح بھی کیا تھا اور وہ امیر یزید کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے تھے نیز حضرت ابو الدرداء اور حب رسول حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابہ کرام سے استفادہ کیا۔"

(خلافت معاویہ و یزید صہ۴۲)

اور سنئے:-

"علم وفضل تقویٰ و پرہیزگاری پابندی صوم وصلوٰۃ کے ساتھ ساتھ امیر یزید حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے۔"

(خلافت معاویہؓ و یزید ص۴۹)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

"حکمرانی و فرماں روائی سے مطلب و مقصد امیر یزید کے نزدیک خدمتِ خلق تھا اور اس خدمتِ خلق کا آئیڈیل اور مطمحِ نظر امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عادلانہ و صالح حکومت و سیاست تھی۔" (خلافت معاویہؓ و یزید ص۵۰)

اب ایسی مزید بغو روایات کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی مقصد صرف یہ تھا کہ ہم اپنے دلائل پیش کرنے سے پہلے مولفِ "خلافت معاویہؓ و یزید" کا دعویٰ بھی پیش کر دیں تاکہ معاملے کے دونوں رخ سامنے آجائیں اور فیصلہ کرنے والوں کو آسانی ہو۔

مولف نے اس قسم کے حوالے درج کرتے ہوئے ابن خلدون، ابن کثیر اور امام ابن تیمیہؒ کا سہارا لیا ہے اس لئے لازم آیا کہ سب سے پہلے ہم انہیں مورخوں کی کتابوں سے مولف کے دعووں کا پول کھولیں اور ثابت کریں کہ اس نے ان مورخوں کے ناموں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں ان کی کتابوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے سب جانتے ہیں کہ

یہ تینوں بزرگ حنفی المسلک مورخ تھے اور ان میں سے بعض نے اپنی کتابوں میں خلفائے ثلاثہ سے بیزاری کا اظہار کرنے والے گروہ کے عقائد و نظریات پر تنقید کی ہے اور ان کے نظریات کو باطل ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں الزامی جوابات بھی دیئے ہیں اور بعض جگہ دوسروں کے بیانات بھی درج کئے ہیں۔ "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف نے ان بزرگوں کی کتابوں کے انہیں مقامات سے فائدہ اٹھایا ہے اور ان مقامات کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ جہاں انہوں نے تاریخ کی روشنی میں اپنی آراء پیش کی ہیں مثال کے طور پر منہاج السنۃ کی جلد چہارم میں ایک مقام پر حضرت امام ابن تیمیہؒ خلفائے ثلاثہ پر اعتراض کرنے والوں کے دلائل کا الزامی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حضرت علیؓ خلفائے راشدین میں سے تھے جنکی خلافت خلافتِ نبوت ہے لیکن اگر کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر جرح کرے گا اور اگر یہ جرح صحیح ثابت ہو گی تو سب سے زیادہ اس شخص کے حق میں ثابت ہو گی جس نے خلافت کے لئے تلوار اٹھائی"

(یعنی حضرت علیؓ)

اب اگر کوئی شخص اس عبارت کا (جس کا یہ ملخص ہے) پہلا حصہ حذف کر دے اور صرف دوسرا پیش کر دے تو اس سے یہی ثابت ہوگا کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ حضرت علیؓ پر قدح کرنے والوں میں سے تھے حالانکہ

یہ صحیح نہیں ہے "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف نے یزید کے معاملے میں بھی مورخین کی کتابوں کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی کتابوں کی عبارتوں کے اگلے اور پچھلے حصے اڑا کر چلیے ہی لگا دیئے ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے۔ یزید کی ثنا و صفت کرتے ہوئے ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :۔

"اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں، نیز معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی ان میں تھی۔" (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۰ ج ۸ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید ص ۹۰)

اس عبارت کو پڑھ کر ہر شخص یزید کے کردار اور اس کی سیرت کے متعلق نہایت عمدہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ اس عبارت کے معاً بعد ابن کثیر نے کچھ اور بھی لکھا تھا جسے مولف "خلافت معاویہؓ و یزید" نے نہایت بددیانتی سے کام لیتے ہوئے حذف کر دیا اور وہ فقرے یہ ہیں کہ :۔

"اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر شہوت کا سخت غلبہ رہتا تھا نیز بعض اوقات نمازیں بھی ترک کر دیا کرتا تھا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص ۲۳۰)

صرف ایک مثال سے مولف کی وہ ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے جو اس نے یزید کے زہد و تقویٰ اور حلم و کرم کے متعلق لفاظی اور بے سروپا روایات کی مدد سے تعمیر کی ہے۔

ابن کثیر کے بعد مولف نے دوسرا نام حضرت امام ابن تیمیہؒ کا استعمال کیا ہے اور قارئین پر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ یزید کو بلند کردار اور زاہد و عابد سمجھتے تھے حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ امام ابنِ تیمیہؒ یزید کو ایک فاسق و فاجر شخص سمجھتے تھے اور اس سے بیزاری کا اظہار فرماتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

"جاہل کہتے ہیں کہ وہ (یزید) امت کے صالحین میں سے تھا اور امام عادل تھا۔ حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے"۔ (الوصیت الکبریٰ ص۳۰)

پھر اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "اہل حق یزید کو ملامت کرتے ہیں"

تیسرا مورخ جس سے مولف نے فائدہ اٹھایا ہے ابن خلدون ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ابن خلدون نے جہاں بھی یزید کا ذکر کیا ہے اس کے فسق و فجور ہی کو بیان کیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی اسے زُہّاد و امت میں شامل نہیں کیا نہ اس کی کریم النفسی اور نیکو کاری کا قصیدہ پڑھا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے شہرہ آفاق مقدمے میں حضرت عثمانؓ کے واقعۂ شہادت پر تبصرہ کرنے کے بعد حضرت امام حسینؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"جہاں تک امام حسینؓ کے واقعے کا تعلق ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ جب عوام پر یزید کا فسق و فجور ثابت ہو گیا تو اہلبیت سے محبت رکھنے والوں نے انہیں کو تشریف لانے کی دعوت دی ......" (مقدمہ ابن خلدون صـ۱۸۰)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :-

"امام حسینؓ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا کہ یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے"

(مقدمہ ابن خلدون صـ۱۸۰)

ان اقتباسات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون یزید کو فاسق و فاجر سمجھتا تھا اگر اس میں اسے کوئی شک ہوتا تو آگے چل کر وہ ان روایتوں پر جرح کرتا اور انہیں غلط ثابت کرتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ یاد رہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" کے مولف اپنی کتاب میں ابن خلدون کے مقدمے کی نسبت فرما چکے ہیں کہ :-

"البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات

اور واہی روایات سے انہوں نے لتھیڑ ڈالا"

(خلافت معاویہ و یزید، "عرض مولف" ص)

ہمیں امید ہے کہ "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" کے مؤلف کو یزید کے فسق و فجور میں اب کوئی شک نہیں رہا ہوگا کیونکہ منفرد مورخ علامہ ابن خلدون نے اسے فاسق و فاجر قرار دیا ہے اس لئے اب ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی جائے مگر ٹھہریئے ایک بہت بڑی شخصیت تو باقی رہ گئی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ذرا دیکھئے کہیں وہ بھی یزید کو صلحائے امت میں تو شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"شام میں یزید اور عراق میں مختار کا لوگوں کو اپنی طرف بلانا گمراہی کی طرف بلانا تھا" (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۶ جز ثانی مطبوعہ مصر)

چلئے حضرت شاہ صاحبؒ نے قصہ ہی ختم کر دیا۔ یہی نہیں اور سنیئے فرماتے ہیں کہ:۔

"قرون فاضلہ بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں تھا جنہیں شرع کے اعتبار سے منافق اور فاسق و فاجر کہتے ہیں، حجاج، یزید بن معاویہؓ، مختار اور قریش کے چند چھوکرے جنہوں نے مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالا" (ایسے ہی لوگوں میں سے تھے)

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۸ جز ثانی مطبوعہ مصر)

ایک ذرا سا تسمہ لگا ہوا تھا حضرت شاہ صاحب نے وہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ اور سنیئے مشہور مورخ حضرت علامہ مسعودیؒ واقعہ حرّہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"اہل مدینہ نے مروان بن حکم اور بنوامیہ کے دوسرے افراد کو اس لئے شہر بدر کر دیا تھا کہ انہیں یزید کی عاداتِ قبیحہ کا یقین کامل ہو گیا تھا۔ وہ لوگ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے واقع سے بہت رنجیدہ تھے انہیں اطلاعات مل رہی تھیں کہ یزید شراب میں مخمور رہتا ہے کتے پالتا ہے اور رقص و سرود سے شغف رکھتا ہے" (مروج الذہب جزء دوم ص ۹۶، ۹۷)

رسول اللہؐ کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداءؓ کے نام سے کون واقف نہ ہوگا۔ ان کا زہد و تقویٰ اور نیک نفسی تاریخ اسلام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے قارئین کو یہ سن کر قطعاً حیرانی نہ ہوگی کہ یزید نے ان بزرگ صحابی پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی اور انہیں پیغام دیا کہ اپنی صاحبزادی میرے نکاح میں دیدیجئے اس سے یزید کا مقصد صرف اتنا تھا کہ جب حضرت ابوالدرداءؓ جیسے پائے کے صحابی کی صاحبزادی میرے نکاح میں آجائے گی تو عامۃ المسلمین مجھے عزت و وقعت کی نظر سے دیکھیں گے اور ان کے دلوں میں میرے متعلق جو تنفر پایا جاتا ہے وہ دور ہو جائے گا

مگر حضرت ابوالدرداءؓ مومنانہ فراست کے حامل تھے وہ یزید کا مقصد بھانپ گئے اور انہوں نے ایسے بدکار شخص کو اپنی بیٹی دینے سے انکار کر دیا اور جلد ہی ایک غریب شخص سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔" (کتاب الزہد حضرت امام احمد بن حنبلؒ ص ۱۱۲)

یہ ہے اس شخص کا کچا چٹھا جس کی مدح و توصیف میں "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف نے صفحات کے صفحات سیاہ کر دیئے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ ان کی رائے کی تائید کر دیں یا ابن کثیرؒ، امام المورخین علامہ ابن خلدونؒ حضرت امام ابن تیمیہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور مورخ مسعودی جیسے فاضل مورخین کی آراء کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ یقیناً قارئین کا فیصلہ دوسری ہی بات کے حق میں ہوگا۔

اب آخر میں ایک بات اور سنتے چلیئے۔ مولف نے اپنی کتاب میں یزید کی "حرارتِ دینیہ و خدماتِ ملیہ" کے عنوان سے ایک باب سپرد قلم فرمایا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ :۔

"امیر یزید جیسے پرجوش نوجوان کو زمانۂ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین کئے ہوئے تھی۔ آخر کار اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ گرمیوں کی عسکری مہم پر مجھے تعینات کریں۔"

(خلافت معاویہ و یزید ص ۳۱۰-۳۱۱)

آیئے اب اس "پرجوش نوجوان" کی "حرارتِ دینیہ" اور "جہادی سرگرمیوں" کا

قصہ بھی آپ کو سنا دیں۔ "امام المورخین" علامہ ابن خلدون اپنی شہرہ آفاق تاریخ میں لکھتے ہیں کہ :-

"۵۰ھ میں امیر معاویہؓ نے سفیان بن عوف کی قیادت میں ایک لشکر جرار روم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو بھی اس لشکر میں شامل ہونے کی ہدایت کی مگر اس (پرجوش اور حمیت دینیہ کے حامل نوجوان مصنف) نے اس لشکر میں شرکت کرنا پسند نہ کیا۔ اور معذرت کر دی چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس کی معذرت قبول کر لی۔ اتفاق کی بات کہ اس جہاد میں مجاہدین نے بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ رسد کی کمی اور امراض کی کثرت سے بڑی جانیں ضائع ہوئیں جب یزید کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس کی زبان پر بے ساختہ یہ اشعار جاری ہو گئے۔ (ترجمہ) "میں اس کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا ہوں کہ ان (مجاہدین) کی افواج کو "فرقدونہ" میں مصائب اور بدبختی سے دوچار ہونا پڑا۔ میں نے تو بلند ہو کر رنگ رنگ کے تکیے لگائے اور "دیر مران" میں ام کلثوم میرے پہلو میں تھی۔"

(تاریخ ابن خلدون جزء ثالث ص ۱۰۷۹ مطبوعہ مصر)

سبحان اللہ کیا حمیت دینیہ اور کیا زہد و تقوی ہے کیا جہادی سرگرمیاں ہیں کس قدر کریم النفسی ہے کس قدر اسلام سے محبت ہے۔ اور کتنی

مسلمانوں کی بہی خواہی ہے ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ۔

حضرت امام حسینؓ کا اقدام خروج

زیر تبصرہ کتاب کا سب سے زیادہ تکلیف دہ باب وہ ہے جس میں سیدنا حضرت امام حسینؓ کے اقدامِ خروج پر اعتراض کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کئے گئے ہیں۔

ذیل میں ہم صرف حضرت امام کے اقدام خروج پر بحث کرتے ہیں۔

حضرت امام حسینؓ کے اقدامِ خروج کو غلط ثابت کرنے کے لیے مؤلف نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ :۔

"کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاتا ۔" (خلافت معاویہؓ و یزید صد۲۷)

"جب ایک شخص کی بیعت کر لی جائے اور اس کی حکومت قائم ہو جائے تو اس کے خلاف خروج جائز نہیں" صد۶۱ ، صد۶۳)

"جب کسی شخص کے لئے بیعت منعقد ہو جائے اور پھر اگر کوئی شخص اس پر خروج کرے اور اس سے قتال کرے تو چاہیئے کہ اس پر دوسرے کو قتل کر دیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر" (صد۶۲)

مولف کے موقف کا پہلا حصہ کہ "کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی نہیں تھی" زیر بحث آچکا اور جو کتابیں مولف کے نزدیک مستند و قابل اعتبار ہیں اُن سے

ثابت ہو گیا کہ وہ تمام برائیاں جو ایک اوباش و بدکار شخص میں ہونی چاہئیں یزید میں موجود تھیں۔ پس ایسے شخص کے خلاف خروج کرنا حضرت امام حسینؓ کے لئے واجب تھا یہی موقف "امام المورخین" ابن خلدون نے اختیار کیا ہے (ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صـ) رہ گئی دوسری بات کہ جب ایک شخص کی بیعت کر لی جائے اور اس کی حکومت قائم ہو جائے تو جو شخص اس کے خلاف بغاوت کرے اس کی گردن مار دو۔ اس کے جواب میں ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے بلکہ "خلافت معاویہؓ و یزید" کے محبوب مصنف حضرت امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کی رائے پیش کردیں گے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"ناصبی (یزید کو امیر المومنین اور نیکو کار ماننے والے یعنی مولف کے ہم خیال) غلو کرتے ہیں جن کا خیال ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے بغاوت کی اس لئے ان کو قتل کرنا جائز تھا اور اس حدیث کا سہارا لیتے ہیں کہ اگر "جب تم کسی شخص کے ہاتھ پہ بیعت کر لو اور کوئی دوسرا اگر تم میں تفرقہ نہ ڈالے تو اس کی گردن مار دو خواہ وہ کوئی ہو"؛ اہل سنت ان دونوں کو غلط سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ مظلومانہ شہید کئے گئے اور جن لوگوں نے ان کو شہید کیا وہ سفاک

اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھے اور وہ جس حدیث کا سہارا لیتے وہ یہاں صادق نہیں آتی۔" (منہاج السنتہ جلد دوم صفحہ ۲۵۶)

پھر فرماتے ہیں کہ :-

"جس شخص نے حضرت امام حسینؓ کو شہید کیا یا اس میں اعانت کی یا اس فعل پر اظہار خوشنودی کیا وہ خدا اور رسولؐ کا گنہگار ہے۔" (منہاج السنتہ جلد دوم صفحہ ۲۴۷)

پھر مجموعہ رسائل کبریٰ کے صفحہ ۳۰۱ پر فرماتے ہیں کہ :-

"حضرت امام حسینؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو قتل کرنے والے خدا کے نزدیک بدترین خلائق ہیں۔"

قتلِ حسینؓ کا ذمہ دار؟

آئیے اب دیکھیں کہ حضرت امام حسینؓ کے قتل کا ارتکاب کرنے والا کون تھا جسے حضرت امام ابن تیمیہؒ بدترین خلائق" اور "خدا و رسولؐ کا گنہگار" قرار دیتے ہیں۔

اہل سنت کے مشہور امام حضرت ابو اسحٰق اسفرائینیؒ نے اپنی کتاب "نور العین فی المشہد الحسینؓ" میں یزید کا ایک خط جو ابن زیاد کے نام ہے نقل کیا ہے جس کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"حسینؓ نے اہل کوفہ و عراق کے پاس مسلم کو امام بنا کر بھیجا ہے

تاکہ وہ نماز پڑھائیں اور انہیں خطبہ دیں اور ان میں فیصلے کریں۔ اس لئے ان کی طرف جلدی کرو اور قتل کر کے سر میرے پاس بھیجدو اور ان لوگوں کی جو حسینؓ کا دم بھرتے ہیں اور اپنی زبان سے ان کا نام لیتے ہیں اور ان کی بیعت میں داخل ہو گئے ہیں نگرانی کرو۔ انہیں روکو۔ اگر باز نہ آئیں تو انہیں مع اہل وعیال کے قتل کر ڈالو نیز ان کا مال ضبط کر لو اور ان کی عورتوں کو حراست میں لے لو۔ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کی بھی کوئی تدبیر سوچو کیونکہ عنقریب وہ ان کے پاس پہونچنے والے ہیں جو چاہو کرو تمہیں دمشق کے سوائے تمام شہروں پر اختیار حاصل ہے تم جو کچھ کرو ہم اس سے راضی ہیں پھر کہتا ہوں کہ حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں کو قتل کرنے میں سستی کرنے سے کانوں پر ہاتھ دھرنا۔"

(نور العین فی المشہد الحسینؓ ص۳۸ ترجمہ مولانا محمد انوار الحسن فاضل دیو بند)

یہ امام ابو اسحٰق اسفرائینی کون تھے؟ اور تاریخ اسلام میں ان کا کیا مرتبہ ہے؟ ذیل کی تصریحات سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"ابو اسحٰق اسفرائینی۔ ان کا نام ابراہیم اور ابو اسحٰق کنیت ہے۔ (سلسلۂ نسب یہ ہے) ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن مہران الملقب بہ رکن الدین۔ اسفرائین کے رہنے والے تھے۔ علم کلام اور علم اصول

میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ علمائے نیشاپور نے آپ سے علوم کلام و اصول کی تحصیل کی۔ اہلِ عراق اور اہلِ خراسان بھی آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔ آپ نے بڑی جلیل القدر کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک عظیم کتاب جامع الحلی ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور اصول دین سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں کے آپ مصنف ہیں قاضی ابو الطیب طبری نے نیشاپور آکر آپ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کی آرزو تھی کہ میرا انتقال نیشاپور میں ہو تاکہ اہل نیشاپور میری نمازِ جنازہ پڑھ سکیں اور ہوا بھی ایسا ہی یعنی ۱۰ محرم ۴۱۸ھ کو نیشاپور میں آپ کا انتقال ہوا اور اسفرائین میں مدفون ہوئے"

(دائرۃ المعارف جلد اوّل ص۴۷۵)

اور ملاحظہ فرمائیے :-

"ابو اسحٰق اسفرائینی کا شمار ائمۂ دین میں ہوتا ہے۔ آپ علم کلام - علم اصول، فروع اور متعدد علوم و فنون کے امام اور ماہر ہیں۔ آپ کی عظمت سارے اماموں کے نزدیک مسلّمہ ہے اور آپ میں وہ تمام شرائط پائی جاتی ہیں جو امامت کے لئے ضروری ہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ قیامِ عراق کے بعد جب ابو اسحٰق وہاں سے واپس ہوئے

تو علمائے عراق و خراسان پر آپ کی علمیت و فضیلت کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ آپ نے اپنے وطن میں اقامت اختیار کر لی لیکن جب (اہل نیشاپور نے) بہت کوشش کی تو آپ نیشاپور تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کے درس کی غرض سے ایک ایسی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی کہ اس سے پہلے نیشاپور میں نہیں تھی۔"

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد سوم ص۱۱۱)

اب تک کہا جاتا تھا کہ یزید نے حضرت امام حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ اس کا ذمہ دار ابن زیاد ہے۔ آج قارئین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس بدترین فعل کا ذمہ دار سراسر یزید ہے اور حضرت امام حسینؓ اسی بدترین خلائق کے حکم سے شہید کیے گئے۔

ممکن ہے "خلافت معاویہؓ و یزید" کا مولف حضرت امام ابو اسحٰق اسفرائنیؒ کی رائے تسلیم نہ کرے۔ اس لئے اس پر اتمامِ حجت کی غرض سے ہم ذیل میں "امام المورخین" علامہ ابنِ خلدون کی رائے پیش کرتے ہیں جسے تسلیم کرنا اس کا فرض ہے کیونکہ وہ ابنِ خلدون کی تاریخ دانی کا اعتراف کر چکا ہے۔ ابنِ خلدون اپنے مقدمے میں لکھتا ہے کہ :-

"حضرت امام حسینؓ کے قتل کے متعلق یہ خیال کرنا بہت بڑی غلطی ہے کہ آپ جائز طور پر کسی اجتہادی حکم کے تحت قتل کیے گئے کیونکہ آپ کو ان صحابہ کے اجتہاد سے قتل نہیں کیا گیا جنہیں آپ

کے اجتہاد سے اختلاف تھا بلکہ آپ کو بغیر کسی مجتہد کے اجتہاد کے یزید اور اس کے ساتھیوں نے قتل کیا"

(مقدمہ تاریخ ابن خلدون صا۱۸)

خط کشیدہ عبارت کو پڑھ کر اب تو اس امر میں کوئی شک نہیں رہا کہ قتل حسینؓ کا ذمہ دار صرف اور صرف یزید ہے جو کچھ ہوا اس کے حکم سے ہوا۔ سطور بالا میں جو بحث و گفتگو کی گئی ہے اس سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:

(۱) یزید پرلے درجے کا اوباش، شرابی، زانی، ناچ رنگ کا رسیا اور روحانی و اخلاقی لحاظ سے ایک گھٹیا درجے کا شخص تھا۔

(۲) ایسے بد کردار شخص کے خلاف حضرت امام حسینؓ کا خروج جائز بلکہ واجب تھا کیونکہ اس کے ہاتھوں امت مسلمہ کی تباہی کا خطرہ تھا۔

(۳) یزید ہی حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا ذمہ دار ہے اور حضرت امام حسینؓ اسی کے حکم سے شہید کئے گئے۔

واقعہ کربلا کو سبک کرنے کی کوشش

"خلافت معاویہ و یزید" کے مولف نے اپنی کتاب میں جس طرح امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ گھٹانے کی ناپاک کوشش کی ہے اسی طرح اس نے سیدنا حضرت امام حسینؓ کی عظمت کو کم کرنے میں بھی ایڑی

چوتی کا زور صرف کر دیا ہے۔ سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ اس روح فرسا واقعہ کو مسخ کرنے کی شرمناک کوشش سے بھی باز نہ آیا جو حضرت امامؓ کی عظمت کا بہت بڑا باعث ہے یعنی واقعۂ شہادت۔ یہ "کارنامہ" انجام دینے کے لئے اسے نہایت ہی مضحکہ خیز موقف اختیار کرنا پڑا اور وہ یہ کہ حضرت امام حسینؓ جب مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو آپ غلطی پر تھے لیکن جب آپ کوفہ کے قریب پہونچے اور اہل شہر کی دغابازی وبے وفائی کا حال معلوم ہُوا تو:۔

"آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزید کی بیعت پر تمام امت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے۔ آپؓ نے دمشق جانے کے لیے جیسا کہ ابھی تفصیلاً بیان ہُوا باگ موڑ دی۔ اس کے ساتھ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کیں پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو ممالکِ اسلامیہ کی سرحد پر مصروفِ جہاد ہوں یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیج دیا جائے تاکہ آپ اپنے ابنِ عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں۔" (خلافت معاویہؓ و یزید صفحہ ۱۷۷)

مولف کے خیال کے مطابق گویا حضرت امام حسینؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور آپ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ یزید

کی بیعت تک کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اگر مولف کتاب ہذا کا یہ موقف صحیح ہے کہ حضرت امام حسینؓ یزید کی بیعت کرنے کے لیئے آمادہ ہو گئے تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کربلا کے میدان میں اس ہولناک جنگ کی نوبت کیسے آئی؟ اس الجھن کو دور کرنے اور اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے مولف خلافت معاویہؓ و یزید کو ایک اور کہانی تصنیف کرنا پڑی اور وہ یہ کہ "عمر بن سعدؓ کے ساتھ ملاقات کرنے کے بعد جب حضرت امام حسینؓ اس امر پر آمادہ ہو گئے کہ یزید کی بیعت کر لیں تو ان سے کہا گیا کہ پہلے آپ یہاں یزید کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کیجئے مگر آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد دوسرا مطالبہ یہ کیا گیا کہ وہ آلاتِ حرب جو حسینی قافلے کے ساتھ ہیں نمائندگانِ حکومت کے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس مطالبہ نے برادران مسلمؓ بن عقیل اور بعض کو جو قافلہ حسینؓ میں شامل تھے مشتعل کر دیا اور انہوں نے فوجی دستے کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا اس طرح یہ حادثۂ محزوں پیش آگیا۔"

(ملخص۔ خلافت معاویہؓ و یزید ص ۲۱۱-۲۱۰)

حقیقت یہ ہے کہ یہ کہانی تصنیف کرتے وقت اس کے مصنف سے کئی لغزشیں ہو گئیں اور اس میں متعدد جھول رہ گئے جنھوں نے

اس کے سارے تار و پود دیکھ کر رکھ دیئے۔ پہلی بات تو یہ کہ اگر حضرت امام حسینؓ اپنے موقف سے رجوع کر چکے تھے اور انہیں اپنی اس "غلطی" کا احساس ہو چکا تھا جس کے تحت انہوں نے یزید کی بیعت کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے یزید کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت امام حسینؓ نہایت بے نفس پاک باز اور باضمیر انسان تھے۔ اگر آپ یہ محسوس فرما لیتے کہ یزید کے خلاف خروج کرنے میں ان سے لغزش ہوئی ہے اور یہ آپ کے ضمیر کی آواز ہوتی تو آپ ایک لمحے کی "تاخیر" کئے بغیر یزید کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے کیونکہ جیسے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرتے ویسے ہی اس کے نمائندے کے ہاتھ پر۔ آپ کا انکارِ بیعت صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ آپ نے یزید کی بیعت کرنے کا خیال قطعاً ظاہر نہیں کیا۔ یہ کذا بینِ بنو امیہ کی وضع کردہ روایت ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر واقعہ کربلا اسی طرح پیش آیا ہوتا جس طرح مولف "خلافت معاویہؓ و یزید" نے بیان کیا ہے یعنی یزید کی فوجیں تو صرف قافلہ حسینؓ سے ہتھیار رکھوانا چاہتی تھیں لڑائی کی ابتدا خود حضرت حسینؓ اور آپؓ کے ہمراہیوں نے کی۔ مجبوراً یزید کی فوج کو بھی اپنی مدافعت میں ہتھیار اٹھانے پڑے تو قدیم تاریخوں میں کہیں تو اس کا ذکر ہوتا۔ اس واقعہ کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی شاہد ہوں گے۔ خود عمر و بن سعد، شمر ذی الجوشن

اور یزید کے سپاہی اور افسر۔ اگر واقعے کی نوعیت وہی ہوتی جو "خلافت معاویہ ویزید" کا مولف بیان کر رہا ہے تو ان راویوں کی زبان سے اس قدر روائتیں بیان ہوتیں کہ انبار لگ جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بالکل من گھڑت داستان ہے جس کا تاریخ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ مولف کتاب ہذا کو قدیم عربی تاریخیں چھوڑ کر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا سہارا لینا پڑا۔

ہم مولف سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ارضِ کربلا انگلستان، ہالینڈ، فرانس یا جرمنی کے کسی حصے میں واقع تھی اور جس وقت یہ المناک واقعہ پیش آیا ہے اس وقت "دانشورانِ فرنگ" وہاں موجود تھے جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی روئیداد اپنی اولاد کو سنائی اور اس طرح یہ داستان نسلِ بعد نسلاً منتقل ہوتی ہوئی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مغربی مقالہ نگار تک پہونچ گئی اور عرب کے مورخ اس سے محروم رہ گئے۔ نہ ابن خلدون کو یہ نکتہ سوجھا نہ طبری کو، نہ ابنِ سعد پر اس کا انکشاف ہوا، نہ ابنِ اثیر پر، نہ ابنِ کثیر اس سے آگاہ ہو سکا۔ نہ صاحبِ عقد الفرید، نہ ذہبی کو اس کی خبر ہو سکی نہ ابن حجر عسقلانی کو، الاستیعاب کا مولف بھی اس سے بے خبر رہا اور اخبار الطوال کا مصنف بھی غرض کہاں تک نام گنوائے جائیں، سارا ایشیا اس قصے سے غافل رہا۔ یہ

"گنجینۂ معلومات" صرف اور صرف اہلِ یورپ کے حصے میں آیا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی بے سرو پا افسانہ تیار کیا جائے تو اس میں اس قسم کی خامیاں باقی رہ ہی جایا کرتی ہیں اور انہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کو اس افسانے سے کوئی نسبت نہیں۔

حسینؓ مکہ سے کیوں گئے؟

مولف خلافت معاویہؓ و یزید نے اپنی کتاب کے ص۶۷ پر "حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہ کے نصائح" کے عنوان سے ایک باب سپرد قلم کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ کو آپ کے رشتہ داروں، بزرگوں اور صحابہ کرام نے بار بار سمجھایا کہ آپ مکہ نہ جایئے مگر حضرت امامؓ نے کسی کی بات نہ مانی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ہلاک کر دیئے گئے۔ خود ہم نے بھی اپنی اسی کتاب میں حضرت امام حسینؓ کے عزیزوں، دوستوں اور بزرگوں کے بہت سے مشورے اور خطوط درج کئے ہیں جن کے مطالعے سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے ان مشوروں پر عمل نہ کر کے سخت غلطی کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ حضرت امام حسینؓ کو مکہ چھوڑنے سے روک رہے تھے وہ حضرت امام حسینؓ کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد تھے مگر واقعات کا جائزہ لینے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے مقابلے میں مشورہ دینے والوں کی نظر گہری نہیں تھی۔ یقیناً وہ یہی چاہتے

تھے کہ حضرت حسینؓ اور آپ کے ہمراہیوں کی جانیں کسی خطرے میں نہ پڑ جائیں لیکن جو راستہ وہ حضرات بتا رہے تھے خود اس میں بھی حضرت حسینؓ کے لیے خطرہ موجود تھا۔ حضرت حسینؓ مکہ میں رہتے یا یمن میں، عراق میں رہتے یا ایران میں وہ ہمیشہ بنو امیہ کی نگاہوں میں کھٹکتے رہتے اور جب تک یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کر لیتے انہیں امن نہیں مل سکتا تھا۔ حضرت امامؓ کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ جب میں مکہ میں قیام کروں گا تو یزید کے گماشتے یہاں بھی آئیں گے اور مجھ سے بیعت کا مطالبہ کریں گے جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ اس صورت میں دشمن کی فوج مجھ پر یلغار کرے گی اپنی مدافعت کے لئے مجھے بھی اس کا مقابلہ کرنا ہوگا جس کے نتیجے میں جنگ برپا ہوگی اور اس امر کا احتمال ہے کہ دورانِ جنگ کعبہ کو نقصان نہ پہونچ جائے اور بے گناہ شہری اس جنگ کی لپیٹ میں نہ آجائیں اگر ایسا ہوا تو یہ کعبہ کی حرمت اور مکہ کے تقدس کو سخت صدمہ پہونچانے والی بات ہوگی۔ کتنے افسوس کا مقام ہوتا کہ وہ مقدس گھر جہاں کبوتر مارنا بھی ممنوع قرار دیا جا چکا ہے وہاں انسانی خون کا دریا بہتا اور وہ متبرک مکان جسے حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم کے مطابق تعمیر کیا۔ حضرت امام حسینؓ کی وجہ سے منہدم ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے مکہ میں قیام کرنا پسند نہ کیا۔ بعد میں حضرت امام حسینؓ کا اندیشہ

صحیح ثابت ہوا یعنی جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعتِ یزید کا مطالبہ کیا گیا اور انہوں نے انکار کیا تو یزید کے ٹڈی دل لشکر نے مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ کا جو نتیجہ نکلا اس سے تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی باخبر ہے کہ ہزاروں کلمہ گو شہید کر دیئے گئے۔ ان شہید ہونے والوں میں رسول اللہؐ کے صحابہ، حفاظ اور تابعین کی ایک کثیر تعداد بھی تھی۔ یہی نہیں کعبہ پر بھی سنگ باری کی گئی اور غلافِ کعبہ جل گیا۔ عمارت کا کچھ حصہ بھی مسمار ہو گیا۔ اسی طرح مدینہ کو بھی تباہی کا نشانہ بنایا گیا۔ خیال ہی نہیں یقین ہے کہ اگر حضرت امام حسینؓ مکہ ہی میں مقیم رہتے اور وہی واقعات پیش آتے جو حضرت ابن زبیرؓ کی وجہ سے پیش آئے تو آج معترض حضرت حسینؓ پر یہ اعتراض کرتے کہ حسینؓ حرمتِ کعبہ کو برباد کرنے کا موجب بنے۔ ان الفاظ کے ساتھ اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں کیونکہ ہماری کتاب کی ضخامت اس سے زیادہ تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

ہم نے کتاب کے اس حصے میں جس کا عنوان "امارتِ معاویہؓ و یزید" ہے اصولی بحث کو مدنظر رکھا ہے "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مولف نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کلیے قائم ہوتے تھے انہیں قائم کر کے ان کے جوابات دے دیئے ہیں۔ باقی چیزیں انہیں کے تحت آجاتی ہیں یعنی :-

۱۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت علیؓ کی خلافت اسی طرح برحق تھی جس طرح حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والے خطاکار تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کرنے والے بھی خطاکار تھے۔ سوائے حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے کہ ان حضرات نے آخر میں اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔

۲۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت خلافت راشدہ نہ تھی اور انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر کے اسلام کو شدید ضعف پہونچایا نیز حضرت امام حسنؓ پر یورش کر کے خلافت پر بہ جبر قبضہ کر لیا تو ان کے متور کردہ جانشین کی آئینی یا اسلامی حیثیت صفر کے برابر رہ جائے گی۔

۳۔ جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ یزید کی بیعت قطعاً غیر اسلامی طریقے سے رشوت، لالچ اور خوف کے تحت ہوئی تھی۔ اور

۴۔ وہ پرلے درجے کا بدکردار، فاسق و فاجر اور گھٹیا آدمی تھا تو اس کے خلاف حضرت امام حسینؓ کا خروج کرنا بالکل درست تھا۔

۵۔ جب یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ حضرت امام حسینؓ کی

شہادت یزید کے حکم اور ابن زیاد و ابن سعد کے اشتراک سے ہوئی تو ان تینوں کے مردود و مقہور ہونے میں کوئی شبہ نہیں اب انہیں کوئی زہاد امت کے زمرے میں شامل کرے یا ثقہ تابعین کا درجہ دے ان پر خدا اور اس کے بندوں کی پھٹکار ہی برستی رہے گی۔

"خلافت معاویہؓ و یزید" کے یہی پانچ بڑے بڑے مباحث ہیں باقی چیزیں ضمنی ہیں۔ اور جب ایک چیز کا کل غلط ہے تو جزو خود بخود غلط ہو گا۔

ہمارا خیال ہے کہ ان محدود صفحات میں اس کتاب پر نقد و جرح کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ورنہ ہم نے اختیار کر لیا۔ اس کی اشاعت کے بعد اگر قارئین نے فرمائش کی یا ہمیں بطور خود ضرورت محسوس ہوئی تو ہم اپنی آئندہ کتاب "امام حسنؓ اور ان کی شخصیت" میں ان پہلوؤں پر بھی بحث کر سکیں گے جنہیں ہم نے ضمنی سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔
